مافیا

PDFBOOKSFREE.PK

4

اقبال کاظمی

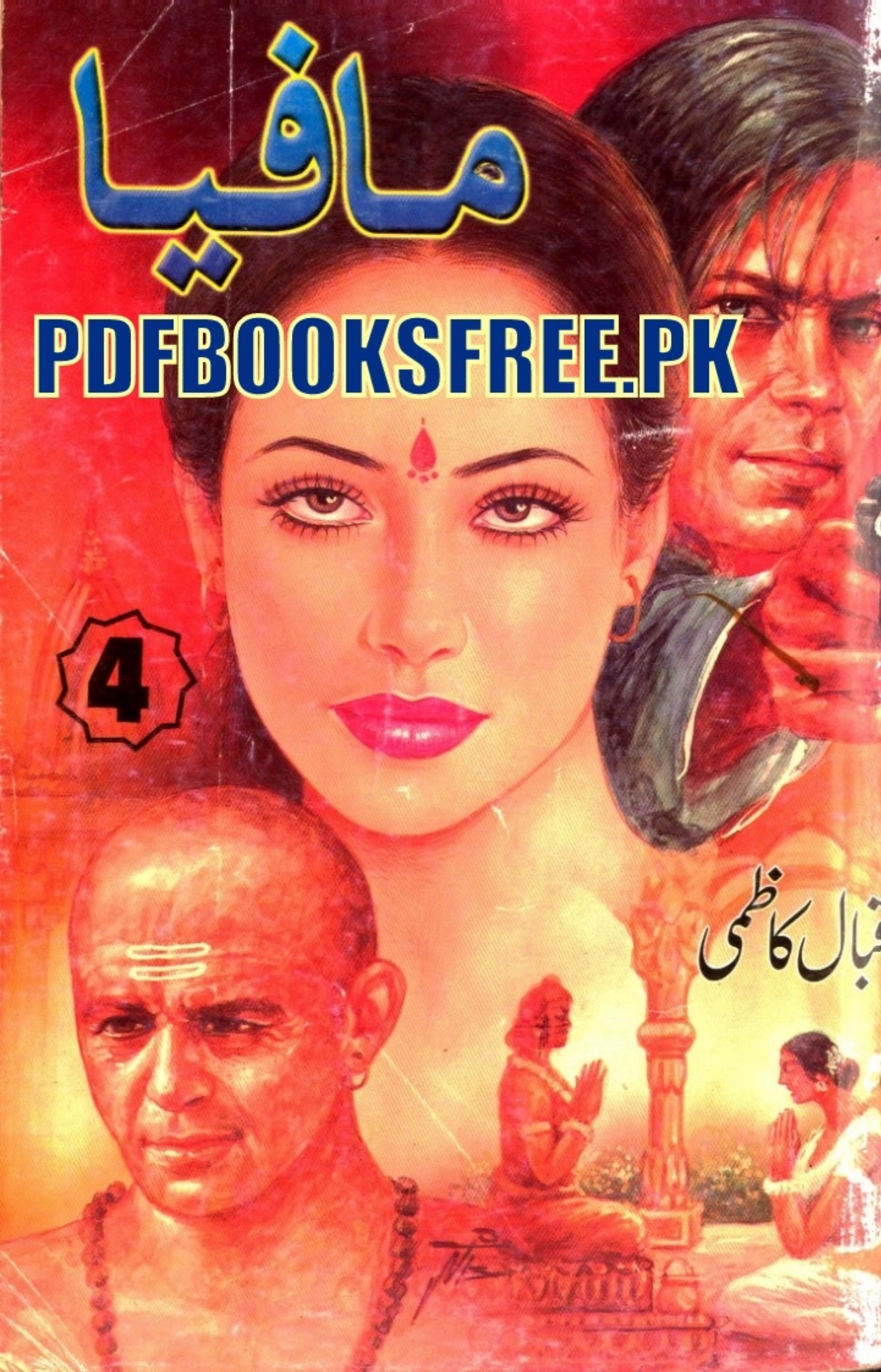

پتھر کی طرح سخت، موت کی طرح بے رحم ایک شعلہ جوالا شخص کی داستان
جو لطیف جذبوں سے آشنا تھا، لیکن معاف کرنا اُس کی فطرت میں شامل نہیں تھا

3267/4
SAHIWAL

مافیا

4

تحریر: اقبال کاظمی ——— راوی: نظیر محمد ناجی

مکتبہ القریش ◎ سرکلر روڈ
اردو بازار، لاہور ۲۔ فون: ۷۶۶۸۹۵۸
اشاعت

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

3267/4

صبح گیارہ بجے رتنا نے مجھے جھنجھوڑ کر جگایا۔

''اٹھنے کا ارادہ نہیں ہے، دن بھر سوئے رہو گے کیا؟'' اس نے کہا۔

''نندنی واپس آ گئی یا نہیں؟'' میں نے آنکھیں کھلتے ہی سب سے پہلے نندنی کے بارے میں پوچھا۔

''وہ صبح سات بجے آ گئی تھی اس وقت اپنے دفتر میں ہے۔'' رتنا نے جواب دیا۔

''جاگ جانے کے بعد میں دیر تک پلنگ پر کروٹیں بدلتا رہا۔ رتنا نے مجھے چائے لا کر دے دی میں بیڈ کی پشت گاہ سے ٹیک لگائے بیٹھا چائے پیتا رہا اور نندنی کے بارے میں سوچتا رہا۔ کیا وہ محض ہمدردی کی بنا پر ہمارا ساتھ دے رہی تھی۔ اپنے آپ کو مصیبت میں ڈال رہی تھی وہ یہ بات بھی اچھی طرح جانتی تھی کہ اگر یہ راز کھل گیا تو اسے بھی نہیں بخشا جائے گا۔''

نندنی سے دوپہر کے کھانے پر بھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ شام چھ بجے گپتا آ گیا اس نے بتایا کہ نندنی جے پور چلی گئی ہے۔ آٹھ نو بجے تک لوٹ آئے گی۔

''میں عجیب شش و پنج میں مبتلا تھا، کبھی نندنی کی ان پراسرار سرگرمیوں پر شبہ ہونے لگتا اور کبھی میں اپنے آپ کو سرزنش کرنے لگتا کہ بلاوجہ اس پر شک کر رہا ہوں۔''

نندنی رات نو بجے کے قریب واپس آئی وہ بہت تھکی ہوئی لگ رہی تھی اس کے تھوڑی دیر بعد جب ہم کھانے پر بیٹھے وہ بتا رہی تھی۔

''صبح سیاحوں کی ایک بس سار سکا جا رہی ہے۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر میری طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ تم لوگوں کی خاطر مجھے اس کی جو قیمت ادا کرنی پڑی ہے اس کا تم اندازہ نہیں لگا سکتے بہرحال آج کی بھاگ دوڑ کے بعد میں نے یہ پتہ بھی چلا لیا ہے کہ اس بس کا ڈرائیور اور ہیلپر کون ہوگا اور سیاحوں کے ساتھ گائیڈ کون ہوگی۔'' وہ ایک بار پھر خاموش ہوگئی اور چند لمحوں بعد بولی۔'' یہ تم لوگوں کی خوش قسمتی ہے کہ گائیڈ کی حیثیت سے ششادری کا انتخاب کیا گیا ہے۔ ڈرائیور اور ہیلپر کو آمادہ کرنے کے لئے مجھے خاصے پاپڑ بیلنے پڑے تھے۔ دونوں سے دس دس ہزار روپے میں بات ہوئی ہے۔ بیس ہزار روپے ایک اور آدمی کو دینے پڑیں گے جس نے یہ ٹورارینج کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔''

''ٹھیک ہے ہم یہ رقم دے دیں گے لیکن یہ لوگ کوئی گڑبڑ تو نہیں کریں گے؟'' میں نے کہا۔

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

بار اوّل ——— 2003ء
ناشر ——— محمد علی قریشی
مطبع ——— نیر اسد پریس لاہور
سرورق ——— ذاکر
کمپوزنگ ——— نوید بٹ
قیمت ——— -/60روپے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

"راستے میں کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی تم لوگ خیریت سے سارسکا پہنچ جاؤ گے وہاں سے الور جانے کے لئے فوراً ہی کوئی نہ کوئی بس وغیرہ مل جائے گی۔" نندنی نے کہا "ڈرائیور اور ہیلپر ابھی گیارہ بجے کے قریب یہاں آئیں گے انہیں رقم ابھی ادا کرنی ہوگی، تیسرا آدمی صبح آئے گا تیس ہزار اسے دیئے ہوں گے۔"

"یہ رقم تو ہم تمہیں ابھی دے دیں گے۔" میں نے کہا۔ "لیکن پروگرام کیا ہے کیا صبح ہمیں جے پور جانا ہوگا جہاں سے بس روانہ ہوگی۔"

"سارسکا جانے والی بس یہیں سے گزرے گی۔" نندنی نے جواب دیا۔ "بس صبح سات بجے یہاں پہنچ جائے گی۔ چند منٹ کے لئے ہم اسے روکے رکھیں گے اس دوران ڈرائیور اور ششادری اندر آجائیں گے تم دونوں ان سے اپنے کپڑے بدل لینا تم ڈرائیور کی سیٹ سنبھال لو گے اور رتنا گائیڈ کی حیثیت سے بس میں سوار ہوگی۔ ڈرائیور اور ششادری عام مسافروں کی طرح بس میں بیٹھ جائیں گے۔

"راجستھان تو تاریخی عمارتوں سے پٹا پڑا ہے۔" رتنا نے کہا "اس راستے میں بھی جگہ جگہ ایسی عمارتیں ہوں گی اگر بس کے مسافروں نے کسی جگہ کے بارے میں پوچھ لیا تو میں کیا جواب دوں گی۔"

"ایسی کوئی بات ہوئی تو ششادری سنبھال لے گی، تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"اور ہیلپر کا کیا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"اس کا اس منصوبے میں کوئی کردار نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ چونکہ اس راز میں شامل ہے اس لئے اسے رقم دینی پڑے گی۔" نندنی نے کہا۔

"کھانے کے بعد نندنی بھی ہمارے کمرے میں آ گئی۔ میں نے رتنا کو اشارہ کیا اس نے الماری کے نچلے خانے میں سے سوٹ کیس نکال لیا یہ وہی سوٹ کیس تھا جو ششادری لے کر آئی تھی اور ہم نے سب کچھ اس میں رکھ دیا تھا۔ نندنی چونکہ ہمارے پاس موجود زیورات کے بارے میں جان چکی تھی اس لئے میرے خیال میں مزید رازداری کی ضرورت نہیں تھی۔"

رتنا نے اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر چابی نکالی اور اٹیچی کیس کے دونوں تالے کھول کر ڈھکنا اٹھا دیا۔ زیورات اور رقم رتنا کی دو ساڑھیوں میں الگ الگ کر کے دو بنڈل سے بنا دیئے گئے تھے اور وہ دونوں بنڈل جوں کے توں سوٹ کیس میں رکھ دیئے گئے تھے۔ میں نے ایک بنڈل باہر نکال لیا۔

دس دس ہزار روپے والے نوٹوں کے چار بنڈل نکال کر نندنی کے حوالے کر دیئے۔ رتنا نے ایک طلائی کڑا اور دو بنڈل اور نکال لئے اور انہیں نندنی کے سامنے رکھتے ہوئے بولی۔

"معاوضے کے طور پر کچھ پیش کرنا تمہاری توہین ہوگی، یہ حقیر سی بھینٹ سمجھ کر قبول کر لو۔"

"نندنی کے چہرے کا رنگ بدل گیا، جیسے اسے رتنا کی بات بری لگی ہو۔"

"انکار مت کرنا، ایک بہن کا تحفہ سمجھ لو۔" رتنا جلدی سے بولی۔

"تمہاری بات مان لیتی ہوں۔" نندنی گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔

"بس یہ کڑا رکھ لیتی ہوں، ہر وقت میری کلائی میں رہے گا اور تمہاری یاد دلاتا رہے گا لیکن یہ رقم

میں نہیں لوں گی۔"

اور واقعی اس نے رقم نہیں لی۔ رتنا نے سوٹ کیس بند کر کے دوبارہ الماری میں رکھ دیا اور ہم وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ گیارہ بجے کے قریب گپتا نے آ کر بتایا، ڈرائیور اور اس کا ہیلپر ملنے آئے ہیں۔

نندنی نے انہیں اندر بلا لیا۔

وہ تینوں سٹنگ روم میں بیٹھے باتیں کرتے رہے اور پھر نندنی نے ہمیں بھی وہیں بلا لیا۔ گپتا واپس جا چکا تھا۔

ڈرائیور کا نام سرنام سنگھ تھا اور وہ جے پور ہی کا رہنے والا تھا۔ میں کرید کرید کر اس کے بارے میں پوچھنے لگا تاکہ یہ معلومات ضرورت کے وقت کام آ سکیں۔

"تم لوگ ایک دوسرے کے بارے میں اچھی طرح جان لو جب تک میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔" نندنی کہتے ہوئے اٹھ کر چلی گئی۔

اس کی واپسی تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہوئی تھی اس دوران ہم ڈرائیور اور اس کے ہیلپر سے باتیں کرتے رہے۔ رتنا بھی ان دونوں کے بارے میں کرید کرید کر پوچھتی رہی۔

نندنی نے چائے کی ٹرے میز پر رکھ دی اور نوٹوں کا ایک بنڈل بھی ان کے حوالے کر دیا۔

بارہ بجے کے قریب وہ دونوں چلے گئے۔ نندنی پھر ہمارے کمرے میں آ گئی اور تقریباً دو بجے تک وہاں بیٹھی باتیں کرتی رہی اس کے جانے کے فوراً بعد میں بھی سو گیا تھا۔

صبح ساڑھے چھ بجے میری آنکھ کھل گئی۔ رتنا پہلے ہی جاگ چکی تھی اس کے تھوڑی ہی دیر بعد نندنی چائے لے آئی۔

"چائے پی کر تیار ہو جاؤ بس ٹھیک سات بجے یہاں پہنچ جائے گی۔" اس نے ہم دونوں کے ہاتھوں میں ایک ایک کپ دے دیا اور ایک کپ خود لے کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

چائے پی کر میں کمرے سے نکلا اور بنگلے کے پچھلے حصے میں واقع باتھ روم میں گھس گیا۔

سات بجے باہر بس کی آواز سنائی دی اور اس کے تھوڑی ہی دیر بعد ششادری ڈرائیور کے ساتھ بنگلے میں آ گئی۔ ہیلپر نہیں آیا۔ اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

"تم دونوں دوسرے کمرے میں جا کر آپس میں کپڑے تبدیل کر لو۔" نندنی نے مجھے اور ڈرائیور کو اشارہ کیا اور تم دونوں بھی اب اس کا اشارہ ششادری اور رتنا کی طرف تھا۔

"میں رتنا کے لئے دوسری ساڑھی لے آئی ہوں۔ میں اپنے ڈریس میں جاؤں گی۔" ششادری نے اپنا شولڈر بیگ کھولتے ہوئے کہا۔

میں ڈرائیور کے ساتھ دوسرے کمرے میں آ گیا۔ ہمیں لباس تبدیل کرنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ ڈرائیور کی وردی مجھے بالکل فٹ آ گئی تھی۔ بائیں جیب پر بیج لگا ہوا تھا اور ٹوپی پر بھی سامنے کی طرف آئی ٹی ڈی سی کا نشان بنا ہوا تھا میں نے ڈرائیور سے اس کا دھوپ کا چشمہ بھی لے کر لگا لیا

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

اور جب آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا جائزہ لیا تو میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

جب میں اس کمرے میں واپس آیا تو رتنا بھی کپڑے بدل چکی تھی، گلابی ساڑھی میں وہ کھلا ہوا گلاب ہی لگ رہی تھی۔ ششادری اس کی ساڑھی پر ... درست کر رہی تھی۔ نندنی مجھے دیکھتے ہی اٹھ گئی۔

"اب چل پڑو، زیادہ دیر مناسب نہیں ہے۔" وہ بولی اور "اپنا سامان لے لو، یہاں کچھ بھول مت جانا۔"

رتنا نے الماری میں سے سوٹ کیس نکال لیا اور ہم لوگ بنگلے سے باہر آ گئے۔ ڈرائیور ہمارے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔

بس دفتر کے سامنے کھڑی تھی، کچھ سیاح نیچے اتر کر ٹہل رہے تھے اس ایئر کنڈیشنڈ بس میں چالیس سیاح تھے جو سب کے سب غیر ملکی تھے کسی کے پاس اسٹل کیمرہ تھا اور کسی کے پاس مووی کیمرہ، ہیلپر بھی بس کے باہر کھڑا تھا اس نے آگے بڑھ کر رتنا کے ہاتھ سے اٹیچی کیس لے کر چھت پر ٹورسٹوں کے سامان کے ساتھ رکھ دیا۔ تمام ٹورسٹ بھی بس میں بیٹھ گئے۔ میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور اللہ کا نام لیتے ہوئے انجن اسٹارٹ کر دیا مجھے دوسری مرتبہ بس چلانے کا موقع ملا تھا۔ پہلی مرتبہ جب ہم ماؤنٹ آبو سے فرار ہوئے تھے اس وقت بارش بھی ہو رہی تھی۔ پہاڑی علاقوں میں بارش کے موسم میں بس چلانا بہت خطرناک ہوتا ہے لیکن میں بڑی ہوشیاری سے ان خطرناک راستوں پر بس چلاتا ہوا جودھ پور تک لے گیا تھا اور اب دوسری مرتبہ یہ بس چلا رہا تھا۔

نندنی کے بنگلے میں کپڑے بدلنے کے دوران ڈرائیور نے مجھے بتا دیا تھا کہ جے پور سے نکلتے ہی چیک پوسٹ پر مسافروں کو چیک کیا گیا تھا۔ آگے اگرچہ چیکنگ کی توقع نہیں تھی مگر اس امکان کو رد بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ کسی جگہ بس کو روک لیا جائے۔

ہیلپر دروازے کے قریب والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا جبکہ رتنا ششادری اور ڈرائیور میرے پیچھے والی سیٹ پر تھے بس میں تمام سیاح یورپین تھے ان میں کوئی بھی اردو سمجھنے والا نہیں تھا اس لئے ڈرائیور سرنام سنگھ بڑے اطمینان سے مجھے راستے کے بارے میں ہدایات دیتا جا رہا تھا۔

بس امبر سے نکل کر دہلی کی طرف جانے والی نیشنل ہائی وے نمبر آٹھ پر آ گئی میں نے رفتار بڑھا دی آگے ویرانہ تھا مگر سڑک ویران نہیں تھی، ٹریفک کی آمد و رفت جاری تھی بعض گاڑیاں بہت تیز رفتاری سے ہمیں اوورٹیک کر کے آگے نکل رہی تھیں سامنے سے آنے والی گاڑیوں کی رفتار بھی خاصی تیز تھی میں بہت محتاط ہو کر بس چلا رہا تھا سامنے سے کسی گاڑی کو آتے دیکھ کر بس کو سڑک کے بالکل کنارے پر لے لیتا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے سفر کے بعد سامنے درختوں کے کچھ جھنڈ دکھائی دینے لگے۔ جیسے جیسے فاصلہ طے ہو رہا تھا منظر واضح ہوتا جا رہا تھا۔ میرا خیال تھا وہاں کوئی چھوٹی سی جھیل تھی جہاں آبادی ضرور ہو گی۔

میرا اندازہ اس حد تک تو درست نکلا کہ وہاں ایک چھوٹی سی جھیل تھی مگر آبادی ایسی نہیں تھی جسے

گاؤں یا بستی کا نام دیا جا سکے۔ دو تین ڈھابا ٹائپ کی دکانیں اور ایسے ریسٹورنٹ تھے جن کے سامنے لکڑی کے بنچ اور چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ سڑک کے دوسری طرف کافی دور ہٹ کر کچھ کھنڈرات نظر آ رہے تھے۔ میرا خیال ہے کچھ عرصہ پہلے یہاں آبادی رہی ہو گی پھر کسی وجہ سے وہ بستی ویران ہو گئی اور عمارتیں کھنڈروں میں تبدیل ہو گئیں اور ان کھنڈروں ہی کی وجہ سے یہاں پر یہ چند ڈھابے اور ریسٹورنٹس بن گئے تھے۔ اس شاہراہ پر سفر کرنے والے چائے یا کھانے وغیرہ کے لئے یہاں کچھ دیر کے لئے رک جاتے ہوں گے۔

"بائیں طرف والے ہوٹل کے سامنے بس روک لینا بھایا۔" میرے پیچھے بیٹھے ہوئے ڈرائیور نے کہا۔ "یہاں پانچ دس منٹ رکیں گے، چائے وائے پئیں گے، ششادری دیوی ٹورسٹوں کو ان کھنڈروں کے بارے میں بتائیں گی پھر آگے چلیں گے۔"

میں نے ان کھنڈروں کی طرف دیکھا، وہ کھنڈرات ایک ٹیلے پر تھے اور کم از کم دو عمارتیں ایسی تھیں جن کے بارے میں کوئی بات کہی جا سکتی تھی وہ یقیناً کسی زمانے میں اس علاقے کے راجاؤں کے محل رہے ہوں گے۔

ڈھابوں اور ریستورانوں کے سامنے ایک جیپ اور دو تین کاریں بھی کھڑی تھیں۔ کچھ لوگ بنچوں اور چارپائیوں پر بیٹھے ہوئے تھے میں نے ڈرائیور کے بتائے ہوئے ریسٹورنٹ کے سامنے بس روک لی اور اس وقت دہلی کی طرف سے آنے والی ایک بس سامنے والے ایک ریسٹورنٹ کے سامنے رکی تھی۔

تقریباً آدھا گھنٹہ رکنے کے بعد ہم آگے روانہ ہو گئے۔ چند کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد نیشنل ہائی وے چھوڑ کر ہم ایک اور سڑک پر مڑ گئے یہ سڑک سارسکا سے ہوتی ہوئی الور تک چلی گئی تھی۔ الور سے آگرہ، دہلی اور دوسری سمتوں میں سڑکیں نکلتی تھیں۔ الور ایک بڑا ریلوے اسٹیشن بھی تھا جہاں سے دہلی، جے پور اور آگرہ کے لئے ٹرین بھی مل سکتی تھی۔

سارسکا تک پہنچنے میں مزید ایک گھنٹہ لگ گیا اس طرف گھنے جنگل تھے۔ سارسکا جنگل کے کنارے پر درمیانے درجے کا قصبہ تھا جہاں چند قدیم عمارتیں بھی تھیں جن کا شمار آثار قدیمہ میں ہوتا تھا۔ ٹورازم کا دفتر قصبے سے ذرا ہٹ کر تھا اس کے ساتھ ہی ایک بہت بڑا گیسٹ ہاؤس بھی تھا یہاں ایک بہت بڑا سارسکا پیلس ہوٹل بھی تھا اور یہ ہوٹل بھی محکمہ سیاحت کے ہی زیر انصرام تھا۔

میرے پیچھے بیٹھا ہوا سرنام سنگھ مجھے راستہ بتاتا رہا اور ٹورسٹ آفس کے سامنے پہنچ کر میں نے بس روک لی اور انجن بند کر دیا جب میں بس کا دروازہ کھول کر نیچے اتر رہا تھا تو ٹھیک اس وقت دفتر کے دروازے سے بھی ایک بھاری بھرکم آدمی باہر نکلا تھا اس کی عمر پینتالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہو گی سر درمیان سے بالکل گنجا تھا اور دائیں بائیں اور پیچھے کی طرف گرے بالوں کی ایک جھالر سی رہ گئی تھی اس کی آنکھیں چہرے کے لحاظ سے بہت چھوٹی تھیں اور عجیب سی لگ رہی تھیں میری طرف دیکھتے ہوئے اس کے چہرے پر الجھن کے تاثرات ابھر آئے تھے اسے ایک نظر دیکھتے ہی میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ کوئی اچھا آدمی نہیں تھا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

سرنام سنگھ اور ششادری وغیرہ بھی نیچے اتر آئے، ہیلپر نے بس کی چھت سے سیاحوں کا سامان اتارنا شروع کر دیا کسی بھی ٹورسٹ کا سامان ایک بیگ سے زیادہ نہیں تھا صبح پیدل سفر کے دوران آسانی سے کندھے پر لادا جا سکتا تھا۔

ششادری اور سرنام سنگھ برآمدے میں اس موٹے آدمی کے پاس چلے گئے میں بھی ان کے پیچھے ہی تھا۔ سرنام سنگھ نے اس کا تعارف کرایا وہ بھی اس آفس کا منیجر امریش تھا میرے بارے میں سرنام سنگھ نے صرف اتنا بتایا کہ میں محکمہ سیاحت کا ڈرائیور ہوں اور پہلی مرتبہ اس طرف آیا ہوں۔ اس دوران رتنا بھی اپنا سوٹ کیس لے کر آ گئی۔ امریش اب بھی ہم دونوں کو گھورتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ہم گیسٹ ہاؤس میں آ گئے جہاں اسٹاف کے لئے بھی دو تین کمرے مخصوص تھے۔ ٹورسٹوں میں سے کچھ گیسٹ ہاؤس میں آ گئے تھے اور دیگر کو سارسکا پیلس ہوٹل کی طرف بھیج دیا گیا تھا۔

میں اور رتنا ششادری کے ساتھ ایک کمرے میں آ گئے۔ ششادری تو اپنے ڈریس میں رہی البتہ میں نے اور رتنا نے فوراً ہی کپڑے بدل لئے تھے۔

''تم لوگ کمرے ہی میں رکو میں معلوم کر کے آتی ہوں کہ الور کی طرف کوئی گاڑی جانے والی ہے یا نہیں۔'' ششادری کہتے ہوئے باہر چلی گئی اس کی واپسی تقریباً دس منٹ بعد ہوئی تھی۔ وہ خاصی بدحواس ہو رہی تھی، آنکھوں میں وحشت سی بھری ہوئی تھی۔

''کیا ہوا؟ خیریت.....'' میں نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا، میری چھٹی حس کسی گڑبڑ کا احساس دلانے لگی تھی۔

''غضب ہو گیا'' ششادری نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا اور کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔ ''امبر میں نندنی کو پکڑ لیا گیا ہے اس نے اعتراف کر لیا ہے کہ تم دونوں اس کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے اور آج صبح سیاحوں کی بس میں سارسکا چلے گئے ہو۔''

''اوہ۔'' میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ''تمہیں کیسے پتہ چلا؟''

''ہم لوگ اکثر اس طرف آتے رہتے ہیں، امریش ہمیں اچھی طرح جانتا ہے لیکن تم دونوں کو دیکھ کر وہ کچھ الجھ گیا تھا اگرچہ سرنام سنگھ نے اسے بتا دیا تھا کہ تم لوگوں کا تعلق بھی محکمہ سیاحت ہی سے ہے لیکن اسے شبہ ہے کہ تم دونوں وہی ہو جنہیں تلاش کیا جا رہا ہے۔''

''لیکن اسے کیسے پتہ چلا؟'' میں نے پوچھا۔

''ایک گھنٹہ پہلے نندنی پکڑی گئی تھی اس نے انکشاف کیا کہ تم دونوں اس بس پر سارسکا گئے ہو تو تھوڑی دیر پہلے فون پر جے پور سے امریش کو ہدایت کی گئی کہ غیر ملکی سیاحوں کے علاوہ بس پر جو بھی مسافر ہوں انہیں کسی بہانے روک لیا جائے۔ الور پولیس کو بھی اطلاع دی گئی ہے وہاں سے بھی پولیس پارٹی یہاں آنے والی ہے بس کے مسافروں میں صرف تم دونوں ایسے ہو جو شبہے کی زد میں آتے ہو۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر کہنے لگی ''امریش بڑی رازداری سے مجھ سے تم دونوں کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ میرے استفسار پر اس نے ساری بات بتا دی۔ اسے شاید یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ میں اور سرنام سنگھ وغیرہ بھی تم لوگوں

کے فرار کے منصوبے میں شامل ہیں۔''

''لیکن یہ راز کیسے کھلا؟'' میں نے پوچھا۔

''ہو سکتا ہے کہ راج کے منہ سے کوئی ایسی بات نکل گئی ہو۔''

''راج کون؟'' میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''وہی جسے نندنی نے بیس ہزار روپے دیئے تھے۔'' ششادری نے بتایا ''ایسے ٹورز وہی ارینج کرتا ہے، ہو سکتا ہے اس کے منہ سے کوئی ایسی بات نکل گئی ہو اور اس طرح نندنی گرفت میں آ گئی۔ نندنی نے پولیس کو یہی بتایا ہے کہ تم لوگ سارسکا والی بس پر گئے ہو۔ یہ نہیں بتایا کہ کس حیثیت سے ہو۔ بس میں غیر ملکیوں کے علاوہ صرف تم دونوں ایسے ہو جن پر شبہ کیا جا سکتا ہے۔ امریش مجھ سے تم دونوں کے بارے میں پوچھ رہا تھا لیکن میں جانتی ہوں کہ تم دونوں پکڑے گئے تو بھی نہیں بچ سکیں گے۔ سرنام سنگھ پر لعنت بھیجو میں تم لوگوں کے ساتھ جا رہی ہوں۔''

''کہاں؟'' میں نے بے اختیار پوچھ لیا۔

''الور کی طرف جانا خطرے سے خالی نہیں، ہو سکتا ہے راستے ہی میں پولیس سے ٹکراؤ ہو جائے۔ ہم جنگل کی طرف نکل جائیں گے۔'' ششادری نے کہا۔

''جنگل.....!'' میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا ''تم ہی نے تو بتایا تھا کہ یہ جنگل شیر اور چیتے جیسے خونخوار درندوں سے پٹا پڑا ہے۔''

''شیر اور چیتے انسانوں سے زیادہ بے رحم ثابت نہیں ہو سکتے۔'' ششادری نے جواب دیا ''درندے تو شاید ہمارا کچھ لحاظ کریں مگر جو لوگ ہماری تلاش میں ہیں وہ ان درندوں سے زیادہ خونخوار ہیں، وہ ہمارا لحاظ نہیں کریں گے۔''

''کیا ہم پیدل جائیں گے؟'' میں نے پوچھا۔

''میں کوئی بندوبست کرتی ہوں، تم لوگ یہیں رکو۔'' ششادری دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

اس مرتبہ اس کی واپسی پندرہ منٹ بعد ہوئی تھی۔

''امریش نے تم لوگوں کے بارے میں جے پور اور الور پولیس کو فون پر اطلاع دے دی ہے۔ الور سے پولیس کی ایک پارٹی روانہ ہو چکی ہے وہ زیادہ سے زیادہ آدھے گھنٹے میں یہاں پہنچ جائیں گے۔ جے پور سے بھی پولیس کی ایک پارٹی روانہ ہو گئی ہے لیکن انہیں یہاں پہنچنے میں وقت لگے گا۔'' ششادری نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی ''یہ سوٹ کیس مجھے دے دو اور تم دونوں سارسکا پیلس ہوٹل کے پچھلی طرف چلے جاؤ۔ وہاں دوسری گاڑیوں کے ساتھ ٹورازم کی ایک لینڈ کروزر کھڑی ہے، خاکی رنگ کی اس ٹورازم کا مونوگرام بنا ہوا ہے، تم لوگ اس لینڈ کروزر کے پاس رکو میں ابھی آتی ہوں۔''

میں اور رتنا کمرے سے نکل آئے۔ یہ گیسٹ ہاؤس خاصا بڑا تھا۔ سامنے لان میں کرسیوں پر چند سیاح بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو ہم سے پہلے الور کی طرف سے کسی اور بس پر آئے تھے۔

ہم چند ہی قدم آگے بڑھے تھے کہ اچانک ہی امریش نجانے کس طرف سے نکل کر ہمارے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

سامنے آ گیا۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ ہماری نگرانی کر رہا تھا۔

''ہیلو!'' میں اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ ''ایک کپ کافی کا موڈ ہو تو آ جاؤ ہم سارسکا پیلس کی طرف جا رہے ہیں۔''

''میں تھوڑی دیر پہلے چائے پی چکا ہوں، اب کسی چیز کی طلب نہیں ہے، مجھے ان لوگوں کے ساتھ پروگرام بھی طے کرنا ہے۔'' امریش نے لان میں بیٹھے ہوئے ٹورسٹوں کی طرف اشارہ کیا۔

''ہم پیلس ہوٹل کی طرف چلتے رہے جو وہاں سے سو گز سے زیادہ دور نہیں تھا۔ میں نے ایک مرتبہ پیچھے مڑ کر دیکھا۔ امریش ایک درخت کی آڑ میں کھڑا ہو گیا تھا۔''

ہم ہوٹل کے مرکزی دروازے سے اندر داخل ہوئے۔ ہال میں خاصی چہل پہل تھی۔ غیر ملکی سیاحوں کے ساتھ مقامی باشندے بھی دکھائی دے رہے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو الور کی طرف سے دوسرے شہروں سے آئے تھے۔

میں نے رتنا کا ہاتھ پکڑا اور ہم تیزی سے چلتے ہوئے ہال کے دوسری طرف ایک کشادہ راہداری میں نکل گئے۔ یہ بہت بڑی عمارت تھی کسی زمانے میں کسی راجہ کا محل تھا جس میں ضروری تبدیلیاں کر کے ہوٹل بنا لیا گیا تھا۔ مختلف راہداریوں سے ہوتے ہوئے ہم پچھلی طرف نکل آئے۔ یہاں بہت بڑا پارکنگ ایریا تھا جہاں کئی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ ہمیں خاکی رنگ کی لینڈ کروزر تلاش کرنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔

ہم دونوں لینڈ کروزر کی آڑ میں کھڑے ہو گئے۔ تقریباً پانچ منٹ بعد ششادری بھی وہاں پہنچ گئی۔ اس کے ایک ہاتھ میں ہمارا سوٹ کیس اور دوسرے ہاتھ میں چابیوں کا گچھا تھا۔

''جلدی کرو، امریش تم لوگوں کو تلاش کرتا پھر رہا ہے۔'' ششادری نے چابیوں کا گچھا میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

میں نے اس سے چابیوں کا گچھا لے کر پہلے ڈرائیونگ سائیڈ کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھتے ہی دوسرا دروازہ بھی کھول دیا۔ وہ دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں۔ ششادری نے سوٹ کیس دوسری سیٹ پر رکھ دیا تھا۔ میں نے انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی اور عمارت کے اوپر سے گھماتے ہوئے سڑک کی طرف لے آیا۔

''گیسٹ ہاؤس کے سامنے سے دفتر کی طرف موڑ لو۔'' ششادری نے کہا۔

میں نے گاڑی جیسے ہی اس طرف موڑی ہی تھی کہ امریش ہوٹل کے گیٹ سے نکلتا ہوا نظر آیا۔ اس نے ہمیں دیکھ لیا۔ ایک سیکنڈ کو بے حس و حرکت کھڑا رہ گیا اور دوسرے ہی لمحہ وہ چیختا ہوا لینڈ کروزر کے پیچھے دوڑا۔ میں نے رفتار بڑھا دی۔ دفتر کے سامنے سے گزرتے ہوئے میں نے عقبی منظر پیش کرنے والے آئینے میں دیکھا، امریش چیختا ہوا پیچھے دوڑ رہا تھا اور پھر وہ دفتر کی طرف مڑ گیا۔

میں لینڈ کروزر کی رفتار بڑھاتا چلا گیا۔ آگے بازار تھا، کچی سڑک تھی جس کے دونوں طرف دکانیں تھیں، لینڈ کروزر کو تیز رفتاری سے دوڑتے دیکھ کر لوگ خود بخود راستے سے ہٹ رہے تھے۔

لینڈ کروزر دھول کے بادل اڑاتی ہوئی قصبے سے نکل کر الور کی طرف جانے والی سڑک پر نکل آئی۔ سارسکا وہاں سے اٹھارہ میل اور الور تیس چوبیس میل کے فاصلے پر تھا اور میرا خیال ہے الور سے آنے والی پولیس پارٹی بھی یہاں پہنچنے ہی والی ہو گی۔

''میرا خیال تھا کہ ہم خاموشی سے نکل جائیں گے اور جب ان لوگوں کو پتہ چلے گا تو ہم بہت دور پہنچ چکے ہوں گے۔'' ششادری بار بار پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''مگر اس حرامی نے دیکھ لیا اور اب یقیناً وہ لوگ ہمارا پیچھا کرنے کی کوشش کریں گے۔''

''یہ بھی خدشہ ہے کہ الور کی پولیس پارٹی نہ پہنچ جائے۔'' میں نے کہا۔

''ہمیں اس سڑک پر زیادہ دور نہیں جانا۔'' ششادری نے کہا۔

''تھوڑی ہی آگے سڑک پر وائلڈ لائف کا بورڈ نظر آئے گا۔ وہاں سے گاڑی کو بائیں طرف موڑ لینا۔''

زیادہ فاصلہ طے نہیں کرنا پڑا۔ تقریباً ایک میل بعد ہی وہاں بورڈ نظر آ گیا اور میں نے لینڈ کروزر کو بائیں طرف موڑ لیا۔ یہ کچی سڑک تھی جو آگے جا کر جنگل میں داخل ہو جاتی تھی۔

''ابھی تک تو تعاقب کے آثار دکھائی نہیں دیئے'' میں نے ششادری کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''تمہارا خیال ہے وہ پیچھا کریں گے؟''

''ضرور کریں گے کم از کم اس جگہ تک جہاں سے ڈینجر زون شروع ہوتا ہے۔'' ششادری نے جواب دیا۔

''ڈینجر زون.....!'' میرے لہجے میں حیرت تھی۔

''تقریباً میل بھر تک تو جنگل محفوظ ہے لیکن اس سے آگے خونخوار درندوں کی راجدھانی شروع ہو جاتی ہے۔'' ششادری نے کہا۔ ''وہاں ایک بورڈ لگا دیا گیا ہے جس پر واضح طور پر یہ ہدایات درج ہیں کہ اس سے آگے خونخوار درندے آزادی سے گھومتے ہیں اس لئے کسی کو آگے جانے کی اجازت نہیں لیکن یہ معاملہ چونکہ تم لوگوں کا ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ پولیس کی کوئی پارٹی دور تک ہمارا پیچھا کرے۔''

''یہ جنگل کتنا بڑا ہے اور اگر ہم لوگ درندوں سے بچ کر دوسری طرف نکل بھی جائیں تو کہاں پہنچیں گے!'' میں نے پوچھا۔

''یہ خطرناک جنگل میلوں دور تک پھیلا ہوا ہے اگر ہم دوسری طرف نکلنے میں کامیاب ہو گئے تو کوٹ پتلی پہنچ سکیں گے جو تقریباً ساٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔''

''گاڑی کی ٹینکی میں تیل بتانے والی سوئی درمیان میں حرکت کر رہی ہے کیا اس ایندھن میں ہم وہاں تک پہنچ سکیں گے۔'' میں نے ڈائل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں نے بہت سوچ سمجھ کر اس گاڑی کا انتخاب کیا تھا۔'' ششادری نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''پیچھے پٹرول کے پانچ پانچ گیلن والے تین جیری کین بھرے ہوئے رکھے ہیں۔ پانی کا ایک کنستر بھی ہے اس لئے اس سلسلے میں ہمیں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی بشرطیکہ ہم راستہ نہ بھٹک جائیں۔''

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

"تو گویا راستہ بھٹک جانے کا بھی امکان ہے۔" میں نے کہا۔

"کئی سال پہلے کوٹ پتلی تک جانے کے لئے اس جنگل میں ایک باقاعدہ راستہ ہوا کرتا تھا لیکن پے در پے کچھ افسوسناک واقعات پیش آنے لگے بعض درندوں نے چلتی گاڑیوں پر حملے کر کے مسافروں کو نقصان پہنچایا تھا اس لئے اس راستے پر آمدورفت بند ہوگئی۔ وہ راستہ بھی اب جھاڑیوں اور پودوں میں چھپ گیا ہوگا۔ بہرحال مجھے کچھ اندازہ تو ہے دیکھیں گے کیا ہوتا ہے۔"

جنگل میں داخل ہونے کے بعد گاڑی کی رفتار کم ہوگئی تھی، دونوں طرف سے جھاڑیاں اور درختوں کی شاخیں گاڑی سے ٹکرا رہی تھیں مجھے یہ اندیشہ بھی تھا کہیں گاڑی کا کوئی ٹائر پنکچر نہ ہو جائے۔

آخر کار وہ بورڈ نظر آ گیا جس کے ذریعے سیاحوں کو خونخوار درندوں کی وجہ سے اس جگہ سے آگے جانے کی ممانعت کی گئی تھی۔ میں گاڑی کو اس راستے پر سیدھا آگے لیتا چلا گیا۔

ہم جنگل میں کئی میل اندر چلے آئے تھے۔ ہرن اور اس قسم کے بے ضرر جانور تو بہت دکھائی دیئے تھے مگر کوئی خونخوار درندہ ابھی تک دکھائی نہیں دیا تھا۔ میں نے کئی مرتبہ مڑ کر رتنا اور ششادری کی طرف دیکھا تھا۔ ان دونوں کے چہروں پر ہلکا سا خوف تھا۔ رتنا نے تو اپنا پستول نکال کر گود میں رکھ لیا تھا۔ گاڑی کے تمام شیشے اگرچہ بند تھے لیکن ششادری کی اس بات نے رتنا کو خوفزدہ کر دیا تھا کہ چلتی گاڑیوں پر درندوں کے حملوں کی وجہ سے اس طرف آمدورفت بند ہوگئی تھی۔

ہمیں اس جنگل میں سفر کرتے ہوئے ڈھائی گھنٹے ہو چکے تھے۔ راستہ صاف ہوتا تو ڈھائی گھنٹوں میں ہم کم از کم ستر اسی میل کا سفر کر سکتے تھے مگر جھاڑیوں اور پودوں کے باعث گاڑی کی رفتار بہت کم تھی۔ بعض جگہوں پر تو ہمیں زبردستی راستہ بنانا پڑ رہا تھا اگر کوئی ہمارے تعاقب میں آ رہا ہو تو ٹائروں کے نیچے کچلی ہوئی جھاڑیاں اور پودے آسانی سے ہماری نشاندہی کر رہے تھے۔

اور پھر ایک جگہ مجھے گاڑی روک لینی پڑی تھی۔ تیس پینتیس گز آگے عین سامنے دھاری دار چیتوں کی ایک جوڑی بیٹھی ہوئی تھی ان میں ایک نر تھا اور ایک مادہ۔ ان دونوں کے رخ اگرچہ دوسری طرف تھے مگر گاڑی کی آواز سن کر وہ اس طرف گھوم گئے۔ میں نے انجن بند کر دیا اور مڑ کر رتنا اور ششادری کی طرف دیکھا ان دونوں کے چہرے دھواں ہو رہے تھے۔

"تت..... تم نے انجن کیوں بند کر دیا۔" رتنا ہکلائی۔ "اگر انہوں نے گاڑی پر حملہ کر دیا تو.....؟"

"چیتا دنیا کا تیز رفتار جانور ہے۔" میں نے کہا "جبکہ ہم اس جنگل میں گاڑی کو دس پندرہ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے زیادہ نہیں دوڑا سکتے۔ ایسی صورت میں وہ یقیناً ہم پر حملہ کریں گے۔ بہتر یہی ہے کہ ہم خاموشی سے یہاں بیٹھے رہیں۔ ہوسکتا ہے یہ جانور اٹھ کر کسی اور طرف چلے جائیں اور ہمیں آگے نکلنے کا موقع مل جائے۔"

● پانچ منٹ گزر گئے، دونوں درندے اپنی جگہ پر ایک دوسرے سے اٹھکیلیاں کرتے رہے اور پھر ان میں سے ایک اٹھ کر ٹہلتا ہوا یہاں گاڑی کی طرف آ گیا۔

وہ چیتا گاڑی کو سونگھ کر شاید یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ کیا چیز ہے۔ دوسرا چیتا بھی گاڑی کے قریب آ گیا اور دونوں اگلے پیر گاڑی پر ٹکا کر شیشے میں سے اندر جھانکنے لگا۔ ششادری اسی طرف تھی اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ وہ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر نیچے جھک گئی۔

"رتنا بھی بہت خوفزدہ تھی۔ اس نے پستول والا ہاتھ اوپر اٹھا لیا اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا اس نے ٹرائیگر دبا دیا گولی شیشہ توڑتی ہوئی چیتے کی پیشانی میں پیوست ہوگئی۔ رتنا نے دوسری گولی چلا دی وہ بھی اس کے چہرے پر لگی۔"

چیتا چنگھاڑتا ہوا پیچھے گرا، دوسرا چیتا ہوشیار ہوگیا۔ وہ گاڑی کے آگے تھا میں نے بڑی پھرتی سے اپنا پستول نکال لیا اور وہ چیتا غراتا ہوا جیسے ہی سامنے سے ہٹ کر ڈرائیونگ سائیڈ پر آیا میں نے پے در پے دو گولیاں چلا دیں ایک گولی چیتے کی گردن کے قریب کندھے کے جوڑ پر لگی البتہ دوسرا نشانہ خطا گیا تھا لیکن پہلی گولی لگتے ہی وہ چیتا غراتے ہوئے پلٹا اور دوڑتا ہوا گھنے درختوں میں غائب ہوگیا۔

میں نے انجن اسٹارٹ کر کے بڑی پھرتی سے گاڑی آگے بڑھا دی اس کے ساتھ ہی میں نے مڑ کر دیکھا دوسرا چیتا نیچے پڑا تڑپ رہا تھا۔ دو گولیاں اس کی پیشانی میں لگی تھیں اس کے زندہ بچ رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

میں گاڑی کو تیزی سے دوڑاتا رہا، میں یہ بھی جانتا تھا کہ شیر اور چیتا قسم کے درندے اپنے شکار کا دور تک تعاقب کرتے ہیں، ایک چیتا تو مر چکا تھا لیکن دوسرا زخمی ہوا تھا اس وقت تو وہ درختوں میں غائب ہوگیا تھا لیکن اگر اس نے ہمارا تعاقب شروع کر دیا تو ہمیں اس جنگل سے نکلنے نہیں دے گا۔

میرے ذہن میں ایک اور اندیشہ جنم لے رہا تھا گولیوں کی آواز جنگل میں دور تک پھیلی ہوگی۔ اگر کوئی پارٹی ہمارا تعاقب کر رہی تھی تو اسے پتہ چل جائے گا کہ ہم کس طرف ہیں۔

مجھے ایک جگہ گاڑی روک لینی پڑی اور پھر اسی وقت گولیوں کی تڑتڑاہٹ کی آوازیں سنائی دیں جیسے پورا برسٹ مارا گیا ہو لیکن وہ آوازیں بہت دور کی تھیں۔

میرا خیال تھا کہ ہم راستے سے بھٹک گئے تھے۔ ششادری بری طرح کنفیوژ ہو رہی تھی۔ وہ کبھی ایک طرف اشارہ کرتی اور کبھی دوسری طرف۔ میں اس کے بتائے ہوئے راستوں پر گاڑی چلاتا رہا لیکن ہم جنگل میں گھومتے رہے اس دوران ہمیں کئی جگہوں پر خونخوار جانور بھی نظر آئے مگر خیریت ہی گزری۔

جب ہم پیلس ہوٹل کے عقبی پارک سے یہ لینڈ کروزر لے کر فرار ہوئے تھے تو اس وقت ساڑھے بارہ کا وقت تھا ابھی چار بجے رہے تھے گویا ہم ساڑھے تین گھنٹوں سے جنگل میں بھٹک رہے تھے مگر باہر نکلنے کا راستہ نہیں ملا تھا یہ بھی اندیشہ تھا کہ ہم بھٹکتے ہوئے دوبارہ سارسکا کی طرف نہ نکل جائیں۔

پانچ بجنے والے تھے، گنجان اور اونچے درختوں کی وجہ سے جنگل میں روشنی ویسے ہی کم تھی اور اب تو مزید اندھیرا پھیلنے لگا تھا میں بھی ان دونوں کی طرح پریشان تھا اگر شام ہونے سے پہلے پہلے جنگل سے باہر نکلنے کا راستہ نہ ملا تو کوئی ایسی محفوظ جگہ ضرور ملنی چاہئے تھی جہاں رات گزاری جا سکے لیکن مجھے توقع نہیں تھی کہ ایسی کوئی جگہ مل جائے گی۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

پندرہ بیس منٹ بعد ہم اچانک ہی کھلی جگہ پر نکل آئے اور اس کے ساتھ ہی میں نے پوری قوت سے بریک پیڈل دبا دیا۔ میرے ساتھ ششادری اور رتنا بھی حیرت بھری نظروں سے سامنے دیکھ رہی تھیں۔ ہمارے سامنے نشیب میں ایک چھوٹی سی جھیل تھی جس کے پرلی طرف محل نما ایک بہت بڑی عمارت دکھائی دے رہی تھی۔ رخصت ہوتے ہوئے سورج کی روشنی محل کے اونچے کنگھوروں پر پڑ رہی تھی۔ محل کے غیر آباد ہونے کا اندازہ دور ہی سے لگایا جاسکتا تھا۔ ظاہر ہے خونخوار جنگلی درندوں سے بچے ہوئے جنگل میں واقع اس محل میں کون رہ سکتا تھا۔

وہ جھیل تقریباً ایک ہزار میٹر لمبی اور اتنی ہی چوڑی تھی۔ اس کے گرد ناریل اور دیگر درختوں کی بہتات تھی اور محل نما وہ عمارت اس جھیل کے دوسرے کنارے پر تھی۔

''یہ کون سی جگہ ہے، ہم بھول کر دوبارہ سارسکا کی طرف تو نہیں نکل آئے۔'' میں نے ششادری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں۔'' ششادری نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ''یہ صدیوں پرانا محل راجہ مان سنگھ کے سالے کا ہے جو اس علاقے کا حکمران تھا اس محل کی تاریخ ہماری کتابوں میں محفوظ ہے لیکن سیاحوں کو اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا جاتا اور نہ ہی یہ محکمہ سیاحت کے کسی پیکج میں ہے۔''

وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی ''یہ اس زمانے کی بات ہے جب راجہ بلسر سنگھ کے بیٹے شان سنگھ نے اپنے باپ کو قتل کر کے راج سنگھاسن سنبھال لیا تھا۔ اس زمانے میں یہ علاقہ بڑا زرخیز اور آباد ہوا کرتا تھا، جوان فصلیں لہلہایا کرتی تھیں۔ چھوٹی چھوٹی کئی بستیاں تھیں۔ جہاں زندگی کے قہقہے گونجا کرتے تھے مگر پھر سب کچھ ختم ہوگیا۔'' وہ ایک دفعہ پھر خاموش ہوگئی اور محل کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ''شان سنگھ بہت ظالم اور عیاش حکمران تھا، وہ رعایا کو بھی اپنی ملکیت سمجھتا تھا۔ وہ نہ صرف کسانوں سے اناج کا ایک ایک دانا چھین لیا کرتا تھا بلکہ ان کی عزت سے کھیلنا بھی اپنا حق سمجھتا تھا کسی بستی میں کسی گھر کی عزت محفوظ نہیں تھی اس کے ہرکارے دور دراز کی بستیوں سے جوان اور خوبصورت لڑکیوں کو اٹھا کر لے آتے۔ محل میں معصوم اور بے گناہ لڑکیوں کی آہ و پکار گونجتی رہتی۔''

''راجہ شان سنگھ کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر کسان اپنی بستیاں چھوڑنے لگے، سونا اگلنے والی زمینیں بنجر اور ویران ہونے لگیں، لیکن راجہ کو پھر بھی ہوش نہیں آیا۔

''ایک روز کسی بستی میں کسان کی بیٹی کی شادی تھی، دلہن کو ڈولی میں بٹھایا جارہا تھا کہ راجہ کے ظالم و سفاک ہرکارے پہنچ گئے اور دلہن کو اٹھا کر لے گئے۔''

''وہ راجہ شان سنگھ کی زندگی کی آخری رات تھی۔ اغوا کر کے لائی جانے والی دلہن نے شان سنگھ کو قتل کر دیا اور خود بھی محل کی فصیل سے چھلانگ لگا کر آتمہتیا کر لی۔''

''اور اس کے بعد یہاں تباہی نازل ہونا شروع ہوئی راجہ شان سنگھ کے ہرکارے بے لگام ہوگئے تھے انہوں نے لوٹ مار شروع کر دی۔ عورتوں کو گھروں سے نکال کر بے عزت و رسوا کیا جانے لگا۔ بستیاں ویران اور زمینیں بنجر ہوتی چلی گئیں، ایک روایت یہ بھی ہے کہ جس لڑکی نے راجہ شان سنگھ کو قتل کر کے

آتمہتیا کر لی تھی اس کی بھٹکتی ہوئی روح نے محل میں بسیرا کر لیا تھا اس کے بین اور چیخیں محل میں گونجتی رہتیں اس طرح محل بھی ویران ہوگیا اور یہ ویرانی پوری ریاست میں پھیل گئی۔ بستیاں غائب ہوتی گئیں اور لہلہاتی فصلوں کو جنگل نگلتا گیا۔'' وہ خاموش ہوگئی، میں اس ویران محل کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ششادری کہہ رہی تھی۔

''یہ محل صدیوں سے ویران پڑا ہے، جنگل میں خونخوار درندوں کی وجہ سے کوئی اس طرف آنے کی ہمت نہیں کرتا اور ویسے بھی یہ افواہ عام ہے کہ اس ویران محل میں اب بھی بدروحوں کا بسیرا ہے۔''

''تو پھر آج کی رات ہم اس محل میں گزاریں گے۔'' میں نے گاڑی کا انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

''کیا.....؟'' وہ دونوں اچھل پڑیں۔ ''تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا۔'' چیختی ہوئی یہ آواز رتنا کی تھی۔

میں نے ان کی سنی ان سنی کرتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی اور اسے جھیل کے ساتھ ساتھ جاتے ہوئے اس کا رخ محل کی طرف موڑ دیا جو جھیل کے کنارے سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر قدرے بلندی پر واقع تھا۔ رخصت ہوتی ہوئی دھوپ اب بھی دیواروں پر پڑ رہی تھی اس طرف سے دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ حوادث زمانہ سے محل میں کافی ٹوٹ پھوٹ ہو چکی ہے میں لینڈ کروزر کو وسیع محرابی گیٹ کے اندر لے گیا۔ گیٹ کے ساتھ دیواریں خاصی چوڑی تھیں۔ دائیں بائیں ایک ایک کمرہ تھا مگر دونوں کمرے چھتوں سے محروم ہو چکے تھے۔ سامنے بہت لمبا چوڑا میدان تھا جس پر جھاڑیوں اور خودرو گھاس پھیلی ہوئی تھی۔ اس میدان کے چاروں طرف کئی فٹ چوڑی پختہ روشیں تھیں اور طویل و عریض برآمدے تھے جن میں کمرے تھے۔ برآمدوں کے سامنے محرابیں بنی ہوئی تھیں۔

محل کا مرکزی حصہ سامنے تھا۔ عمارت دو منزلہ تھی اور بلاشبہ اسے فن تعمیر کا شاہکار کہا جاسکتا تھا۔

میں نے عمارت کے مرکزی حصے کے سامنے گھاس کے میدان میں گاڑی روک کر انجن بند کر دیا اور گہری نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا دھوپ سامنے اوپر کی منزل پر پڑ رہی تھی اور میں دیکھ رہا تھا کہ اوپر کی منزل کے بیشتر حصے ٹوٹ پھوٹ چکے تھے۔ میں نے گردن گھما کر رتنا اور ششادری کی طرف دیکھا ان کے چہرے دھواں ہو رہے تھے۔

''میں کہتی ہوں واپس چلو، ہم جنگل میں کسی جگہ گاڑی ہی میں بیٹھ کر رات گزار لیں گے۔'' رتنا نے کہا۔

''ایک محفوظ جگہ موجود ہے تو جنگل میں رات گزارنے کی کیا ضرورت ہے۔'' میں کہتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

دائیں طرف ایک جگہ برآمدے کے دو ستون ٹوٹے ہوئے تھے اور اس کے سامنے جو کمرہ تھا اس کے دروازے کی دیواریں بھی آدھی کے قریب ٹوٹی ہوئی تھیں اور میرے خیال میں ہماری گاڑی اس کے اندر جاسکتی تھی میں نے انجن اسٹارٹ کر دیا اور گاڑی کو گھما کر اس طرف لے لیا۔ میرا اندازہ درست نکلا کافی کشادہ جگہ تھی۔ گاڑی اندر لے جانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ یہ کمرہ بھی بہت کشادہ تھا۔ کم از

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

کم اس جیسی تین گاڑیاں ساتھ ساتھ کھڑی کی جاسکتی تھیں اس سے آگے بھی کافی جگہ تھی اس محل میں شاہی خاندان کے افراد رہتے تھے اور ظاہر ہے کہ کمرے بڑے بڑے ہی ہوں گے۔ میرا اندازہ تھا کہ دوسرے کمرے میں بھی اسی طرح کشادہ ہوں گے۔

میں نے گاڑی کے اندر کی بتی جلادی۔

''اگر کوئی ہماری تلاش میں آ بھی گیا تو فوری طور پر ہم ان کی نظروں میں نہیں آ سکیں گے۔'' میں نے مڑ کر ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اگر کوئی بھٹکی ہوئی روح یہاں آ گئی تو.....'' ششادری نے کہا۔

''ان روحوں کی دشمنی راجہ شان سنگھ اور اس کے ہرکاروں دسے تھی۔ ہم تو اجنبی لوگ ہیں ہمارا ان سے کیا واسطہ، لہٰذا اطمینان رکھو، روحیں ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گی۔ اب اطمینان سے الگ الگ سیٹوں پر پیر پھیلا کر بیٹھ جاؤ۔'' میں نے کہا ''اور اگر محل کی سیر کرنا چاہو تو نیچے اتر چلو۔''

''نہیں، ہمیں سیر نہیں کرنی۔'' ششادری کہتے ہوئے پچھلی سیٹ پر چلی گئی اور ٹانگیں پھیلا کر نیم دراز ہوگئی۔

ابھی شام ہوئی تھی اور ہمیں پوری رات اس گاڑی میں اس جگہ بیٹھے بیٹھے گزارنی تھی۔ صبح ناشتہ کے بعد سے ہم نے کچھ بھی نہیں کھایا تھا اور اس وقت بھوک بھی لگ رہی تھی۔

میں ان دونوں کو گاڑی میں چھوڑ کر باہر آ گیا۔ محل کے باہر میں نے ناریل کے لاتعداد درخت دیکھے تھے اور میرا خیال تھا کہ پکے ہوئے ناریل زمین پر بھی گرے ہوں گے۔

محل کے سامنے مجھے زمین پر پڑے ہوئے کئی ناریل مل گئے میں نے دو تین ناریل اٹھا لئے اور واپس آ گیا۔ میں نے ناریل چھیلنے کے لئے ٹول بکس میں سے دو پانے نکال لئے تھے۔

تقریباً آدھے گھنٹے میں میں نے تینوں ناریل چھیل کر گری نکال لی اور ایک ٹکڑا اپنے پاس رکھ کر باقی ان دونوں کے حوالے کردیا۔

ناریل کھاتے ہوئے نجانے کیا سوچ کر رتنا نے سوٹ کیس اپنے سامنے رکھ کر کھول لیا وہ چند لمحے سوٹ کیس میں کچھ ٹٹولتی رہی پھر اس کی گھٹی گھٹی سی آواز سنائی دی۔

''غضب ہوگیا ناجی۔''

''کیا ہوا؟'' میں اس کی آواز سن کر چونک گیا۔

''اس میں نقدی اور زیورات والا ایک بنڈل غائب ہے۔'' وہ بولی ''کیا.....؟'' میں اچھل پڑا۔

''ہاں، یہ دیکھو۔'' رتنا نے سوٹ کیس کا ڈھکنا پوری طرح کھول دیا۔ ''دو ساڑھیوں میں بنڈل بنائے گئے تھے نا، ایک بنڈل غائب ہے۔''

میں اپنی سیٹ سے اٹھ کر پچھلی سیٹ پر آ گیا۔ یشودھر کے کوارٹر میں ہم نے ششادری کے کہنے پر تمام زیورات اور کرنسی نوٹوں کے بنڈل سوٹ کیس سے نکال کر رتنا کی دو ساڑھیوں میں لپیٹ کر الگ الگ تکیوں میں ٹھونس لئے تھے اور وہ بنڈل الگ الگ ہی نندنی کے بنگلے پر لے کر آئے تھے بعد میں انہیں

ششادری کے لائے ہوئے اٹیچی کیس میں جوں کا توں رکھ دیا گیا تھا۔

گزشتہ روز نندنی کے سامنے ہی وہ سوٹ کیس کھولا گیا تھا اور ڈرائیور اور دوسرے دو آدمیوں کو رشوت دینے کے لئے ایک بنڈل میں سے رقم نکالی گئی تھی اور پھر رتنا نے نندنی کو بھی کچھ رقم اور ایک کنگن پیش کیا تھا اس نے کنگن تو قبول کرلیا تھا مگر رقم نہیں لی تھی اور رتنا نے میرے سامنے ہی وہ رقم اس بنڈل میں لپیٹ کر دوبارہ سوٹ کیس میں رکھ دی تھی۔

وہ دونوں بنڈل سوٹ کیس میں رکھے گئے تھے تو پھر ایک کہاں غائب ہوگیا۔

''اوہ.....!'' میرے دماغ میں جھماکا سا ہوا ''کل رات جب ڈرائیور، اس کا ہیلپر بنگلے میں آئے تھے تو نندنی نے ہم دونوں کو سٹنگ روم میں بلالیا تھا اور ہمیں بھی وہیں چھوڑ کر چائے بنانے کے لئے چلی گئی تھی اور اس کی واپسی آدھے گھنٹے بعد ہوئی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ اس دوران اس نے سوٹ کیس میں سے ایک بنڈل بھی غائب کردیا ہوگا۔ بہت ہمدرد اور نیک بنی ہوئی تھی ہمارے سامنے، موقع ملتے ہی ہاتھ صاف کرگئی۔''

''میں نے پہلے ہی تم لوگوں کو نندنی کے بارے میں خبردار کردیا تھا۔'' ششادری نے کہا۔

''اس کی باتوں سے ہمیں یقین ہوگیا تھا کہ وہ واقعی ہم سے مخلص ہے اور اس کے دل میں کوئی لالچ نہیں ہے۔'' میں نے کہا ''اور شاید اس لئے ہم سے غلطی ہوگئی اور ہم نے اپنا سب کچھ اس پر ظاہر کردیا۔ بہرحال یہ اس کی مہربانی ہے کہ اس نے سب کچھ غائب نہیں کیا اور کچھ ہمارے لئے چھوڑ دیا۔''

''لعنت ہو اس پر۔'' رتنا بولی ''اس کم بخت کو پتہ تھا کہ چوری کا انکشاف ہونے پر ہم واپس نہیں آئیں گے۔ کیڑے پڑیں اس میں، آگ لگے اس کو'' رتنا اسے بددعائیں دینے لگی ''اچھا ہوا وہ پکڑی گئی اس سے زیورات برآمد ہوں گے تو بیلا اس کے شریر کا ریشہ ریشہ الگ کردے گی۔''

''وہ بھی کیا.....''

''شی!'' میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر رتنا کو خاموش کردیا مجھے باہر کوئی جانی پہچانی آواز سنائی دی، وہ دونوں بھی کوئی آواز سننے کی کوشش کرنے لگیں اور پھر میرے شبے کی تصدیق ہوگئی۔

وہ کسی گاڑی کے انجن کی آواز تھی۔ وہ گاڑی غالباً محل کے مرکزی دروازے میں داخل ہوچکی تھی۔ کمپاؤنڈ میں اس کے ہیڈ لیمپس کی روشنی دکھائی دینے لگی۔ رتنا اور ششادری کے چہرے دھواں ہوگئے۔ میں بڑی پھرتی سے ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا اور لینڈ کروزر کی چھت والی بتی بجھا دی۔ پستول ہاتھ میں لیا اور بڑی آہستگی سے دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔

دروازے والی شکستہ دیوار کے قریب پہنچ کر میں نے باہر جھانکا اور اس کے ساتھ ہی میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔

وہ پولیس کی جیپ تھی جو محل کے مرکزی دروازے میں داخل ہوکر رک گئی تھی اور تین پولیس والے نیچے اتر آئے تھے ان میں ایک سب انسپکٹر تھا اور دو کانسٹیبل جن کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔

وہ جیپ کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں ہماری گاڑی کے ٹائروں سے دبی ہوئی گھاس کو دیکھ رہے

www.pdfbooksfree.pk

تھے۔

اور پھر وہ تینوں اس دبی ہوئی گھاس کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ میرے دل کی دھڑکن تیز ہوتی جارہی تھی۔

☆.....☆.....☆

Scanned By:
Azam & Ali
aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

aazzamm@yahoo.com

میں دیوار کی آڑ میں کھڑا ان کے قدموں کی آوازیں سن رہا تھا۔ جو لمحہ بہ لمحہ قریب آتی جارہی تھیں اور پھر ایک اور آواز سنائی دی۔

''رک جاؤ حکم۔'' وہ آواز خاصی ڈری ڈری اور سہمی سہمی تھی۔ ''آگے جاون میں بوت کھترہ ہے''

''کیا کھترہ ہے رے... چل تو اگے لگ۔'' دوسری آواز بارعب تھی۔

''حکم!'' اس پہلی سہمی ہوئی آواز نے کہا۔ ''مہاراجہ شان سنگھ کا محل ہے یہاں اب بھی کوشلیا کی آتما بھٹکتی رہتی ہے۔ میں نے ابھی ابھی کسی ناری کے رونے کی آواز سنا ہوں۔''

وہ تینوں شاید وہیں رک گئے تھے کیونکہ اب قدموں کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ البتہ ان کی باتوں کی آواز اب بھی میری سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔

''کون کوشلیا؟'' وہ بھاری آواز سنائی دی۔ وہ غالباً سب انسپکٹر تھا جو اس پارٹی کا انچارج تھا۔

''وہی کوشلیا جسے مہاراجہ شان سنگھ کے آدمی ڈولی میں سے اٹھا لائے تھے اور اس حویلی میں اس کے ساتھ بلاد کار کیا تھا۔ کوشلیا نے مہاراجہ شان سنگھ کو قتل کر کے آتما ہتیا کر لی تھی۔ یہ محل اسی لئے ویران ہو گیا.... یہاں کوشلیا کی آتما کا قبضہ ہے۔ سنو حکم.... اس کے رونے کی آواز سنائی دے رہی ہے۔''

ایک لمحے کو خاموشی چھا گئی اور اس خاموشی میں ہلکی سی غراہٹ سن کر میں بھی چونک گیا۔ لگتا تھا جیسے واقعی کوئی رو رہا ہو۔ ایک لمحہ بعد وہی آواز دوبارہ سنائی دی تو اس بار میرے پورے جسم میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ وہ کسی شیر کے بہت ہولے ہولے غرانے کی آواز تھی۔

''وہ... وہ دیکھو حکم...'' پہلی آواز سنائی دی۔ اب اس میں خوف نمایاں تھا۔ ''کوشلیا کی آتما ادھر ہی کو آوت رہی ہے۔ وہ... وہ دیکھو... اس کی آنکھیں چمکت رہی ہیں۔''

میں نے دیوار کی آڑ سے جھانک کر دیکھا۔ محل کے مرکزی حصے کی طرف دو آنکھیں بلور کی طرح چمکتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ ایسی چمک صرف بلی یا شیر کی آنکھوں ہی میں ہوتی ہے جو رات کے اندھیرے میں بھی نظر آجاتی ہے۔

اور پھر اسی لمحہ خاموش فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ جواب میں ایک خوفناک دہاڑ سنائی دی اور پھر پے در پے گولیاں چلنے لگیں۔

دونوں کانسٹیبل جیپ کی طرف دوڑے۔ سب انسپکٹر کو بھی دوڑ لگا دینی پڑی۔ شیر کے دہاڑنے کی

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

آواز بدستور سنائی دے رہی تھی۔ میں پستول کے ٹرائیگر پر انگلی رکھے ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ اس دوران جیپ کا انجن سٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔

اور پھر دہاڑتا ہوا وہ شیر تاریکی سے نکل کر جیپ کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں آ گیا۔ چلتی ہوئی جیپ سے پے در پے دو گولیاں چلائی گئیں مگر وہ شیر ان گولیوں کی زد میں نہیں آیا۔ وہ دہاڑتا ہوا سامنے والے تاریک برآمدے میں غائب ہو گیا۔

جیپ ریورس میں تیزی سے پیچھے جا رہی تھی۔ اس کے ہیڈ لیمپس کی روشنیوں کا زاویہ بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ میں ٹوٹی ہوئی دیوار سے باہر آ گیا جیپ محل کے مرکزی دروازے سے باہر نکل چکی تھی۔ اس کی روشنی کچھ دیر تک نظر آتی رہی پھر غائب ہو گئی۔

میں کچھ اور آگے بڑھا لیکن اسی لمحہ شیر کی دہاڑ سنائی دی اور میں اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ دوسرے ہی لمحہ میں دوڑ کر کار کے قریب آ گیا اور دروازہ کھول کر اندر گھس گیا۔

باہر شیر کی دہاڑ رہ رہ کر سنائی دیتی اور ہم تینوں اپنی اپنی جگہ میں دبکے بیٹھے رہے۔ وقفے وقفے سے سنائی دینے والے شیر کی دہاڑ سے قطع نظر ہر طرف گہرا سناٹا تھا۔ میں نے اپنی سیٹ پر بیٹھے بیٹھے ادھر ادھر دیکھا۔ دبیز تاریکی میں مجھے ششادری یا رتنا میں سے کوئی دکھائی تو نہیں دی البتہ ان کی گہری سانسوں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

"رتنا... ششادری..." میں نے ہولے سے پکارا۔ "تم لوگ زندہ ہو یا..."

"زندہ ہیں۔" رتنا کی مردہ سی آواز سنائی دی۔ "لیکن اگر جنگل کے اس بادشاہ کو پتا چل گیا کہ ہم یہاں موجود ہیں تو ہمارے مرنے میں کوئی کسر نہیں رہ جائے گی۔"

"ہم نے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا اس لئے وہ ہمیں کچھ نہیں کہے گا۔ ویسے بہتر یہی ہے کہ ہم آرام سے یہاں بیٹھے رہیں۔" میں نے کہا۔

"اور اگر وہ لوگ واپس آ گئے تو۔" رتنا نے کہا۔

"میرا خیال ہے وہ لوگ اب تک جھیل کے دوسری طرف پہنچ چکے ہوں گے اور اس طرف واپس آنے کی ہمت نہیں کریں گے۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا ہم رات بھر یونہی گاڑی کے اندر بیٹھے رہیں گے۔" رتنا بولی۔

"مجبوری ہے۔" میں نے کہا۔ "یہاں سانپ بچھو اور دیگر زہریلے کیڑے مکوڑے بھی ہو سکتے ہیں۔ اس لئے نیچے اتر کر ٹہلنے کا خطرہ بھی مول نہیں لیا جا سکتا۔"

"یہ سب ششادری کی وجہ سے ہوا ہے۔" رتنا نے کہا۔ "اگر یہ راستہ نہ بھولتی تو ہم اس بھوت خانے کے بجائے کسی گھر میں آرام دہ بستر پر سو رہے ہوتے۔"

"فی الحال تو گاڑی کی اس سیٹ کو ہی آرام دہ بستر سمجھ لو۔" دوسری سیٹ پر بیٹھی ہوئی ششادری نے کہا۔

شیر کی دہاڑ اب سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ یا تو محل سے باہر نکل گیا تھا یا کہیں دبک کر بیٹھ گیا

تھا۔

ہم تینوں دیر تک بیٹھے سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے۔

ابھی تو رات کا ابتدائی حصہ تھا لیکن لگتا تھا جیسے آدھی سے زیادہ رات بیت چکی ہو۔ ہمارے چاروں طرف گہری تاریکی اور دبیز سناٹا تھا۔

رتنا کو ایک پھر نندنی یاد آ گئی اور وہ بچی کھچی بددعائیں اور کوسنے دینے لگی۔

"بڑی حرافہ نکلی۔" وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔ "کہتی تھی ہمارا دھرم کا رشتہ ہے۔ ہمارے لئے اپنی جان بھی دے دے گی۔ اب بیلا نکالے گی اس کی جان۔"

"میرا خیال ہے اس کی جان تو تمہاری بددعاؤں ہی سے نکل جائے گی۔" میں نے کہا۔ "بیلا کو اس پر ہاتھ اٹھانے میں زیادہ مزہ بھی نہیں آئے گا۔"

"میں نے تمہیں پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ یہ سب کچھ اس سے چھپا کر رکھنا لیکن تم نے دھرم کی محبت کے چکر میں آ کر سب کچھ اس کے سامنے کھول کر رکھ دیا۔ اس کے دل میں لالچ تو آنا ہی تھا۔"

"ہم نے تمہارے سامنے بھی تو اپنا سب کچھ کھول کر رکھ دیا تھا۔ تمہارے دل میں لالچ نہیں آیا۔" رتنا نے کہا۔

"میرے اور نندنی کے حالات میں فرق ہے۔" ششادری نے جواب دیا۔

"میں بھی تم لوگوں کی طرح حالات کی ڈسی ہوئی ہے۔ ناانصافیوں کا شکار ہوں۔ ہم لوگ ایک ہی کشتی کے سوار ہیں جبکہ نندنی کا راستہ قدرے مختلف ہے۔ اب میں سوچتی ہوں کہ اگر وہ تم لوگوں کو پولیس کے حوالے کر دیتی تو یا سوٹ کیس میں سے سب کچھ نکال کر اس میں پتھر بھر دیتی تو تم لوگ کیا کر لیتے۔ اس لئے دیدی میرا مشورہ ہے کہ اسے بھول کر شانت ہو جاؤ۔ جیسے جیسے اس کے بارے میں سوچو گی تمہارا خون کھولتا رہے گا اور خون کھولنے کا مطلب ہے کہ تم بلڈ پریشر کا شکار ہو جاؤ گی۔ ایسی خطرناک بیماری پالنے کا کیا فائدہ اس لئے اب تم آرام سے سو جاؤ۔"

"ششادری ٹھیک کہہ رہی ہے۔" میں نے کہا۔ "بھول جاؤ اسے اور شانت ہو کر سو جاؤ۔"

"اس کتیا کو تو میں کبھی بھول نہیں سکتی۔" رتنا نے کہا۔ "وہ مجھے ہمیشہ یاد رہے گی اور جب تک یاد رہے گی میں اسے کوستے دیتی رہوں گی۔"

"پتا نہیں وہ اب تک زندہ بچی بھی ہے یا نہیں۔" میں نے کہا۔ "بیلا کو تم اچھی طرح جانتی ہو۔ ہو سکتا ہے وہ اس کے تشدد کا شکار ہو کر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھی ہو۔ اب تو تمہیں اپنی فکر کرنی چاہئے۔"

میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "پولیس ہمارے سر پر پہنچ چکی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ بھی کسی محفوظ جگہ پر پہنچ گئے ہوں اور محل سے زیادہ دور نہ ہوں۔ اور اگر ہمیں صبح اس جنگل سے نکلنے کا راستہ نہ مل سکا تو گھیر لئے جائیں گے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ پولیس کی کوئی اور پارٹی بھی جنگل میں داخل ہوئی یا صبح سویرے ہی پولیس کی مزید نفری ہماری تلاشی میں جنگل میں داخل ہو جائے اور ہمارے بچاؤ کے تمام راستے مسدود ہو جائیں۔"

"اب مجھے راستے کا اندازہ ہو گیا ہے۔" ششادری نے کہا۔ "صبح اگر ہم اس گیٹ سے نکل کر مشرق

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

کی طرف روانہ ہو جائیں تو زیادہ سے زیادہ دو گھنٹوں میں جنگل سے باہر نکل جائیں گے۔"

"کیا ہم اس جنگل سے باہر نکل کر بھی محفوظ رہیں گے۔" میں نے کہا۔ "تم نے بتایا تھا کہ اس جنگل میں دوسری طرف کوٹ پتلی نام کا کوئی قصبہ ہے۔ کیا ہمارے خیال میں کوٹ پتلی کی پولیس کو فون پر ہمارے فرار کی اطلاع نہیں دے دی گئی ہوگی اور کیا جنگل کے باہر پولیس ہمارے استقبال کیلئے تیار نہیں ہوگی؟"

"کوٹ پتلی جنگل سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر ہے اور کوٹ پتلی میں پولیس کی اتنی نفری نہیں ہوگی کہ وہ میلوں دور تک پھیلے ہوئے جنگل کو گھیرے میں لے سکیں۔" ششادری چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "کوٹ پتلی دہلی نیشنل ہائی وے آٹھ پر واقع ہے۔ راستے میں کئی چھوٹی بڑی بستیاں ہیں۔ ہم کسی بھی طرف نکل سکتے ہیں۔"

میں اور ششادری دیر تک مدھم لہجے میں باتیں کرتے رہے۔ اس دوران رتنا کی آواز سنائی نہیں دی۔ میں نے اس کا نام لے کر ہولے سے اسے پکارا مگر جواب نہیں ملا۔ وہ سو گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ششادری بھی سو گئی۔ وہ دونوں پچھلی لمبی سیٹوں پر تھیں اس لئے آرام سے لیٹ کر سو گئی تھیں۔ میں ڈرائیونگ سیٹ پر تھا جس پر لیٹنے کی گنجائش نہیں تھی اور سامنے ٹانگیں بھی پوری طرح سیدھی نہیں کی جا سکتی تھیں۔ میں سرک کر پسنجرز سیٹ پر آ گیا اور دروازے سے ٹیک لگا کر ٹانگیں ڈرائیونگ سیٹ پر پھیلا لیں۔ یہی ایک طریقہ تھا جس سے مجھے کسی قدر آرام مل سکتا تھا۔

ایک ایک لمحہ سردیوں پر بھاری محسوس ہو رہا تھا لیکن بہرحال رات بیت رہی تھی۔ میں جاگنے کی کوشش کرتا رہا لیکن آخر کار نیند نے مجھے بھی پچھاڑ دیا۔ میری آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں اور پھر مجھے ہوش نہیں آیا۔

ششادری نے مجھے جھنجوڑ کر جگایا تھا۔ میں شاید تین چار گھنٹے ہی سویا تھا۔ نیند پوری نہیں ہوئی تھی اور میری آنکھوں میں سرخیاں سی بھری ہوئی تھیں۔ دماغ پر بھی بوجھ سا تھا میں کچھ دیر تک سر کو ہلکے جھٹکے دیتا رہا اور پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

اس وسیع و عریض کمرے میں بہت ہلکا اجالا تھا۔ میں دروازہ کھول کر لینڈ کروزر سے نیچے اتر آیا اور جب شکستہ دیوار کے شگاف سے نکل کر برآمدے میں آیا تو سامنے چٹی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے کچھ اور آگے بڑھ کر ادھر ادھر جھانکا۔ کسی ذی روح کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ عجیب پر ہول سا سناٹا تھا۔ میں دوبارہ گاڑی میں آ گیا۔

رتنا بھی جاگ چکی تھی۔ لینڈ کروزر کی سیٹوں کے پچھلی طرف پیٹرول کے ڈبوں کے ساتھ پانی کا کین بھی رکھا ہوا تھا۔ میں دوبارہ نیچے اتر آیا اور پچھلا دروازہ کھول کر پانی کا کین اتار لیا۔

پانی کے چھینٹوں کی جلن کچھ کم ہوئی۔ چند گھونٹ پانی پی کر میں نے کین ششادری کے حوالے کر دیا۔

ہماری یہ رات بڑی اذیت میں گزری تھی لیکن پندرہ بیس منٹ بعد ہمارے حواس بحال ہو چکے

تھے۔ ہم تینوں باہر آ گئے چمکتی ہوئی دھوپ میں محل کی یہ قدیم عمارت بڑا پراسرار منظر پیش کر رہی تھی۔ مرکزی حصے کے بائیں طرف کچھ حصہ ٹوٹا ہوا تھا۔ میں نے رتنا اور ششادری کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور پستول ہاتھ میں پکڑ کر اس طرف چل دیا۔

محل واقعی بہت شاندار تھا۔ میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ جب یہ آباد رہا ہوگا تو اس کی کیا شان رہی ہوگی۔

میں محتاط انداز میں آگے بڑھتا رہا۔ ششادری نے کسی لڑکی کا قصہ سنایا تھا جس نے راجہ شان سنگھ کو قتل کر کے خودکشی کر لی تھی اور اس کی روح اب بھی محل کے کھنڈرات میں بھٹک رہی تھی۔ ہو سکتا ہے اس روح کے حوالے سے اس محل کے بارے میں اور بھی بہت سی کہانیاں مشہور ہوں لیکن میں بدروحوں پر یقین نہیں رکھتا تھا۔ میرے دل میں اگر کوئی خوف تھا تو اس شیر کا جسے میں نے گزشتہ رات محل کے کمپاؤنڈ میں دہاڑتے ہوئے دیکھا تھا اور ویسے میں اس شیر کا شکر گزار بھی تھا جس کی وجہ سے ہم بچ گئے تھے۔ اگر وہ شیر نہ آتا تو وہ پولیس والے یقیناً ہمیں ڈھونڈ نکالتے۔ آسانی سے وہ ہم پر قابو نہیں پا سکتے تھے لیکن بہرحال گڑبڑ تو ہو سکتی تھی۔

"محل کا وہ گرا ہوا حصہ خاصا کشادہ تھا۔ حیرت کی بات تو یہ تھی کہ یہاں ملبہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ حصہ بہت پہلے گرا ہو اور کسی نے یہاں آباد ہونے کی کوشش میں ملبہ صاف کر دیا ہو۔

اس وسیع و عریض عمارت کے دوسری طرف تقریباً پچاس گز دور فصیل کا ایک بہت بڑا حصہ بھی ٹوٹا ہوا تھا جس کے دوسری طرف ایک ڈھلوانی راستہ بھی دکھائی دے رہا تھا جو جنگل میں چلا گیا تھا۔

میں چند منٹ وہاں کھڑا اس راستے کو دیکھتا رہا پھر واپس آ گیا۔ ششادری اور رتنا برآمدے کے ایک ستون کی آڑ میں کھڑی تھیں۔ وہ دونوں ناریل کھا رہی تھیں۔ ششادری نے ناریل کا ایک ٹکڑا میری طرف بھی بڑھا دیا۔

"اس طرف جنگل میں ایک کشادہ راستہ نظر آ رہا ہے۔" میں نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اگر ہم اس طرف سے نکل جائیں تو تمہارے بتائے ہوئے راستے پر پہنچ سکتے ہیں۔"

"اس طرف سے کیوں نہیں؟" رتنا نے مرکزی محرابی دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ پولیس والوں نے ہماری گاڑی کے پہیوں کے نشان دیکھ لئے تھے۔ میں نے کہا۔ "رات کو تو شیر نے انہیں یہاں سے بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا لیکن میں دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے۔ انہیں یہاں ہماری موجودگی کا یقین ہو چکا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ قریب و جوار ہی میں کہیں گھات لگائے بیٹھے ہوں گے۔ انہیں یقین ہوگا کہ دن چڑھنے پر ہم اسی راستے سے باہر نکلیں گے۔ اس لئے ہماری بھلائی اس میں ہے کہ ہم وہ مرکزی دروازہ استعمال کرنے کے بجائے اس طرف کا راستہ اختیار کریں۔"

"تو پھر اس سے پہلے کہ وہ پولیس والے ہماری تلاش میں دوبارہ اندر آ جائیں ہمیں یہاں سے نکل چلنا چاہئے۔" رتنا نے کہا۔

ہم تینوں اندر آ گئے۔ رتنا اور ششادری پچھلی والی سیٹ پر بیٹھ گئیں اور میں نے سٹیئرنگ سنبھال

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

لیا۔ انجن سٹارٹ کر کے گاڑی کو بڑی احتیاط سے اس کمرے اور برآمدے سے نکالا اور اس کا رخ محل کے اس حصے کی طرف موڑ دیا۔

وسیع و عریض کمپاؤنڈ گھاس اور جھاڑیوں سے اٹا ہوا تھا۔ مجھے گاڑی کو محل کے اس ٹوٹے حصے تک لے جانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

''اس راستے کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے جیسے یہاں سے باقاعدہ ملبہ صاف کیا گیا ہو۔'' میں نے ادھر ادھر اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''یہ ویران محل ماضی میں طویل عرصہ تک ڈاکوؤں کا اڈا بھی رہا ہے۔'' ششادری نے بتایا۔ ''راستے یقیناً انہوں نے ہی صاف کیے ہوں گے۔ ہوسکتا ہے ڈاکوؤں کے بعض گروہ اب بھی اس طرف آتے رہتے ہوں۔ یہ ان کیلئے محفوظ ترین جگہ ہے۔ پولیس ان گھنے جنگلوں میں ان کا پیچھا نہیں کرتی۔''

''لیکن پولیس نے ہمارا پیچھا تو نہیں چھوڑا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہمارے پیچھے آنے پر بھی اب وہ پچھتا رہے ہوں گے۔'' ششادری نے بتایا۔ ''ڈاکو ایک یا دو نہیں ہوتے۔ ان کے گروہ تیس تیس چالیس آدمیوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ پولیس ان کا پیچھا کرنے کی مماثلت نہیں کرسکتی۔ ہمارے بارے میں پولیس کی رائے مختلف ہوسکتی ہے۔ ہم تعداد میں صرف تین ہیں۔ ایک مرد اور دو عورتیں اور پولیس کے خیال میں ہمارے پاس اسلحہ بھی نہیں ہوگا۔ اس لئے ہمارا تعاقب کرنے میں انہوں نے کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا اور اب یقیناً پچھتا رہے ہوں گے۔''

محل کی فصیل سے نکل کر ہم کھلی جگہ پر آ گئے۔ چاروں طرف کانٹے دار جھاڑیاں تھیں لیکن اس راستے کی نشاندہی ہو رہی تھی جو بتدریج ڈھلان کی طرف چلا گیا تھا۔ جھیل ہمارے بائیں طرف تھی اور ہم بتدریج اس سے دور ہوتے جا رہے تھے۔

جنگل خاصا گنجان تھا۔ درختوں میں بل کھاتا ہوا وہ راستہ ایسا تھا جیسے بہت پہلے باقاعدہ استعمال ہوتا رہا ہو۔ تقریباً ایک گھنٹے تک میں گاڑی چلاتا رہا اور پھر ایک جگہ مجھے گاڑی روک لینی پڑی۔ آگے ایک دم گہرا نشیب تھا۔ عمودی ڈھلان تھی اور کوئی باقاعدہ راستہ بھی نہیں تھا۔ اس عمودی ڈھلان پر گاڑی کو اتارنے کی کوشش کرنا خودکشی کے مترادف تھا۔ میں نے انجن بند کر دیا اور ہم تینوں نیچے اتر آئے۔

نیچے نشیب میں بھی تاحد نگاہ گھنا جنگل پھیلا ہوا تھا۔ ہم کچھ دیر ادھر ادھر دیکھتے رہے پھر گاڑی میں آ گئے۔ میں نے انجن سٹارٹ کر دیا اور گاڑی کو نشیب کے ساتھ ساتھ چلاتا رہا۔

تقریباً ایک میل کا فاصلہ طے کیا ہوگا کہ ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ ہم تینوں اچھل پڑے۔ میری گرفت سٹیئرنگ پر ڈھیلی پڑ گئی اور لینڈ کروزر لہرانے لگی۔ رفتار تو ظاہر ہے تیز نہیں تھی لیکن مجھے گاڑی روک لینی پڑی اور جب نیچے اتر کر دیکھا تو اس دھماکے کی وجہ میری سمجھ میں آ گئی۔

آگے کا ایک ٹائر برسٹ ہو گیا تھا۔ یہ غنیمت تھا کہ گاڑی میں ایک سپیئر وہیل موجود تھا۔ گاڑی کے پچھلے حصے میں ٹول بکس بھی تھا میں نے جیک وغیرہ نکال کر گاڑی کے قریب رکھ دیا اور برسٹ شدہ پہیے کے نٹ کھولنے لگا اور پھر جیک گاڑی کے نیچے لگا دیا۔ ششادری اور رتنا بھی نیچے اتر آئی تھیں۔

''اے ششادری دیوی۔'' میں اسے بازو سے پکڑ کر آگے لے آیا۔ ''یہ جیک کا ہینڈل گھماؤ' گاڑی کو اوپر اٹھانا ہے۔''

ششادری جھک کر میرے بتائے ہوئے طریقہ سے جیک کا ہینڈل گھمانے لگی مگر اس کی ساڑھی کا پلو بار بار نیچے گر رہا تھا۔ اس نے پلو کندھے سے ہٹا کر کمر میں اڑس لیا اور ہینڈل گھمانے لگی۔ گاڑی آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے لگی اور پھر میں نے اسے روک دیا اور نٹ پوری طرح کھول کر پہیہ باہر نکال کر دوسرا پہیہ چڑھا دیا اور ہاتھ سے نٹ کسنے کے بعد جیک نکال دیا اور پانے کی مدد سے نٹ کسنے لگا۔

رتنا اس وقت گاڑی کی دوسری طرف کھڑی تھی۔ میں آخری نٹ کس رہا تھا کہ رتنا کی آواز سن کر چونک گیا۔

''ارے یہ دیکھو...''

''کیا ہوا؟ میں نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا''

''یہ دیکھو... یہ... یہ پہیہ بھی...''

رتنا کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے میں اٹھ کر اس کے قریب پہنچ چکا تھا اور میرے منہ سے اس طرح گہرا سانس نکل گیا جیسے غبارے سے ہوا نکل گئی ہو۔ بائیں طرف کا پچھلا پہیہ بھی فلیٹ ہو رہا تھا۔

میں نے جھک کر دیکھا تو لکڑی کا ایک نوکیا لکڑا ٹائر میں پیوست تھا۔ میرا خیال تھا کہ لکڑی کا یہ ٹکڑا اگلا ٹائر برسٹ ہونے سے کچھ دیر پہلے ہی اس ٹائر میں لگا ہوگا۔ ہم اگلا پہیہ تبدیل کرتے رہے اور اس دوران پچھلے پہیے کی ہوا نکل گئی۔

''لعنت ہو۔'' میں نے بڑبڑاتے ہوئے ٹائر پر ایک ٹھوکر ماری۔

''اب کیا ہوگا۔'' رتنا مردہ سے لہجے میں بولی۔

''اب پیدل مارچ ہوگا۔'' میں نے کہا۔

ششادری بھی اس طرف آ گئی اور فلیٹ شدہ ٹائر دیکھ کر اس کا چہرہ بھی دھواں ہو گیا۔

''اب کیا ہوگا؟'' اس نے بھی وہی سوال کیا جو اس سے پہلے رتنا کر چکی تھی اور میرا جواب بھی وہی تھا جو میں رتنا کو بتا چکا تھا۔

''تم تو گائیڈ ہو... اب ہماری رہنمائی کرو...'' میں نے کہا۔

ہم چند منٹ وہاں کھڑے بک جھک کرتے رہے۔ گاڑی میں ایک ہی فاضل ٹائر تھا جو آگے لگا دیا گیا تھا اور محنت بھی رائیگاں گئی تھی۔

''یہ گاڑی اب ہمارے لئے بے کار ہو چکی تھی۔ اب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا کہ ہم اپنا سفر جاری رکھیں۔ رتنا نے گاڑی سے سوٹ کیس نکال لیا۔''

''یہ بوجھ اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ اسے یہیں چھوڑ دو۔'' میں نے کہا۔

''کیا مطلب یہ یہاں چھوڑ دوں۔'' رتنا نے مجھے گھورا۔

''میرا مطلب ہے اس سوٹ کیس کی کیا ضرورت ہے۔ وہ تھیلا نکال لو۔ اسے تو آسانی سے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

گلے میں لٹکایا جاسکتا ہے۔" میں نے کہا۔

بات رتنا کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے تھیلا نکال لیا اور سوٹ کیس کو گاڑی میں پھینک دیا۔ تھیلا اس نے کندھے پر لٹکا لیا۔

ہم اس راستے پر چلتے رہے۔ میں آگے تھا اور وہ دونوں میرے پیچھے پیچھے چل رہی تھیں۔ ہمارے پاس دو پستول تھے ایک میرے پاس اور دوسرا رتنا کے پاس ہم دونوں نے پستول اپنے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھے۔ درندوں کا بہرحال خطرہ تو تھا۔ ششادری نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ جنگل درندوں کی وجہ سے خطرناک ہے اور میرے خیال میں یہ جنگل کچھ زیادہ ہی خطرناک تھا۔

ہم تقریباً ایک گھنٹے تک چلتے رہے۔ محل سے نکلتے ہوئے ششادری نے بتایا تھا کہ اگر ہم مشرق کی سمت چلتے رہیں تو اس جنگل سے نکل جائیں گے۔ ہمیں بیس پچیس میل کا فاصلہ طے کرنا ہے جس میں سے تقریباً نصف فاصلہ ہم طے کر چکے تھے اور باقی نصف فاصلہ طے کرنا ہمارے لئے کڑا امتحان تھا۔

جنگلی جانوروں کی بہتات تھی لیکن پیدل چلتے ہوئے ہمیں جتنے بھی جانور نظر آئے وہ بے ضرر تھے۔ میں نے رتنا کو سختی سے ہدایت کر دی تھی کہ وہ کسی جانور کو دیکھ کر بلاوجہ گولی نہ چلا دے۔

نصف گھنٹہ مزید چلتے رہنے کے بعد ہم رک گئے۔ سامنے نشیب میں درختوں میں گھرے ہوئے کسی بستی کے کھنڈرات نظر آ رہے تھے۔ ان میں ایک مندر نمایاں تھا جو قدرے بہتر حالت میں دکھائی دے رہا تھا۔

"میرا خیال ہے ہمیں اس طرف سے کوئی راستہ مل جائے گا۔" میں نے کھنڈروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اس طرف کچھ پھل دار درخت بھی ہوں گے۔ شاید ہمیں کچھ کھانے کو مل جائے۔" یہ بات ششادری نے کہی تھی۔

ششادری کے کہنے پر یاد آیا کہ ہم صبح سے بھوکے پیاسے تھے۔ رات کا بچا ہوا تھوڑا سا ناریل کھایا تھا اور اب وہ بھی نہیں رہا تھا۔ راستے میں کوئی پھل دار درخت بھی نظر نہیں آیا تھا۔

وہ کھنڈر تقریباً ایک میل دور ہے۔ ششادری اور رتنا تھک گئی تھیں۔ رتنا تھیلے کو ایک کندھے پر منتقل کرتی اور کبھی دوسرے کندھے پر۔ اسے یہ تھیلا بھی اب بوجھ لگنے لگا تھا۔ آخر کار میں نے اس سے وہ تھیلا لے کر اپنے کندھے پر لٹکا لیا۔

ایک چھوٹی سی ندی پر ہم رک گئے۔ ندی میں گدلا پانی بہہ رہا تھا۔ ہمارے لئے یہ پانی بھی آب حیات سے کم نہیں تھا۔ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد ہم آگے چل پڑے۔

وہ کھنڈرات زیادہ دور نہیں رہ گئے تھے۔ یہاں جنگل بھی چھدرا ہوتا چلا گیا تھا اور آخر کار ہم کھلی جگہ پر نکل آئے۔ وہ کھنڈرات ہمارے سامنے تھے۔ مندر اس بستی سے تقریباً الگ تھلگ تھا اور اس کی دیواروں پر اگرچہ کائی جمی ہوئی تھی مگر وہ کافی بہتر حالت میں نظر آ رہا تھا جبکہ اس کے بائیں طرف تقریباً سو گز کے فاصلے پر اس بستی کے بیشتر مکان ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکے تھے۔

"میرا خیال ہے اس بستی میں جانے کی ضرورت نہیں۔ یہ مندر ہی ہمارے لئے مناسب رہے گا" رتنا نے مندر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ہم اس طرف چل پڑے۔ اینٹوں کا ایک بہت بڑا چبوترہ تھا جس پر چھوٹے کی پکی ہوئی سرخ اینٹوں سے وہ مندر بنا ہوا تھا۔ وہ تکونی عمارت تقریباً ساٹھ فٹ بلند تھی۔ حوادث زمانہ نے اس کے کچھ حصے توڑ پھوڑ دیئے تھے۔ دیواروں پر کائی جمی ہوئی تھی کہیں کہیں اینٹوں کے جوڑوں سے گھاس بھی چھوٹی ہوئی تھی۔ تقریباً تیس فٹ کی بلندی پر مرکزی دروازے کے عین اوپر دیوار میں پیپل کا ایک پودا بھی اگا ہوا تھا۔ جس طرح اینٹوں کے جوڑوں میں گھاس خودرو تھی اس طرح پیپل کا یہ پودا بھی خودرو تھا۔ اس کی دو شاخیں آٹھ دس فٹ تک آگے کو نکلی ہوئی تھیں اور تین چار شاخیں اتنی بلندی پر اوپر تک چلی گئی تھیں۔ یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں تھی۔ قدیم عمارت کی دیواروں پر اکثر اس قسم کی چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔

مندر کا داخلی راستہ محرابی تھا۔ ایسا ہی ایک راستہ پچھلی طرف بھی نظر آ رہا تھا۔ یہ ہال تقریباً چالیس فٹ چوڑا اور اتنا ہی لمبا تھا۔ دائیں طرف ایک چبوترہ تھا جس پر کسی زمانے میں کسی دیوی یا دیوتا کی مورتی براجمان رہی ہوگی لیکن اس وقت تو اس چبوترے کا بھی بیشتر حصہ ٹوٹ پھوٹ چکا تھا۔ چبوترے کے پیچھے ایک تنگ سا راستہ تھا۔

ہم جیسے ہی ہال سے مرکزی دروازے میں داخل ہوئے پروں کی پھڑپھڑاہٹ کی آواز سن کر بدحواس ہو گئے۔ میرے ذہن میں سب سے پہلے چمگادڑوں کا خیال ابھرا تھا۔ ایسی ویران عمارتوں میں چمگادڑ ڈیرہ جما سکتے تھے یا الو۔

لیکن وہ نہ تو چمگادڑ تھے اور نہ ہی الو۔ سرمئی رنگ کے جنگلی کبوتر تھے جنہوں نے ٹوٹی پھوٹی دیواروں میں اپنے مسکن بنا رکھے تھے۔

میں نے رتنا اور ششادری کو ہال ہی میں رکنے کا اشارہ کیا اور خود چبوترے کے پیچھے پہنچ گیا۔ وہ راستہ تین فٹ سے زیادہ چوڑا نہیں تھا اس کے دوسری طرف کمرہ تھا جس میں گہری تاریکی تھی۔ میں نے جیسے ہی اندر قدم رکھا میرے اوپر گویا قیامت ٹوٹ پڑی۔ چیں چیں اور پروں کی پھڑپھڑاہٹ کی پرشور آواز نے میرے حواس مختل کر دیئے۔

وہ لاتعداد چمگادڑ جو میرے قدموں کی آہٹ سے چیختے چلاتے ہوئے کمروں کی فضا میں گردش کرنے لگے تھے۔ کچھ چمگادڑ مجھ سے ٹکرائے اور لاتعداد دروازے سے باہر نکل کر ہال میں گردش کرنے لگے۔

"رتنا نیچے لیٹ جاؤ۔" میں پوری قوت سے چیخا اور خود بھی بڑی تیزی سے مڑ کر باہر کی طرف چھلانگ لگا دی۔

چمگادڑوں کا شور کئی منٹ تک جاری رہا اور پھر جھنڈ کے جھنڈ دوبارہ اس تاریک کمرے میں داخل ہو گئے۔ میں اس وقت تک زمین پر اوندھا لیٹا رہا جب تک پھڑپھڑاہٹ کا شور کم نہیں ہو گیا۔ چیں چیں کی آوازیں البتہ اب بھی سنائی دے رہی تھیں۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

"ارے! یہ کیا ہوا؟" ششادری نے کہتے ہوئے میرا بایاں ہاتھ پکڑ لیا۔

میں نے اپنے ہاتھ کو دیکھا۔ اس کی پشت پر خون کا ایک قطرہ نظر آ رہا تھا۔ میرا خیال ہے گرتے ہوئے چوٹ لگ گئی ہوگی لیکن دفعتاً ایک اور خیال میرے ذہن میں ابھرا۔ پھڑپھڑاتی ہوئی کئی چمگادڑیں مجھ سے ٹکرائی تھیں۔ ہوسکتا ہے کسی چمگادڑ نے ٹکراتے ہوئے دانت مار دیا ہو یا اس کے نوکیلے پنجے سے ہاتھ پر کوئی خراش آ گئی ہو۔ میرے اس خیال کی تائید رتنا اور ششادری نے بھی کی تھی۔ انفیکشن کا خطرہ تو بہرحال تھا لیکن اس وقت اس کا کوئی تدارک نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ششادری نے خون صاف کر کے چٹکی بھر مٹی زخم پر ڈال دی اور ساڑھے کے پلو سے ایک ٹکڑا پھاڑ کر میرے ہاتھ پر پٹی باندھ دی تھی۔

"یہ جگہ خطرناک ہے۔ ہمیں باہر چل کر کسی اور جگہ پر بیٹھنا چاہئے۔" رتنا نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہاں روشنی ہے اس لئے ہمیں چمگادڑوں سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "غلطی میری ہی تھی۔ مجھے اس طرح بے پروائی سے اس کمرے میں داخل نہیں ہونا چاہئے تھا۔ ویسے بھی ہمیں کون سا یہاں بیٹھے رہنا ہے۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ آرام کر کے روانہ ہو جانا چاہئے۔ ویسے ہمیں کوشش یہ کرنی چاہئے کہ راستہ تلاش کر کے جلد سے جلد اس جنگل سے نکلنے کی کوشش کریں۔ اگر اس جنگل میں شام ہوگئی تو....."

"بس بس... آگے کچھ مت کہنا۔" رتنا نے ہاتھ اٹھا کر مجھے روک دیا۔ "ایک تو خونخوار درندوں سے بھرا ہوا یہ جنگل ویسے ہی ہولناک ہے اندھیرے کے خیال سے میرا دل کانپنے لگا ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ "کچھ دیر آرام کر لو تو یہاں سے چلیں۔"

ہم تینوں اس چبوترے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ ہم لوگ اڑھائی تین گھنٹوں تک اس جنگل میں پیدل چلتے رہے۔ وہ دونوں تو بری طرح تھک گئی تھیں۔ اس لئے میں نے تھوڑی دیر یہاں رکنے کا فیصلہ بھی کیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے بعد ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے لیکن تھوڑی دیر بعد ہی ششادری اور رتنا چبوترے کے ساتھ نیم دراز ہو کر سو چکی تھیں۔ میرے دماغ پر بھی غنودگی سی طاری ہونے لگی اور پلکیں نیند کے بوجھ سے جھکنے لگیں۔

میں نیند میں بھی بے چین سا رہا۔ شاید کوئی خواب دیکھ رہا تھا۔ پولیس میرے تعاقب میں تھی اور میں بے تحاشا دوڑ رہا تھا۔ میرا سانس پھول گیا تھا اور منہ سے کف بہنے لگا تھا۔ دفعتاً میرے قدم ڈگمگائے اور میں گر گیا۔ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ پولیس والے میرے سر پر پہنچ گئے۔ ایک پولیس والے نے میرے کولہوں پر زوردار ٹھوکر رسید کر دی اور میرے منہ سے چیخ نکل گئی۔

پولیس والے کی ٹھوکر اور میری منہ سے نکلنے والی چیخ میرے خواب کا حصہ نہیں تھی۔ یہ وہ ٹھوکر تھی جس نے مجھے آن واحد میں حقیقت کی دنیا میں لا پھینکا تھا۔ میں بدحواس سا ہوگیا۔ سنبھلنے کی کوشش کر رہا تھا کہ ایک اور ٹھوکر پڑی۔ اس کے ساتھ ہی رتنا اور ششادری کی چیخیں بھی سنائی دی تھیں۔

مجھے حواس میں آنے اور صورتحال کو سمجھنے کی زیادہ دیر نہیں لگی۔ وہ وہی تینوں پولیس والے تھے

جو ہمارا تعاقب کرتے ہوئے گزشتہ رات راجہ شان سنگھ کے محل میں بھی پہنچ گئے تھے مگر ایک شیر کی دہاڑ نے انہیں وہاں سے بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ان میں ایک تو سب انسپکٹر تھا اور دو کانسٹیبل۔ سب انسپکٹر کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور دونوں کانسٹیبلوں کے ہاتھوں میں آٹومیٹک رائفلیں۔ انہوں نے ہم تینوں کو زد پر لے رکھا تھا۔

"بہت بھاگ لئے۔" سب انسپکٹر نے غراتے ہوئے کہا۔ "سارے انڈیا کی پولیس تمہارا راستہ نہیں روک سکی لیکن سب انسپکٹر وشپ ناتھ جس مجرم کے پیچھے لگ جاتا ہے اسے پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالتا ہے۔"

میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ میں نے ششادری اور رتنا کی طرف دیکھا۔ خوف کی شدت سے ان دونوں کے چہرے بالکل سفید پڑ گئے تھے جیسے جسم کا سارا خون نچڑ گیا ہو۔ اس طرح پکڑے جانے کا مطلب وہ اچھی طرح سمجھتی تھیں۔

میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ میرا خیال تھا ان کی جیپ مندر کے باہر کھڑی ہوگی مگر مجھے وہ جیپ دکھائی نہیں دی۔ ہوسکتا ہے سائیڈ پر کسی جگہ کھڑی ہو لیکن مجھے حیرت تھی کہ کیا ہم تینوں اتنی گہری نیند سو گئے تھے کہ ہمیں جیپ کی آواز بھی سنائی نہیں دی تھی۔

میں جب چبوترے سے ٹیک لگا کر نیم دراز بیٹھا تھا تو پستول میں نے اپنی گود میں رکھ لیا تھا جو اس وقت مجھ سے تقریباً چار فٹ کے فاصلے پر پڑا تھا۔ رتنا والا پستول بھی اس کے قریب ہی گرد آلود فرش پر پڑا ہوا تھا لیکن وہ اس کی طرف ہاتھ نہیں بڑھا سکتی تھی۔ سب انسپکٹر نے ایک کانسٹیبل کو اشارہ کیا۔ اس نے محتاط انداز میں آگے بڑھ کر پہلے دونوں پستولوں کو پیر کی ٹھوکر سے دور ہٹایا اور پھر انہیں اٹھا لیا۔

"یہ تھیلا بھی اس کی طرف پھینک دو۔" سب انسپکٹر نے رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے کرخت لہجے میں کہا۔

رتنا نے تھیلا بھی اس کی طرف اچھال دیا جو اس کے پیروں کے قریب گرا۔ سب انسپکٹر نے جھک کر تھیلا اٹھا لیا اور پھر اسے کھول کر اندر جھانکنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں چمک ابھر آئی۔

"مجھے انسپکٹر کے عہدے پر ترقی تو مل ہی جائے گی۔ پر یہ انعام مجھے پہلے مل گیا۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"یہ مال ہضم کرنے کا خیال بھی دل میں مت لانا۔" میں نے کہا۔ "اگر تم نے اسے ہضم کرنے کی کوشش کی تو اوپر والے تمہارے حلق میں ہاتھ ڈال کر بھی اسے نکال لیں گے۔"

"میں بھی وشپ ناتھ ہوں۔ کوئی میری طرف انگلی نہیں اٹھا سکتا۔" سب انسپکٹر نے کہا اور پھر ششادری کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اے دیوی تم ادھر کو جاؤ۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ یہ لوگ تمہیں یرغمال بنا کر سارسکا سے فرار ہوئے ہیں۔ تم کیوں ڈرت ہو ادھر کو آ جاؤ نا۔"

اس انکشاف نے میرے جسم میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑا دی۔ سارسکا میں محکمہ سیاحت کے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

آفس منیجر نے ہمیں ششادری کے ساتھ لینڈ کروزر میں بیٹھتے اور فرار ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس نے یہ تو نہیں سوچا ہوگا کہ ششادری بھی ہماری ساتھی ہے۔ اس کے ذہن میں یقیناً یہی خیال آیا ہوگا کہ ہم اسے یرغمال بنا کر فرار ہو رہے ہیں اور یہی بات اس نے پولیس کو بھی بتائی ہوگی۔

میں نے ششادری کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی چمک سی ابھر آئی تھی۔ ایک موقع مل رہا تھا۔ اس سے فائدہ نہ اٹھانا دنیا کی بڑی حماقت ہوتی۔

''حکم۔'' ششادری نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''یہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے۔''

''کیسے مار ڈالیں گے۔ ہم ہوں نا۔ تو آجا ادھر کو... مت ڈرو...'' سب انسپکٹر نے کہا۔

ششادری نے خونخوار نظروں سے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھا اور اٹھ کر بڑی تیزی سے پولیس والوں کی طرف چلی گئی۔

''میں کہتی تھی نا کہ تم لوگ اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکو گے۔'' وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''اگر تم لوگ سارسکا ہی میں اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دیتے تو شاید تمہارے ساتھ کچھ رعایت ہوتی مگر اب تم لوگ بچ نہیں سکو گے۔'' بہت خوفناک انجام ہوگا تمہارا۔ بہت ظلم کیا ہے تم نے مجھ پر بھی۔ اب پتا چلے گا تمہیں...''

''ہوں... تو اس نے تمہارے ساتھ زیادتی بھی کی ہے۔'' سب انسپکٹر بولا۔

''بہت انیائے کیا ہے حکم۔'' ششادری نے کہا۔ ''مجھے مارا پیٹا ہے' بہت زیادتی کی ہے میرے ساتھ۔''

''گاڑی کہاں ہے تم لوگوں کی۔'' سب انسپکٹر نے پوچھا۔

''گاڑی تو خراب ہو گئی تھی۔ ہم دو گھنٹوں سے پیدل چل رہے ہیں۔'' ششادری نے جواب دیا پھر بولی۔ ''انہوں نے سرکاری گاڑی کا بھی ستیاناش کر دیا۔ لاکھوں روپے کی گاڑی تھی وہ۔''

''ان سے سب کچھ وصول کر لیا جائے گا۔'' سب انسپکٹر بولا۔

''لیکن حکم... تم لوگوں کی گاڑی کہاں ہے۔ کیا تمہاری گاڑی بھی...'' ششادری نے جان بوجھ کر بات پوری نہیں کی۔

''ہماری جیپ ٹھیک ہے اور بستی کے کھنڈروں میں کھڑی ہے۔'' سب انسپکٹر نے کہا۔ ''رات کو ہمیں شبہ ہوا تھا کہ تم لوگ اس محل کے کھنڈرات میں چھپے ہوئے ہو لیکن محل میں شیر کی موجودگی سے مجھے اندازہ ہوا کہ تم لوگ وہاں نہیں ہو سکتے۔ ہم لوگ محل سے نکل آئے اور تقریباً ایک میل دور ایک محفوظ جگہ پر جیپ روک کر رات گزار دی اور پھر صبح کی روشنی دیکھ پھیلتے ہی روانہ ہو گئے۔ بستی کے ان کھنڈروں کو دیکھ کر ہم رک گئے۔ میرا خیال تھا کہ تم لوگ اگر پیچھے رہ گئے ہو تو اس طرف ضرور آؤ گے۔''

''جیپ ہم نے کھنڈروں میں چھپا دی اور ایک ٹوٹے پھوٹے مکان میں ٹھہر کر آرام کرنے لگے۔ تھوڑی دیر پہلے یہ نارائن اس طرف آیا تھا۔ اس نے تم لوگوں کو یہاں سوئے ہوئے دیکھا تو واپس جا کر مجھے بتا دیا۔''

''یہ خوش قسمتی شاید میرے ہی حصے میں لکھی ہوئی تھی کہ جس انلک وادی کو پورے ہندوستان کی پولیس تلاش نہ کر سکی وہ کتنی آسانی سے میرے ہاتھ آ گیا۔ اب ہر طرف میری جے جے کار ہوگی۔ میرے نام کا ڈنکا بجے گا۔ میری ترقی ہوگی۔ مجھے سرکار سے انعام ملے گا۔''

''یہ دونوں بہت خطرناک ہیں حکم...'' ششادری نے کہا۔ ''انہیں باندھ کر رکھو۔ یہ دونوں کسی بھی وقت کچھ کر سکتے ہیں۔''

''میں ان کا بندوبست کر لوں گا۔'' سب انسپکٹر نے کہا اور پھر ہماری طرف دیکھتے ہوئے غرایا۔ ''اٹھ کر ہمارے ساتھ چلو۔ کوئی بہادری دکھانے کی کوشش کی تو گولیوں سے بھون دیئے جاؤ گے۔''

ششادری نے ہمیں باندھنے کا مشورہ دیا تو ایک لمحہ کو میری آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی تھی۔ میں نے رتنا کی طرف دیکھا اور پھر ہم دونوں اٹھ گئے۔ ان تینوں نے چند گز دور رہ کر ہمیں اپنی اپنی گنوں کی زد پر رکھا تھا۔ اگر ہم بھاگنے کی کوشش کرتے تو ہمیں واقعی گولیوں سے بھون دیا جاتا۔

ہم لوگ مندر سے باہر آ کر بستی کے کھنڈروں کی طرف چلنے لگے۔ یہ دوپہر کا وقت تھا اور دھوپ خاصی تیز ہو رہی تھی۔ ششادری سب انسپکٹر وشپ ناتھ کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ میرا خیال تھا کہ وہ کچھ کرنے کی کوشش کرے گی لیکن اس کا ایسا کوئی ارادہ نظر نہیں آتا۔ وہ وشپ ناتھ کے ساتھ چلتے ہوئے اپنے ساتھ ہماری زیادتیوں کے قصے سنا رہی تھی۔

ہم بستی میں داخل ہو گئے۔ ان کھنڈروں کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ یہاں کے لوگ بڑے خوش حال تھے۔ تمام مکان بڑے بڑے تھے اور گلیوں میں پختہ اینٹوں کی سولنگ تھی۔

ہم جیسے ہی دوسری گلی میں مڑے ہمیں جیپ نظر آ گئی۔

حویلی نما وہ مکان بھی بہت بڑا تھا۔ باہر کی چار دیواری ٹوٹی ہوئی تھی۔ ٹوٹی پھوٹی اینٹوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ ان سے آگے کشادہ صحن تھا اور پھر حویلی کے کمرے' بیشتر کمرے نوٹ پھوٹ چکے تھے لیکن دو تین کمرے ایسے تھے جن میں رہائش رکھی جا سکتی تھی۔

جیپ کے قریب سے گزرتے ہوئے ایک کانسٹیبل نے جیپ میں رکھی ہوئی جھنگڑی اٹھالی جو میرے اور رتنا کے ہاتھوں میں پہنا دی گئی۔ وہ لوگ ہمیں حویلی کے اس کمرے میں لے آئے جہاں گرد آلود فرش پر ایک چادر بچھی ہوئی تھی جس سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ انہوں نے یہیں ڈیرہ جما رکھا تھا۔

ہمیں ایک کونے میں بٹھا دیا گیا۔ ایک کانسٹیبل نے ہم پر رائفل تان رکھی تھی۔ ششادری سب انسپکٹر کے سامنے بیٹھی تھی۔ اس نے ساڑھی کا پلو گرا دیا تھا اور جان بوجھ کر کسی قدر آگے جھکی بیٹھی تھی۔ سب انسپکٹر کی نظریں بار بار اس کی طرف اٹھ رہی تھیں اور ششادری بھی اب مسکرا مسکرا کر اس سے باتیں کر رہی تھی۔

اور پھر میں نے ان دونوں کو اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے دیکھا۔ ششادری نے ہماری طرف گردن گھمائی تو اس کے ہونٹوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ رتنا اس موقع پر خاموش نہیں رہ سکی۔

''ہاں ہاں... جا اپنے یار کے ساتھ۔ بڑی جگہ ہے ان کھنڈروں میں۔'' رتنا کے لہجے میں بے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

پناہ طنز تھا۔

ششادری تیزی سے گھوم گئی۔ اس نے رتنا کو ایک زوردار ٹھوکر رسید کر دی۔

''تو بھی تو اپنے اس یار کے ساتھ عیش کرتی رہی ہے۔'' وہ غرائی۔ وشپ ناتھ تو میرا محسن ہے۔ اس نے تم لوگوں سے میری جان بچائی ہے کیا میں اس کا شکریہ بھی ادا نہ کروں۔''

''ہاں ہاں جا اس حرامی کا شکریہ ادا کر رنڈی۔'' رتنا بھی چیخی۔ ششادری نے غراتے ہوئے اسے ایک اور ٹھوکر رسید کر دی۔ رتنا نے سب انسپکٹر کو حرامی کہا تھا لیکن حیرت انگیز طور پر سب انسپکٹر نے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اس کے برعکس اس نے ششادری کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے کھینچتا ہوا باہر لے گیا۔ رتنا ششادری کو گالیاں دیتی رہی۔

وہ دونوں باہر چلے گئے جبکہ دونوں کانسٹیبل دروازے کے قریب بیٹھے آپس میں سرگوشیاں کرتے رہے۔ ان کی رائفلیں کے رخ ہماری طرف تھے۔

میں اور رتنا کبھی ان کانسٹیبلوں کی طرف دیکھتے اور کبھی دروازے کے باہر دیکھنے لگتے۔ باہر دھوپ خاصی تیز تھی اور زیادہ دیر تک اس طرف نظریں جمائے رکھنا ممکن نہیں تھا۔

''ششادری اس مسٹنڈے کو اپنے ہاتھ لے کر گئی ہے۔'' رتنا نے میری طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔ ''کیا تمہارے خیال میں وہ اس پر قابو پا سکے گی۔''

''عورت میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ تمہیں خود بھی ہونا چاہئے۔'' میں نے بھی سرگوشی میں جواب دیا۔ ''اگر اس کی جگہ تم ہوتیں تو کیا کرتیں۔''

''ششادری سمجھدار ہے۔'' رتنا بولی۔ ''مجھے یقین ہے کہ اسے ناکامی نہیں ہوگی لیکن اگر...''

''اس سے آگے مت سوچو۔'' میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

تقریباً آدھا گھنٹہ گزر گیا اور پھر ششادری دروازے پر نمودار ہوئی۔ اس کے جسم پر ساڑھی نہیں تھی۔ صرف بلاؤز اور پیٹی کوٹ تھا۔ بلاؤز بھی ایسا تھا کہ اس کے جسم کا بالائی حصہ قیامت کا منظر پیش کر رہا تھا۔ دونوں کانسٹیبل بھوکی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''تم میں نارائن کون ہے!'' ششادری نے باری باری دونوں کانسٹیبلوں کی طرف دیکھا۔

''میں ہوں نارائن۔'' ایک کانسٹیبل جلدی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اس کی عمر چالیس اور پینتالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ لمبے قد کا مالک دبلا پتلا سا آدمی تھا۔ مونچھیں خاصی بڑی اور خوفناک تھیں۔

''تمہارے صاحب کا حکم ہے میں تم دونوں کو بھی خوش کر دوں۔'' ششادری نے کہا۔ ''پہلے تم آؤ... بعد میں تمہارے ساتھی کی باری آئے گی۔''

''آخر رنڈی ہی نکلی نا...'' رتنا غرائی۔ ''لے جا... لے جا... دونوں کو اکٹھے ہی لے جا۔''

ششادری نے اس مرتبہ جواب نہیں دیا۔ البتہ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔ ان کے جانے کے بعد دوسرا کانسٹیبل محتاط ہو گیا۔ وہ دروازے کے عین بیچ بیٹھ گیا تھا۔ ایک گھٹنا زمین پر ٹکا رکھا تھا اور دوسرے گھٹنے پر رائفل کو سہارا دیئے ہوئے تھا۔ وہ بالکل اس پوزیشن میں بیٹھا تھا جیسے دشمن

کے سامنے محاذ آرا ہو۔

تقریباً دس منٹ گزر گئے۔ نارائن نامی کانسٹیبل کو ساتھ لئے جانے کا مطلب یہ تھا کہ ششادری سب انسپکٹر پر قابو پا چکی تھی اور اب اس کانسٹیبل کو زیر کرنے میں بھی کچھ وقت لگے گا۔

''اس کانسٹیبل کو ہم قابو کرنے کی کوشش کریں۔'' رتنا نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ ''مشکل ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''بہت محتاط ہے۔ نہ تو خود ہمارے قریب آئے گا اور نہ ہی ہمیں قریب آنے کا موقع دے گا۔''

''ابھی دیکھو میں کیا کرتی ہوں۔'' رتنا نے کہا۔

اس کا بایاں ہاتھ میرے ساتھ ہتھکڑی میں تھا جبکہ دایاں ہاتھ آزاد تھا۔ وہ اپنے آزاد ہاتھ سے اپنی پنڈلی کھجانے لگی۔ اس نے شلوار کا پائنچہ اوپر اٹھا لیا اور پھر اس کے جسم پر کھجلی بڑھ گئی۔ وہ اپنے پیٹ اور پہلو کو کھجاتے ہوئے قمیض اوپر اٹھاتی چلی گئی۔

''اے... کیا ہو رہا ہے تمہیں... کیوں مچل رہی ہو...'' کانسٹیبل نے اسے گھورا۔

''کھجلی ہو رہی ہے۔'' رتنا کراہی۔ ''یہاں چیونٹیاں ہیں۔ میرے سارے بدن پر چیونٹیاں چڑھ گئی ہیں۔ میری مدد کرو... یہ قمیض ذرا اوپر کر کے کھجا دو۔''

''اپنے ساتھی سے بولو نا... ہم کو کیا بولتی ہو۔'' کانسٹیبل نے کہا۔

''دیکھتے نہیں اس کے ہاتھ میں ہتھکڑی پڑی ہوئی ہے۔'' رتنا نے کہا۔ ''تم ذرا میری مدد کر دو نا۔ یہ چیونٹیاں تو مجھے کھا جائیں گی۔''

کانسٹیبل شش و پنج میں پڑ گیا۔ رتنا اس دوران قمیض کو کافی اوپر اٹھا چکی تھی۔ کانسٹیبل کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔

''یقین کرو ہم کچھ نہیں کریں گے ...'' رتنا نے کہا۔ ''تم مجھے اذیت سے نجات دلا دو... میں تمہیں...''

وہ اپنا جملہ مکمل نہیں کر سکی۔ کیونکہ اس وقت ششادری دروازے کے سامنے آ گئی تھی۔ اس مرتبہ اس کے بلاؤز کے اوپر والے دو بٹن کھلے ہوئے تھے۔ منظر پہلے سے بھی زیادہ خطرناک ہو گیا تھا۔ اس نے سیدھا ہاتھ پشت پر رکھا ہوا تھا۔

''اے... کیا نام ہے تمہارا؟'' اس نے کانسٹیبل کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''وکرم...'' کانسٹیبل بولا۔ ''وکرم سنگھ...''

''اب تمہاری باری ہے وکرم سنگھ۔'' ششادری مسکرائی۔ ''تو چلو تمہارے ساتھ۔'' وکرم بولا۔

''کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ ششادری کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ ''یہیں کپڑے اتار دو۔''

''یہاں۔ ان کے سامنے۔'' کانسٹیبل ہکلا گیا۔

''کیا حرج ہے چلو۔ اتارو کپڑے۔'' ششادری نے کہتے ہوئے اپنی پشت پر رکھا ہوا ہاتھ آگے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

نکال لیا۔

ششادری کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر کانسٹیبل اچھل پڑا۔

"گن پھینک دو اور کپڑے اتار دو۔ جلدی کرو۔" ششادری غرائی کانسٹیبل کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ اس نے خاموشی سے رائفل پھینک دی اور قمیض کے بٹن کھولنے لگا۔

رتنا نے اپنی قمیض درست کر لی تھی۔ میں رائفل اٹھانے کیلئے بڑھا تو وہ بھی میرے ساتھ کھنچتی چلی آئی۔ میں نے رائفل اٹھا کر کانسٹیبل کو زد میں لے لیا۔

"دو دونوں کہاں ہیں؟" میں نے ششادری سے پوچھا۔

"اس حویلی کے مختلف کمروں میں۔" ششادری نے جواب دیا۔

کانسٹیبل کپڑے اتار چکا تھا۔ اس نے دھاری دار کپڑے کی نیکر پہن رکھی تھی۔

"ہتھکڑی کی چابی کہاں ہے۔" میں نے کانسٹیبل سے پوچھا۔

"میری قمیض کی جیب میں۔" کانسٹیبل نے جواب دیا۔

میں نے زمین پر پڑی ہوئی قمیض کی جیب میں سے چابی نکال کر ہتھکڑی کھول لی۔ رتنا بھی ہتھکڑی کھلتے ہی اپنی کلائی سہلانے لگی۔

ہم کانسٹیبل کو لے کر اس کمرے میں آ گئے جہاں سب انسپکٹر وشپ ناتھ بے ہوش پڑا تھا۔ قریب ہی ششادری کی گاؤنی ساڑھی بھی پڑی ہوئی تھی۔

"یہ حرامی ایک گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گا۔"

ششادری نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم اس کے کپڑے اتار کر پہن لو اور رتنا تم پہلے کمرے میں جا کر اس کانسٹیبل کی وردی پہن لو جو اس نے اتاری ہے۔ میں اس کا خیال رکھتی ہوں"

رتنا فوراً ہی دوسرے کمرے میں دوڑ گئی۔ میں نے کمرے میں داخل ہو کر سب انسپکٹر کو گھسیٹ کر آڑ میں کیا اور اس کی وردی اتارنے لگا۔ تقریباً دس منٹ بعد میں سب انسپکٹر کی وردی پہن کر باہر آ چکا تھا۔

"اس طرف دوسرے کھنڈر ہیں۔" ششادری نے جواب دیا۔ "تم اسے دیکھو میں اس کی وردی پہن کر آتی ہوں۔"

ششادری پچھلی طرف کے کھنڈروں میں چلی گئی۔

اور پھر دس منٹ بعد ہم تینوں پولیس کی وردیوں میں کانسٹیبل وکرم سنگھ کے سامنے کھڑے تھے۔ اس کے چہرے پر بے پناہ خوف تھا۔ وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ ششادری نے وشپ ناتھ نارائن کو قتل کر دیا ہے اور اسے بھی ختم کر دیا جائے گا وہ نیکر پہنے ہوئے خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔

"ڈرو نہیں وکرم سنگھ مہاراج۔" ششادری نے کہا۔ "ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ تمہارے دونوں ساتھی بھی زندہ ہیں اور بے ہوش پڑے ہیں۔ ہمارے جانے کے بعد انہیں ہوش میں لے آنا اور ہاں۔ آئندہ کسی عورت کے چکر میں مت آنا ورنہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔"

رتنا نے وہ تھیلا اٹھا لیا جسے سب انسپکٹر نے اپنے قبضے میں لے رکھا تھا۔ اس نے تھیلا کھول کر

دیکھا۔ اس کے چہرے پر طمانیت سی آ گئی جس کا مطلب تھا کہ تھیلے میں کوئی چیز کم نہیں تھی۔

سب انسپکٹر وکرم کا ریوالور میرے پاس تھا جبکہ اپنا پستول میں نے پتلون کی جیب میں ٹھونس لیا تھا۔ رتنا نے بھی اپنا پستول جیب میں ٹھونس کر وکرم سنگھ والی آٹو میٹک سنبھال لی تھی۔ دوسری رائفل ششادری کے پاس تھی۔ ہم وکرم سنگھ کو ہانکتے ہوئے گلی میں آ گئے جہاں جیپ کھڑی تھی۔ چابی اگنیشن میں لگی ہوئی تھی۔

میں نے گہری نظروں سے جیپ کا جائزہ لیا۔ اس کے پچھلے حصے میں ایک سپیئر ٹائر بھی موجود تھا اور پٹرول کے دو کین بھی رکھے ہوئے تھے۔ ان علاقوں میں پولیس کو بعض اوقات ڈاکوؤں کے تعاقب میں خطرناک راستوں پر دور دراز کے سفر کرنا پڑتے تھے۔ اس لئے پولیس کی گاڑیوں کو بھی ہر لحاظ سے تیار رکھا جاتا تھا۔ اس میں پوری ہوا بھری ہوئی تھی۔ جیپ کے چاروں ٹائروں میں بھی ہوا پوری تھی۔

میں نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر انجن سٹارٹ کر دیا۔ رتنا اور ششادری بھی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں جبکہ کانسٹیبل وکرم چند قدم دور کھڑا خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔

"اب تم جا سکتے ہو۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اپنے ساتھیوں کو ہوش میں لاؤ اور شام سے پہلے پہلے اس جنگل سے نکلنے کی کوشش کرو۔"

"مجھے یہاں چھوڑ کر مت جاؤ مہاراج۔" وکرم سنگھ نے ہاتھ جوڑ دیئے۔ "مارے بھوکے سے بچے اناتھ ہو جاویں گے مہاراج۔"

"تمہارے زندہ ہوتے ہوئے اناتھ کیسے ہو سکتے ہیں۔" میں نے اسے گھورا۔ "چلو ... اپنے ساتھیوں کو ہوش میں لاؤ اور اس جنگل سے نکلنے کی کوشش کرو۔"

میں نے پستول ہولسٹر سے نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا۔ وکرم سنگھ باقاعدہ گڑگڑانے لگا۔ میں نے فائر کر دیا۔ گولی اس سے دو تین فٹ کے فاصلے پر زمین میں لگی۔

"اب اگر تم نے بھاگنے میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر کی تو دوسری گولی تمہارے سینے میں لگے گی۔" میں نے غرا کر کہا۔

وکرم سنگھ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ ششادری نے ہوا میں دو تین فائر کر دیئے۔ وکرم سنگھ چیخ کر گرا لیکن دوسرے ہی لمحہ اٹھ کر پھر بھاگ کھڑا ہوا اور پھر فضا ششادری کے قہقہوں سے گونج اٹھی۔

"مرد کی فطرت بھی عجیب ہوتی ہے۔" وہ اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے بولی۔ "جہاں کسی عورت کو دیکھا اس کی رال ٹپکنے لگتی ہے اور عورت کا اشارہ پا کر تو وہ یہ بھی بھول جاتا ہے کہ اس کی جان کو بھی خطرہ ہو سکتا ہے۔"

"عورت دنیا کی حسین ترین مخلوق ہے۔ اسے حاصل کرنے کیلئے مرد اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیتا ہے۔ دراصل دنیا کی ساری رونق ہی عورت سے ہے۔ عورت نہ ہوتی تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ لڑائی جھگڑے دنگے فساد اور بڑی بڑی جنگیں۔ کچھ بھی تو نہ ہوتا۔" میں چند لمحے خاموش ہوا پھر بولا۔ "تم تو محکمہ سیاحت میں ہو۔" ہندوستان کی تاریخ تمہیں ازبر ہے۔ ہندوستان خصوصاً راجستھان میں جتنی جنگیں ہوئی ہیں ان

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

میں عورت کا عمل دخل رہا ہے۔ سات سو سال پہلے ایک عورت ہی کیلئے علاؤ الدین خلجی نے جتوڑ کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔ رانی پدمنی واقعی اتنی حسین تھی کہ اس کے لئے پوری دنیا کو تباہ کیا جاسکتا تھا۔

"لیکن عورت تو پیار کئے جانے کے قابل ہے۔ روندنے اور پامال کرنے کیلئے نہیں۔" ششادری نے کہا۔

"ہاں۔ یہ مرد کی اپنی اپنی فطرت ہے کہ وہ عورت کو کس طرح رکھتا ہے۔ مجھ سے اگر کوئی شکایت ہو تو۔۔"

"بند کرو بکواس۔۔" ششادری نے غراتے ہوئے میری بات کاٹ دی۔

اس مرتبہ رتنا نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا تھا۔

میں نے بھی ہنستے ہوئے جیپ آگے بڑھادی۔

بستی خاصی بڑی تھی۔ کھنڈر دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ میں جیپ کو ان کھنڈرات کے اوپر گھماتا ہوا پچھلی طرف سے گیا۔ میرے خیال میں جنگل سے باہر نکلنے کا راستہ اسی طرف سے ہونا چاہئے۔

عین دوپہر کا وقت تھا دھوپ خاصی تیز تھی کھلی جیپ پر دھوپ سے بچاؤ کا کوئی ذریعہ نہیں تھا لیکن چند منٹ بعد ہم جنگل میں داخل ہو گئے۔ جنگل میں سفر کرتے ہوئے یہ ہمارا دوسرا دن تھا اور اچھا خاصا تجربہ بھی ہو چکا تھا۔ درختوں میں اگرچہ دھوپ نہیں پہنچ رہی تھی لیکن گھٹن زیادہ تھی۔

ششادری پچھلی سیٹ سے اٹھ کر میرے ساتھ والی سیٹ پر آ گئی تھی۔ اس نے قمیض کے بٹن کھول دیئے تھے۔ میں نے ایک دو مرتبہ گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی گردن اور سینے پر پسینے کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ ایک موقع پر میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ رتنا نے تو قمیض ہی اتار رکھی تھی اور اس کا پورا بدن پسینے سے تر ہو رہا تھا۔

"تمہیں زیادہ گرمی لگ رہی ہے۔" میں نے کہا۔

"تم اپنے دھیان سے جیپ چلاتے رہو۔" رتنا نے تنک کر جواب دیا۔ "ادھر ادھر یا پیچھے دیکھنے کی ضرورت نہیں سمجھے۔"

"سمجھ گیا۔" میں نے سیٹ پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہیں ہوتی۔ یہ سب ششادری کا کیا دھرا ہے نہ یہ راستہ بھولتی اور نہ ہمیں یہ مصیبت اٹھانا پڑتی۔"

"اس میں میرا بھی کوئی قصور نہیں ہے۔" ششادری نے جھٹ سے جواب دیا۔ "میں دو چار مرتبہ سارسکا تک آئی ہوں۔ زیادہ سے زیادہ الوری سلر تھ تک گئی ہوں۔ اس جنگل کی طرف سے تو کبھی نہیں آئی۔ اگر ہم سیدھے راستے پر چل پڑتے تو زیادہ سے زیادہ دو تین گھنٹوں میں اس جنگل سے نکل کر کوٹ پتلی پہنچ جاتے۔"

"لیکن ہمیں اس جنگل میں بھٹکتے ہوئے دوسرا دن ہے اور ہمیں راستہ نہیں مل رہا۔" میں نے کہا۔

ششادری نے اس مرتبہ کوئی جواب نہیں دیا۔ ہم جیسے آگے بڑھ رہے تھے۔ درخت زیادہ گنجان

ہوتے جا رہے تھے۔ بعض درختوں کی شاخیں نیچے تک جھکی ہوئی تھیں۔ جھاڑیاں بھی بہت گنجان اور کانٹے دار تھیں۔ مجھے یہ بھی اندیشہ تھا کہ جیپ کا کوئی ٹائر برسٹ نہ ہو جائے۔

ہم نے صبح ناریل کا ایک ایک ٹکڑا کھایا تھا اور اس وقت بھوک سے پیٹ میں اینٹھن سی ہو رہی تھی۔ وہ دونوں بھی بے چینی کا اظہار کر رہی تھیں مگر منہ سے کسی نے شکایت نہیں کی تھی۔

آدھا گھنٹہ مزید گزر گیا۔ اب درخت کچھ چھدرے ہونے لگے تھے۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی رتنا اچانک ہی چیخ اٹھی۔

"اے... روکو روکو... جیپ روکو۔"

میں نے ایک دم بریک پیڈل پر پیر کا دباؤ ڈال دیا۔ رتنا کے اس طرح چیخنے پر میں کچھ بدحواس بھی ہو گیا تھا۔

"کیا ہوا؟" میں نے پیچھے مڑ کر پوچھا۔

"وہ دیکھو۔" رتنا نے ایک درخت کی طرف اشارہ کیا۔ "وہ درخت پھلوں سے لدا ہوا ہے۔ شاید بیر ہیں۔"

وہ درخت قدرے بائیں طرف تھا۔ اسے دیکھ کر میری بھی آنکھیں چمک اٹھیں۔ میں جیپ کو ریورس کر کے اس درخت کے نیچے لے گیا وہ بیر ہی تھے۔ سیب کی طرح بڑے اور پکے ہوئے ہم نے جیپ پر کھڑے ہو کر بہت سے بیر توڑ لئے۔

میں نے اپنی سیٹ پر بیٹھ کر جیپ پھر آگے بڑھا دی۔ وہ دونوں کچر کچر بیر کھا رہی تھیں۔ ایک بیر میرے ہاتھ میں بھی تھا جسے سیب کی طرح دانتوں سے کاٹ کاٹ کر کھا رہا تھا۔ واقعی بہت میٹھے اور خوش ذائقہ بیر تھے۔

آدھا گھنٹہ اور گزر گیا۔ درخت بتدریج چھدرے ہوتے جا رہے تھے اور پھر ہم کھلی جگہ پر نکل آئے۔ کچھ دور جانے کے بعد میں نے جیپ روک لی۔ سامنے نشیب میں ایک جھیل نظر آ رہی تھی جو زیادہ بڑی نہیں تھی لیکن ہمارے لئے خوشی کی بات یہ تھی کہ اس میں جھیل میں ایک کشتی بھی تیر رہی تھی جس پر تین آدمی سوار تھے وہ شاید ماہی گیر تھے اور مچھلیاں پکڑ رہے تھے۔

"آہ..." رتنا کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ "آخر کار ہم جہنم سے نکل ہی آئے۔"

"اب تم لوگ اپنے جامے میں آ جاؤ۔" میں نے کہا۔ "ہم پولیس والے ہیں اور ڈاکوؤں کا تعاقب کرتے ہوئے جنگل میں بھٹک کر اس طرف نکل آئے ہیں۔"

"یس سر۔" رتنا نے کہا۔

میں نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ قمیض پہن رہی تھی۔ ششادری نے بھی قمیض اتار رکھی تھی۔ اب وہ اپنے جامے میں آ گئی۔

کشتی والوں نے بھی ہمیں دیکھ لیا تھا۔ میں کچھ دیر تک کشتی کی طرف دیکھتا رہا پھر جھیل کے دوسرے کنارے کی طرف دیکھنے لگا۔ وہاں بھی درختوں کے نیچے دو عورتیں نظر آ رہی تھیں۔ ان سے ذرا ہٹ

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

کر ایک بیل گاڑی بھی دکھائی دے رہی تھی۔

میں نے جیپ آگے بڑھا دی اور کنارے کے ساتھ ساتھ ہوتا ہوا جیپ کو درختوں کے اس جھنڈ کی طرف لے آیا جہاں بیل گاڑی کے قریب دو عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ایک عورت کی گود میں شیر خوار بچہ تھا جسے وہ دودھ پلا رہی تھی۔ ہمیں دیکھ کر بھی اس نے کچھ چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

وہ ادھیڑ عمر عورت تھی جبکہ دوسری عورت جوان تھی اس کی عمر چوبیس پچیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ تانبے جیسی رنگت اور کسا ہوا بدن' اس نے پھولدار کپڑے کا گھاگھرا اور مختصری چولی پہن رکھی تھی۔ چولی کا کپڑا صرف آگے ہی تھا۔ پیچھے ڈوریاں تھیں' اس طرح اس کی پوری کمر برہنہ ہو رہی تھی۔ وہ دونوں الجھی ہوئی نظروں سے ہماری طرف دیکھ رہی تھیں۔

بیل گاڑی کے قریب ہی کھجور کے پتوں سے بنے ہوئے تین چار ٹوکرے رکھے ہوئے جن میں مچھلیاں بھری ہوئی تھیں۔

جوان عورت جھیل کے کنارے پر جا کر اپنے مردوں کو آوازیں دینے لگی تھیں۔ ویسے انہیں آوازیں دینے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ کشتی اب کنارے کی طرف آ رہی تھی۔

جیپ روکنے کے بعد میں نے انجن بند کر دیا اور سٹیئرنگ کے سامنے بیٹھا رہا۔ البتہ رتنا اور ششادری نیچے اتر گئیں اور اس عورت سے باتیں کرنے لگیں جو آلتی پالتی مارے بچے کو دودھ پلا رہی تھی۔

اس دوران کشتی بھی کنارے پر آ گئی۔ ایک آدمی تو کشتی پر ہی بیٹھا رہا اور دو آدمی اتر کر ہماری طرف آ گئے۔ میں بھی جیپ سے اتر آیا۔ وہ دونوں آدمی خوف زدہ نظر آ رہے تھے۔ قریب پہنچ کر ان دونوں نے ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا۔

"تم لوگ کب سے یہاں ہو؟" میں نے باری باری ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہم تو صبح سے یہاں مچھلیاں پکڑ رہے ہیں۔ مہاراج۔" ادھیڑ عمر آدمی نے جواب دیا۔ "کیا ہوا حکم.... تم تو ادھر کا نا ہی دکھو ہو۔"

"ہم ڈاکوؤں کا سارے کا سے پیچھا کرتے ہوئے آ رہے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "وہ حرامی جنگل میں غائب ہو گئے۔ تین آدمی ہیں" میں نے اطمینان سے سب انسپکٹر وشپ تر اور دونوں کانسٹیبلوں کے حلیے بتا دیئے۔ "ان میں سے کسی کو ادھر دیکھا تو نہیں!"

نہیں حکم۔ اس شخص نے جواب دیا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی تھی۔ شاید اسے اس بات پر حیرت تھی کہ دو نیڈن کانسٹیبلوں کے ساتھ اس خطرناک جنگل میں خطرناک ڈاکوؤں کا پیچھا کر رہا تھا لیکن اسے ہم پر کوئی شبہ نہیں تھا۔ ہم پولیس کی وردیوں میں تھے اور ہمارے پاس پولیس کی جیپ تھی۔

"تم لوگ کس بستی کے رہنے والے ہو اور کوٹ پتلی یہاں سے کتنی دور ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہم بھون پور کے رہنے والے ہیں حکم۔ یہ چھوٹی سی بستی ہے یہاں سے دو کوس دور ہے اور کوٹ پتلی ہماری بستی سے آٹھ کوس کے فاصلے پر ہے۔"

"کیا تم یہ مچھلیاں اپنے گاؤں میں بیچتے ہو یا..."

"مچھلیاں ہم کوٹ پتلی لے جاتے ہیں سرکار..." اس شخص نے جواب دیا۔ "وہاں اچھے دام مل جاتے ہیں۔"

"اور کیا کام کرتے ہو تم...؟" میں نے پوچھا۔

"گاؤں کے آس پاس تھوڑی سی کھیتی باڑی ہے۔ حکم۔" اس نے جواب دیا۔ "میں گاؤں کا مکھیا بھی ہوں۔ یہ میری گھر والی ہے۔" اس نے بچے والی عورت کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ میری بہو ہے اور یہ میرا بیٹا جیت۔"

"اس طرف کوئی اور پولیس والے بھی آئے تھے کیا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں حکم۔" مکھیا نے جواب دیا۔ "تھانہ کوٹ پتلی میں ہے۔ ہمارے گاؤں میں پولیس کبھی نہیں آئی۔ چھوٹے موٹے جھگڑے ہوتے ہیں تو ان کا فیصلہ ہم خود ہی کر لیتے ہیں۔"

"ان مچھلیوں سے کتنا کما لیتے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"اس مرتبہ فصل اچھی نہیں ہوئی کھیتی سے کچھ زیادہ امید نہیں۔ اس لئے یہاں سے مچھلیاں پکڑ کر کوٹ پتلی لے جا کر فروخت کر دیتے ہیں۔ اب اجت کی روٹی مل جاتی ہے حکم۔"

میں چند لمحے خاموش رہا اور پھر مکھیا کو بازو سے پکڑ کر الگ لے گیا۔ دونوں عورتیں کے چہروں سے پریشانی عیاں تھی۔ میں تقریباً آدھے گھنٹے تک علیحدگی میں مکھیا سے باتیں کرتا رہا۔ مجھے مایوسی نہیں ہوئی۔

"ہم جن ڈاکوؤں کا پیچھا کر رہے ہیں وہ بہت خطرناک ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ اس طرف نکل آئیں یا کسی اور مقام پر جنگل سے نکل کر کوٹ پتلی کی طرف چلے جائیں۔ ہم اگر پولیس کی وردیوں میں ان کے تعاقب میں رہے تو انہیں فرار ہونے کا موقع مل جائے گا۔ اگر ہم بھیس بدل لیں تو آسانی سے انہیں پکڑ سکتے ہیں۔" اور پھر میں نے جو منصوبہ بنایا ہے مکھیا نے اس کی تائید کر دی۔

مکھیا کا ایک بھائی کوٹ پتلی میں تھا جہاں اس نے ایک چھوٹا سا ڈھابا کھول رکھا تھا۔ مکھیا بیل گاڑی پر مچھلیاں لاد کر شام کو کوٹ پتلی کے لئے روانہ ہو جاتا تھا۔ وہاں آٹھ نو بجے کے قریب مچھلیوں کی منڈی لگتی تھی۔ آس پاس کے دوسرے علاقوں کے ماہی گیر بھی اپنا مال لے کر آتے تھے۔ مکھیا اپنا مال ایک بیوپاری کے ہاتھ فروخت کر دیتا۔ کچھ دیر اپنے بھائی کے پاس رکتا اور پھر آدھی رات کے لگ بھگ اپنے گاؤں واپس پہنچ جاتا۔

میں نے اسے ایک معقول رقم کی پیش کش کی تھی اور وہ خطرناک ڈاکوؤں کو پکڑوانے کیلئے ہماری مدد کرنے کو تیار ہو گیا تھا۔ مکھیا کا بیٹا اجیت بیل گاڑی تیار کرنے لگا۔ مکھیا نے دوسرے آدمی کے ساتھ کشتی کنارے پر کھینچ لی اور اس پر سے مچھلیوں کے ٹوکرے اور جال وغیرہ اتارنے لگے۔ مکھیا کی بیوی اور بہو بھی اپنا سامان سمیٹنے لگے۔

آدھے گھنٹے میں وہ لوگ بیل گاڑی پر روانہ ہو گئے۔ ہم تینوں وہیں کھڑے رہے اور جب مجھے یقین ہو گیا کہ بیل گاڑی کم از کم نصف میل دور جا چکی ہے تو میں جیپ کو سٹارٹ کر کے جھیل کے ایک اونچے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

کنارے پر لے آیا اور اس کا رخ جھیل کی طرف موڑ دیا۔ عین کنارے پر پہنچ کر میں نے جیپ سے چھلانگ لگا دی۔

وہاں سے جھیل کا عمودی کنارہ تقریباً بیس فٹ اونچا تھا۔ جیپ قلابازی کھاتی ہوئی زوردار چھپاکے سے پانی میں گری۔ وہاں جھیل کا پانی بھی بہت گہرا تھا۔ پانچ منٹ بعد وہ جیپ پانی کی تہہ میں غائب ہو چکی تھی اور وہ دونوں آٹومیٹک رائفلیں بھی جیپ کے ساتھ ہی غرقاب ہو چکی تھیں۔

ہمارے پاس ایک ریوالور اور دو پستول تھے۔ ان رائفلوں کی ہمیں ضرورت نہیں تھی۔ یوں بھی انہیں اپنے پاس رکھنا خطرناک تھا۔

ہم تینوں اس طرف چل پڑے، جس طرف بیل گاڑی گئی تھی۔ جھیل سے آگے درخت بتدریج چھدرے ہوتے چلے گئے اور پھر یہ سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔ آگے اکا دکا درخت ہی تھے اور نشیب میں بہت دور کھیت نظر آ رہے تھے۔

ہم تینوں ایک پگڈنڈی پر چلتے رہے۔ وہ تھیلا اب بھی رتنا ہی کے پاس تھا جسے اس نے کندھے پر لٹکا رکھا تھا۔ میں نے اپنا پستول تو اپنے پاس ہی رکھا تھا البتہ سب انسپکٹر والا ریوالور ششادری کو دے دیا تھا۔ اس نے پتلون کی جیب میں ڈال لیا تھا۔

کھیا نے بتایا کہ اس کا گاؤں دو کوس کے فاصلے پر ہے لیکن میرے خیال میں وہ فاصلہ ڈیڑھ کوس سے زیادہ نہیں تھا۔

وہ گاؤں زیادہ بڑا نہیں تھا۔ میرے خیال میں ڈیڑھ دو سو کچے مکان ہوں گے۔ مگر ہمیں گاؤں تک جانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ گاؤں سے کافی دور کمروں پر مشتمل ایک کچا مکان تھا۔ اس کے ساتھ ہی پیپل کے دو تین درخت تھے جن کے نیچے خشک گوبر پھیلا ہوا تھا۔ یہ کھیا کی زمین تھی اور یہ ڈیرہ بھی اس کا تھا۔ فصل کی بوائی یا کٹائی وغیرہ کے موقع پر کاشت کار دوپہر یہیں گزارتے تھے مگر اب ڈیرہ ویران پڑا تھا کھیا نے ہمیں یہیں رکنے کو کہا تھا۔

کمروں کے ارد گرد کوئی چار دیواری وغیرہ نہیں تھی۔ میں نے ایک کمرے میں جھانک کر دیکھا اور اندر پڑی ہوئی ایک جھلنگا سی چارپائی اٹھا کر باہر لے آیا۔

رتنا اور ششادری فوراً ہی چارپائی پر ڈھیر ہو گئیں۔ مجھے پٹی پر ہی جگہ مل سکی تھی۔ یوں تو جب سے راجستھان آیا تھا بڑے بڑے معرکوں سے گزر رہا تھا۔ رتنا نے بھی میرا بہت ساتھ دیا تھا مگر پچھلے دو دن کی مہم نے ہمیں بری طرح تھکا دیا تھا۔ اگر جنگل نہ ہوتا تو ہم لینڈ کروزر پر کہیں پہنچ چکے ہوتے۔

میں ایک بار پھر اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور آس پاس گھوم پھر کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ سورج غروب کی طرف جھک رہا تھا۔ راجستھان کے بعض علاقے مرچوں کی کاشت کیلئے مشہور تھے۔ یہ بیزن بھی مرچوں ہی کا تھا۔ ہمارے چاروں طرف بھی مرچوں ہی کے کھیت تھے اور کھیا نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ اس مرتبہ فصل اچھی نہیں ہوئی تھی۔ ہم بھی کھیتوں میں سے گزرتے ہوئے سب کچھ دیکھتے آئے تھے۔

''بڑے اطمینان سے ٹہل رہے ہو۔ تمہیں احساس ہے کہ تمہارے ساتھ دو ایسی خواتین بھی ہیں

جو تھکن اور بھوک سے نڈھال ہیں۔'' رتنا کی آواز سن کر میں ان کے قریب آ گیا۔

''تھکن کا علاج تو آرام ہے جو تم کر رہی ہو۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اور بھوک کا علاج یہ ہے کہ کھا پی لیا جائے۔ اس وقت تو کھانے کیلئے مرچوں کے سوا کچھ نہیں۔ کوئی اور چیز چاہیے تو انتظار کرو۔ میں نے کھیا سے کہا تو تھا۔ شاید وہ کچھ کھانے کو لے آئے۔''

''وہ پتا نہیں کب آئے گا۔ مارے بھوک کے جان نکلی جا رہی ہے۔'' رتنا کی آواز رو دینے والی تھی۔

ہمیں تقریباً ایک گھنٹہ انتظار کرنا پڑا۔ کھیا گاؤں کی طرف سے آتا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے ایک ہاتھ میں پوٹلی اٹھا رکھی تھی۔ اسے ہم تک پہنچنے میں چند منٹ اور لگ گئے۔ اسے دیکھ کر رتنا اور ششادری بھی چارپائی سے اٹھ گئیں۔ کھیا نے وہ پوٹلی چارپائی پر رکھ دی۔

''ہمارے لئے کچھ کھانے کو نہیں لائے کاکا؟'' رتنا نے پوچھا۔

''لایا ہوں بیٹا'' کھیا نے کہتے ہوئے پوٹلی کھول دی۔ اس میں کپڑے تھے اور ان میں ایک چھوٹی سی پوٹلی تھی جس میں گرم گرم روٹیاں تھیں سب سے اوپر والی روٹی پر آم اور مرچوں کا اچار رکھا ہوا تھا۔ ''اس وقت کوئی بھاجی وغیرہ نہیں تھی بٹیا۔'' اچار ہی لے آیا ہوں۔'' کھیا نے کہا۔

''اس اچار کے ساتھ اس وقت روٹی کھانے میں جو مزا آئے گا نا وہ کسی اور چیز میں نہیں ہو گا۔'' رتنا نے کہا۔

''پولیس کی نوکری تو بڑی سخت ہے بیٹا۔ تم دونوں...''

''ہاں کاکا'' رتنا نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''پولیس کی نوکری بہت سخت بھی ہے اور اس میں عیش بھی بہت ہے۔''

''ہاں... عیش بھی بہت ہے۔ پولیس والے تو بادشاہ ہوتے ہیں۔'' کھیا نے کہا اور پھر میری طرف مڑ گیا۔ ''میں چلتا ہوں حکم... اس پوٹلی میں تم تینوں کیلئے کپڑے ہیں۔ سورج ڈوبتے ہی میں بیل گاڑی پر گاؤں سے نکلوں گا۔ تم لوگ اس طرف پہنچ جانا۔ وہاں ندی کی پلیا پر۔'' اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔

''ٹھیک ہے کھیا۔ ہم پہنچ جائیں گے۔'' میں نے جواب دیا۔

رتنا اور ششادری نے روٹیوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا تھا۔ میں بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ رتنا نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ اس وقت اچار کے ساتھ روکھی روٹی کھانے میں جو مزہ آ رہا تھا وہ شاید کسی مرغن چیز میں بھی نہ آتا۔

آٹھ نو روٹیاں تھیں۔ ہم دو دن کے بھوکے تھے۔ ایک نوالہ بھی ہم سے نہیں بچا... پیٹ بھر جانے کے بعد ششادری کپڑے اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگی۔ ایک جوڑا تو میرے لئے تھا۔ سفید دھوتی' کالا کرتا اور کالی ہی پگڑی۔ دونوں زنانہ جوڑے شاید کھیا کی بہو کے تھے۔ دو گھاگھرے اور دو چولیاں۔ ان کے ساتھ چنریاں بھی تھیں۔ ایک جوڑا گہرے نیلے رنگ کا تھا اور دوسرا میرون' رتنا نیلا جوڑا اٹھا کر کمرے میں گھس گئی۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

پھر اس نے ششادری کو بھی آواز دے کر اندر بلا لیا۔

وہ دونوں تقریباً پندرہ منٹ بعد باہر نکلی تھیں۔ انہیں دیکھ کر میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا تھا۔ اس لباس میں تو وہ دونوں قیامت بن گئی تھیں۔ دونوں کے گھاگھرے گھٹنوں تک تھے اور دونوں چولیاں ٹائٹ تھیں ان کے بدن کس کر رہ گئے تھے۔

''اس طرح گھور کر کیا دیکھ رہے ہو۔'' ششادری نے مجھے گھورا۔ ''تم بھی اپنا چولا بدلو گے ایسے ہی ہمارے ساتھ چلو گے۔''

میں کپڑے اٹھا کر کمرے میں گھس گیا اور جب کپڑے بدل کر باہر نکلا تو دونوں میری طرف دیکھ کر ہنس دیں۔

''کیوں کیا ہوا؟'' میں نے کہا۔ ''میرے سینگ نکل آئے ہیں کیا؟''

''اس لباس میں تو تم بالکل ڈاکو ہی لگتے ہو۔'' رتنا نے کہا۔

میں نے پولیس کی تینوں وردیاں پوٹلی میں باندھ کر کمرے کے ایک کونے میں ڈال دیں اور پھر تینوں کھیا کی بتائی ہوئی سمت میں چل پڑے۔

کھیتوں میں چلتے ہوئے ہم ندی پر پہنچ گئے جو چار پانچ فٹ سے زیادہ چوڑی نہیں تھی۔ ندی کا پانی شیشے کی طرح شفاف تھا۔ روٹی کھانے کے بعد ہم نے پانی نہیں پیا تھا۔ یہاں ہم نے جی بھر کے پانی پیا اور ندی کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اس پلیا پر پہنچ گئے جس کے بارے میں کھیا نے بتایا تھا۔

پلیا سے ذرا ہٹ کر نیم اور پیپل کے درختوں کا ایک جھنڈ سا تھا ہم درختوں کے نیچے کھڑے ہو کر گاڑی کی طرف دیکھنے لگے۔

اس وقت سورج غروب ہو رہا تھا اور شام کا دھندلکا پھیلنے لگا تھا۔ مخالف سے ایک بیل گاڑی آتے دیکھ کر ہم درختوں کی آڑ میں ہو گئے۔

اور پھر تقریباً پندرہ منٹ بعد جب شام کا سرمئی دھندلکا اندھیرے میں بدل رہا تھا گاؤں کی طرف سے ایک بیل گاڑی آتی دکھائی دی۔ اس کے آگے بانس کے ساتھ ایک لالٹین بندھی ہوئی تھی۔ وہ کھیا کی بیل گاڑی تھی۔ اس طرح کی چھوٹی بستیوں کی بیل گاڑیاں میں نے سندھ میں بھی دیکھی جن میں صرف ایک بیل جتا ہوتا تھا۔

بیل گاڑی پلیا پار کر کے رک گئی تو ہم بھی درختوں کے جھنڈ سے نکل آئے۔ کھیا اکیلا ہی تھا۔ بیل گاڑی کے پچھلے حصے میں مچھلیوں کے ٹوکرے رکھے ہوئے تھے اور آگے ہمارے بیٹھنے کیلئے جگہ چھوڑی گئی تھی۔

مچھلیوں کی بو دماغ کو چڑھی جا رہی تھی مگر برداشت تو کرنا ہی تھا۔ بیل تو خاصا تگڑا تھا اور راستہ بھی اس کا جانا پہچانا تھا وہ اچھی خاصی رفتار سے چل رہا تھا۔ کھیا جب اسے ہلکی سی ڈنڈی مار دیتا تو وہ دوڑنے لگتا اگر کوئی مریل سا بیل ہوتا تو ہم آٹھ کوس کا فاصلہ شاید تین گھنٹوں میں بھی نہ طے کر پاتے لیکن اس تگڑے بیل نے ہمیں ڈیڑھ گھنٹے میں کوٹ پتلی کے نواح میں پہنچا دیا۔

''جگمگاتی روشنیاں دیکھ کر دور ہی سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ کوٹ پتلی درمیانے درجے کا شہر ہے جس کی آبادی دور تک پھیلی ہوئی تھی۔''

دیہی علاقے سے نکل کر پکی سڑک پر آتے ہی ٹریفک شروع ہو گیا۔ اس سڑک پر ذرا ہی آگے چنگی ناکہ تھا۔ کھیا نے چنگی کے سامنے بیل گاڑی روک لی۔

''ہوشیار بیٹھنا بھایا' میں ابھی آتا ہوں۔'' کھیا کہتے ہوئے بیل گاڑی سے اتر کر چنگی کے دفتر میں چلا گیا۔

اس کی واپسی تقریباً دس منٹ بعد ہوئی تھی۔ وہ جیسے ہی بیل گاڑی پر بیٹھا پولیس کی ایک جیپ ہمارے سامنے رک گئی۔ وہ پولیس والے اتر کر ہماری بیل گاڑی کے قریب آ گئے۔

''کہاں سے آئے ہو تم لوگ؟'' ایک پولیس والے نے پوچھا وہ ہیڈ کانسٹیبل تھا۔

''بھون پور سے آئے ہیں' مہاراج۔'' کھیا نے جواب دیا۔ ''میں گاؤں کا کھیا ہوں' یہ میری بیٹی ہے' یہ بہو اور میرا جمائی ہے۔'' اس نے ہم سب کا تعارف بھی کروا دیا تھا۔

رتنا اور ششادری نے چیزوں سے گھونگھٹ کاڑھ رکھے تھے۔ ہیڈ کانسٹیبل چند لمحے ان کے چہرے دیکھنے کی کوشش کرتا رہا پھر میری طرف دیکھنے لگا۔

''کیا کرتے ہو تم؟'' کانسٹیبل نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

''کھیتی کرتے ہیں حکم اور جھیل سے مچھلیاں بھی پکڑ کر لاتے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''یہاں کوئی جانتا ہے تم لوگوں کو؟'' پولیس والے نے پوچھا۔

''ہاں حکم...'' مجھ سے پہلے کھیا بول پڑا۔ ''یہ چنگی بابو ہمیں جانتے ہے' ہم روج ادھر کو آوت جات ہیں' آؤ تیرا سامنا کرا دوں۔''

کھیا پھر بیل گاڑی سے اتر گیا اور ہیڈ کانسٹیبل کو ساتھ لے کر چنگی کے قریب دفتر میں گھس گیا۔ وہاں کچھ اور لوگ بھی موجود تھے۔ کھیا ہیڈ کانسٹیبل کے ساتھ تقریباً پانچ منٹ بعد واپس آیا تھا۔ ہیڈ کانسٹیبل اپنے آدمیوں کو اشارہ کرتا ہوا جیپ پر سوار ہو گیا اور کھیا بیل گاڑی پر بیٹھ گیا۔

''تم تو خود پولیس ماہو بھایا... ان سے کیوں ڈرت ہو۔'' کھیا نے کچھ آگے آنے کے بعد کہا۔

''ہمیں جن ڈاکوؤں کی تلاش ہے کھیا وہ صرف ڈاکو ہی نہیں اتنک وادی بھی ہیں' بہت خطرناک ہیں وہ لوگ اس لئے ہم نے بھیس بدلنے کا پروگرام بنایا' تم تو کھیا ہو' سیانے آدمی ہو ایسی باتوں کو سمجھ سکتے ہو۔'' میں نے کہا۔

اس سڑک پر مزید دو تین جگہوں پر چیکنگ ہو رہی تھی ایک بار اور ہمیں روکا گیا تھا لیکن کھیا کا کھیا ہونا کام آ گیا تھا۔

مزید پون گھنٹے بعد ہم شہر کے وسط میں بازار سے ذرا ہٹ کر ایک میدان میں پہنچ گئے یہیں پر مچھلیوں کی منڈی لگتی تھی۔ کوٹ پتلی کے گرد و نواح میں بے شمار چھوٹی بڑی جھیلیں تھیں جہاں مچھلیاں پکڑی جاتی تھیں۔ لاتعداد ماہی گیر یہاں جمع ہوتے تھے۔ بیوپاریوں سے سودے ہو رہے تھے۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

کھیا نے اپنی بیل گاڑی اس جگہ روکی تھی جہاں اس کا بیوپاری دکان جمائے بیٹھا تھا۔ مال تلوانے اور حساب کتاب میں تقریباً آدھا گھنٹہ لگ گیا۔ اس دوران ہم تینوں ایک طرف کھڑے رہے اور ایک بار پھر بیل گاڑی پر بیٹھ گئے۔

ابھی نو بھی نہیں بجے تھے بڑا بارونق شہر تھا۔ سڑکوں پر اچھا خاصا ٹریفک تھا۔ کاروں اور بسوں وغیرہ کے ساتھ بیل گاڑیاں اور اونٹ گاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔

کھیا نے بیل گاڑی ایک چھوٹے سے میدان میں روک لی۔ یہاں چند کچے مکان اور جھونپڑے بنے ہوئے تھے جن کے پرلی طرف بنگلے وغیرہ تھے۔ کھیا نے بیل کھول کر اس کی رسی بیل گاڑی ہی کے ساتھ باندھ دی اور گاڑی کے اگلے حصے پر رکھی ہوئی چارے کی ایک گٹھی اٹھا کر بیل کے سامنے ڈال دی۔

ہم اس کچی آبادی کی تنگ اور تاریک گلیوں میں کھیا کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔ راستے میں کئی لوگ ملے تھے مگر کسی نے ہم پر توجہ نہیں دی۔ آبادی کے دوسری طرف چند دکانیں تھیں اور ان دکانوں کے سامنے سڑک کے دوسرے طرف بنگلوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

اس گلی کے موڑ پر کھیا کے بھائی پربت سنگھ کی دکان تھی۔ اس دکان کی پچھلی طرف اس کی رہائش تھی مکان والے حصے کا دروازہ گلی میں بھی تھا۔ کھیا نے ہمیں وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور خود گلی میں گھوم کر دکان کی طرف چلا گیا۔

میں نے ذرا آگے ہو کر دوسری طرف جھانکا اس دکان کے سامنے چند بنچ اور کرسیاں رکھی ہوئی تھیں جن پر لوگ بیٹھے چائے پی رہے تھے پربت سنگھ کی کریانے کی دکان تھی اس کے ساتھ ہی چائے کا بھی سلسلہ تھا۔

چند منٹ بعد مکان والا دروازہ اندر سے کھل گیا اور کھیا کی آواز سنائی دی۔ ہم تینوں اندر داخل ہو گئے۔ کھیا نے درواہ بند کر دیا۔

یہ ایک کشادہ آنگن تھا جس کے دائیں طرف دکان تھی اس کا ایک دروازہ اس طرف بھی کھلتا تھا اور کھیا دکان میں سے ہوتا ہوا اس دروازے سے اندر آیا تھا۔ آنگن کے دوسری طرف ریل شیپ میں تین کمرے تھے۔ ایک کمرہ ایک طرف دو دوسری طرف ان کے سامنے برآمدہ بھی۔ جس دروازے سے ہم داخل ہوئے تھے اس کے بائیں طرف ٹائلٹ بنا ہوا تھا جس کا کوئی دروازہ نہیں تھا نہ ہی چھت تھی۔ دروازے کی جگہ بوری کا پردہ پڑا ہوا تھا جبکہ سامنے والی دیوار کے ساتھ باورچی خانہ بنا ہوا تھا۔

برآمدے میں ایک چارپائی اور دو پرانی سی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ کھیا نے ایک کمرے کا دروازہ کھول کر بتی جلا دی۔ اس کمرے میں دری بچھی ہوئی تھی جس پر تین گاؤ تکیے بھی پڑے ہوئے تھے۔ سامنے والی دیوار میں شیشے کے دروازے والی الماری تھی جس میں شراب کی دو بوتلیں رکھی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

کھیا نے دوسرے کمرے کا دروازہ بھی کھول دیا۔ اس میں دو چارپائیاں تھیں اور گھر کی ضروریات کا دوسرا سامان بھی موجود تھا۔ دیوار کے ساتھ دو کھونٹیوں پر میلے سے کپڑے بھی ٹنگے ہوئے تھے۔

"میرا خیال ہے تم لوگ ادھر آ جاؤ' اس کمرے میں۔" کھیا نے تیسرے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ اس کمرے میں بھی دری بچھی ہوئی تھی اور دو چارپائیوں کے علاوہ تین چار کرسیاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ یہ کمرہ دوسرے کمروں سے بڑا تھا۔

"تم لوگ بیٹھو میں ابھی آتا ہوں۔" کھیا کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

رتنا اور ششا دری چارپائیوں پر ڈھیر ہو گئیں اور میں ایک کرسی پر بیٹھ کر کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ ایک دیوار پر ہندی کا ایک کیلنڈر آویزاں تھا جس پر کالی دیوی کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ دوسری دیوار پر کالی کا ایک بہت بڑا پوسٹر چسپاں تھا۔ آتشدان کے کارنس کے اوپر بھی کالی کی ایک مورتی رکھی ہوئی تھی۔ راجستھان میں کالی کے ماننے والے زیادہ تھے۔ ہر جگہ اس کی تصویریں اور مورتیاں نظر آ رہی تھیں۔

تقریباً بیس منٹ بعد کھیا شیشے کے گلاسوں میں چائے لیکر آ گیا۔ رتنا اور ششا دری اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ کھیا بھی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

ہم ابھی چائے پی رہے تھے کہ کھیا کا بھائی پربت سنگھ بھی آ گیا۔ وہ کھیا سے عمر میں تقریباً پانچ سال چھوٹا تھا۔ چالیس کے لگ بھگ ہوگا۔ تانبے جیسی رنگت' دراز قامت' گٹھا ہوا جسم' گنجا سر اور بڑی بڑی مونچھیں' دانت بالکل ہموار اور موتیوں کی طرح چمکتے ہوئے اس کی آنکھوں میں بھی بڑی عجیب سی چمک تھی۔ اس نے دھوتی پر شلوکا پہن رکھا تھا جس کے بٹن کھلے ہوئے تھے اور بالوں بھرا سینہ نظر آ رہا تھا۔ وہ بڑی گہری نظروں سے باری باری رتنا اور ششا دری کو دیکھ رہا تھا۔

کھیا نے اسے ہمارے بارے میں یہی بتایا کہ ہمارا تعلق پولیس سے ہے اور ہم بھیس بدل کر خطرناک قسم کے لوگوں کا پیچھا کر رہے ہیں اور ہم دو تین دن یہاں رہیں گے۔

"جب تک من چاہے یہاں رہو سرکار' ہمیں تمہاری سیوا کر کے بوت کھسی ہوئے گی۔" پربت سنگھ نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"لیکن ایک بات کا خیال رکھنا پربت سنگھ۔" میں نے کہا۔ "کسی کو پتہ نہ چلے کہ ہمارا تعلق پولیس سے ہے اور ہمارے بارے زیادہ چرچے کی بھی ضرورت نہیں۔"

"چنتا مت کرو مہاراج...!" پربت سنگھ نے کہا۔ "یہاں میرے مہمان آتے رہتے ہیں کسی کو شک نہیں ہوئے گا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر اٹھتے ہوئے بولا۔ "اس وقت گراہکی کا ٹیم ہے۔ مہاراج' میں دکان پر لڑکے کو چھوڑ کر آیا ہوں بعد میں باتاں کریں گے۔"

پربت سنگھ کے جانے کے تھوڑی دیر بعد کھیا بھی جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ میں نے حسب وعدہ دو ہزار روپے کے نوٹ اس کے ہاتھ میں تھما دیئے۔ کھیا خوش ہو گیا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ اپنے گاؤں میں بھی کسی سے ہمارا ذکر نہیں کرے گا۔

تقریباً دس بجے کے قریب پربت سنگھ نے ایک لڑکے کے ہاتھ ہمارے لئے کھانا بھیج دیا۔ تندوری نان اور روسٹ مرغی تھی۔ اس کے ساتھ مسور کی پتلی سی دال بھی تھی۔ یہ کھانا اس نے یقیناً کسی ہوٹل سے منگوایا تھا۔ دال مرغی سے زیادہ مزیدار تھی۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

ساڑھے گیارہ بجے کے قریب پربت سنگھ بھی دکان بند کرکے آ گیا۔ وہ تقریباً ایک گھنٹے تک ہمارے پاس بیٹھا باتیں کرتا رہا۔ اس نے بتایا کہ پچھلے دو دن سے یہاں بڑی چیکنگ ہو رہی تھی۔ کچھ آتنک وادی سارسکا سے فرار ہو کر جنگل کی طرف نکل گئے ہیں۔ کوٹ پتلی پولیس کو بھی ان کے بارے میں اطلاع دیدی گئی تھی۔ خیال ہے کہ وہ لوگ جنگل سے نکل کر اس طرف آئیں گے۔ اس لئے یہاں کی پولیس اور عوام کو چوکس کر دیا گیا ہے۔ پولیس بھی کل سے مشتبہ لوگوں کو چیک کرتی پھر رہی ہے۔

''ہم بھی انہی آتنک وادیوں کا پیچھا کرتے ہوئے آئے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''جنگل میں ان سے ہماری مڈبھیڑ بھی ہوئی تھی مگر وہ لوگ ایک بار پھر گھنے جنگل میں روپوش ہو گئے۔'' میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ ''اس لئے ہم نے یہ بھیس بدلا ہے کہ اگر آمنا سامنا ہو جائے تو وہ ہمیں پہچان نہ سکیں۔''

ساڑھے بارہ بجے کے قریب پربت سنگھ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ہمارے کمرے میں دو چارپائیاں اور تین چار کرسیاں تھیں۔ فرش پر دری بچھی ہوئی تھی۔ میرا خیال تھا کہ میں دری پر سو جاؤں گا لیکن رتنا نے اپنی چارپائی میرے لئے خالی کر دی۔ وہ ششادری کے ساتھ اس کی چارپائی پر لیٹ گئی۔

لیٹنے کے بعد بھی ہم دیر تک باتیں کرتے رہے۔ ششادری کے خیال میں پربت سنگھ اچھا آدمی نہیں تھا۔ مجھے بھی وہ اچھا نہیں لگا۔ میرے ساتھ باتیں کرتے ہوئے بھی وہ ان دونوں ہی کو گھور رہا تھا۔

''ہمیں ایک دن یہاں رہنا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''کل دن میں ہم حالات کا جائزہ لیں گے اور پھر یا تو یہاں سے نکل جائیں گے یا کوئی اور بندوبست کر لیں گے۔''

پربت سنگھ کی طرف سے تو میں بھی مطمئن نہیں تھا۔ کھیا تو بہت سیدھا سادا آدمی تھا جس نے ہماری کہانی پر یقین کر لیا تھا لیکن پربت سنگھ ایسا نہیں تھا۔ وہ دکاندار آدمی تھا۔ اس کے ڈھابے پر طرح طرح کے لوگ آتے تھے۔ اسے ہر طرح کی معلومات رہتی تھیں وہ یہ بھی جانتا تھا کہ پولیس کو ایسے دہشت گردوں کی تلاش ہے جو سارسکا سے جنگل کی طرف فرار ہوئے ہیں اور امکان ہے کہ وہ کوٹ پتلی کی طرف ہی آئیں گے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ان دہشت گردوں میں کون کون لوگ شامل ہیں۔ ایک مرد اور دو حسین عورتیں۔

ہم جب کھیا کے سامنے آئے تو ہم تینوں کے جسموں پر پولیس کی وردیاں تھیں اور ہمارے پاس پولیس کی جیپ بھی تھی۔ کھیا نے یقین کر لیا تھا کہ ہم پولیس والے ہی تھے اور ہم نے جو منصوبہ بنایا تھا وہ اس میں بھی ہمارا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گیا تھا اور اس نے ہماری مدد کی تھی مگر پربت سنگھ مختلف آدمی تھا۔ اس نے شاید ہماری بات کا وشواش نہیں کیا تھا۔

یہی سب کچھ سوچتے ہوئے میں سو گیا۔

صبح رتنا اور ششادری تو جلدی جاگ گئیں مگر میں دیر تک سویا رہا۔ پربت سنگھ اپنی دکان پر تھا۔ وہ صبح چھ بجے ہی دکان کھول لیتا تھا۔

پربت سنگھ نے صبح ہی ناشتہ بھجوا دیا تھا لیکن رتنا اور ششادری نے بھی ابھی تک میرے انتظار میں ناشتہ نہیں کیا تھا۔ رتنا نے کچن میں چولہا جلا کر ناشتہ گرم کیا۔ ناشتے کے بعد ششادری نے دکان کا صحن والا دروازہ کھٹکھٹایا۔ لڑکا اندر آیا تو ششادری نے اسے چائے کیلئے کہہ دیا۔

چائے پی کر فارغ ہوئے تو ساڑھے دس بج چکے تھے۔ میں نے باہر جانے کا پروگرام بنایا تو رتنا بھی تیار ہو گئی۔ یوں تو ششادری بھی ہمارے ساتھ جانے کو تیار تھی مگر میں نے منع کر دیا۔ کوٹ پتلی میں بھی محکمہ سیاحت کا دفتر تھا اور وہ کم از کم دو مرتبہ یہاں آ چکی تھی۔ اس کے پہچان لئے جانے کا اندیشہ تھا اس لئے میں نے اسے ساتھ لے جانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

''تمہیں یہاں اکیلے ڈر تو نہیں لگے گا؟'' میں نے پوچھا۔

''ڈر کیسا؟'' ششادری مسکرائی۔ ''میرے پاس ریوالور موجود ہے۔ اگر پربت سنگھ نے کوئی حرکت کرنے کی کوشش کی تو اس کی کھوپڑی اڑا دوں گی۔''

''گڈ...'' میں نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

ہم مکان سے باہر آ گئے اور ششادری نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ ہم نے پربت سنگھ کو بتانا ضروری نہیں سمجھا تھا کہ کہیں جا رہے ہیں۔

کچی آبادی کی گلیوں میں لوگوں کی آمد و رفت تھی۔ بعض مکانوں کے دروازوں پر عورتیں بیٹھی آپس میں گپ شپ کر رہی تھیں کئی لوگوں نے ہماری طرف دیکھا تھا۔ رتنا کو دیکھ کر بعض عورتوں کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی تھی۔

گھٹنوں سے اوپر لہنگا اور کسی ہوئی چولی میں رتنا کہیں زیادہ حسین لگ رہی تھی اور اسے دیکھنے والی عورتوں کی آنکھوں میں حسد کی لہریں بھی نمایاں طور پر دیکھی جا سکتی تھیں۔

ہم کچی بستی سے نکل کر میدان میں ہوتے ہوئے سڑک پر آ گئے۔ سڑک پر بڑی رونق تھی۔ کاروباری علاقہ تھا۔ دائیں بائیں کئی ذیلی سڑکیں تھیں جہاں لمبے چوڑے بازار تھے۔ ایک بازار تو صرف مرچوں کے کاروبار کیلئے مخصوص تھا۔ ہر دکان کے سامنے سڑک کے کنارے تک مرچوں کی بوریوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔

ہم مختلف سڑکوں پر چلتے ہوئے شہر کے دوسرے علاقے میں نکل آئے۔ گھومتے پھرتے ہوئے ہم نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ پولیس یہاں خاصی سرگرم تھی۔ بعض مشتبہ لوگوں کو روک کر پوچھ گچھ بھی کی جا رہی تھی۔

مختلف بازاروں میں گھومتے ہوئے ہم نے کچھ شاپنگ بھی کی تھی۔ ہماری شاپنگ میں کپڑوں کی خریداری نمایاں تھی۔ میں نے مختلف دکانوں سے اپنے اور رتنا وغیرہ کیلئے دو دو جوڑے کپڑے خریدے تھے۔ رتنا نے جو لباس پہن رکھا تھا اس میں وہ بڑی خوفناک لگ رہی تھی یوں تو میں نے بہت سی عورتوں کو اس قسم کے بلکہ اس سے بھی بدتر لباس میں دیکھا تھا مگر رتنا کی بات ہی کچھ اور تھی۔ تنگ اور کسی ہوئی چولی میں اس کا سینہ قیامت ڈھا رہا تھا اور لوگ مڑ مڑ کر اس کی طرف دیکھ رہے تھے میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ اس طرح لوگوں کی توجہ کا مرکز بنی رہے۔ اس لئے میں نے اس کیلئے ڈھنگ کے کپڑے خرید لئے تھے۔

ڈیڑھ بجے کے قریب ہم ایک ریسٹورنٹ میں داخل ہو گئے۔ یہ ایک معیاری قسم کا ریسٹورنٹ تھا۔ میزیں ایک دوسرے سے فاصلے پر تھیں اور یہاں سکون بھی تھا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

ہم نے اطمینان سے یہاں بیٹھ کر کھانا کھایا اور چائے پی رہے تھے کہ ایک آدمی کو بغلی دروازے سے داخل ہوتے ہوئے دیکھ کر میں چونک گیا اس کی چھوٹی گول داڑھی اور بڑی بڑی مونچھیں اس کی دائیں آنکھ سے ذرا ہٹ کر کنپٹی کی طرف مڑ کے دانے کے برابر سیاہ رنگ کا ایک مسہ تھا۔

وہ شخص ہم سے کچھ آگے جا کر ایک میز پر بیٹھ گیا جہاں پہلے سے دو عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ آپس میں اس طرح باتیں کرنے لگے جیسے پہلے سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں۔

اس شخص نے ہلکے نیلے رنگ کی اسٹون واشڈ جینز اور کاروالی سفید ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ میں چشم تصور سے اس کے چہرے سے داڑھی اور مونچھیں ہٹا کر اسے دیکھنے لگا اور اس کے ساتھ ہی میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔

وہ ستیش مہتہ تھا' مکرانا کا اسسٹنٹ کمشنر آف پولیس میں نے اسے پہچاننے میں کوئی غلطی نہیں کی۔ میں اسے کیسے بھول سکتا تھا۔ مجھے مکرانا کے وہ دن یاد تھے جب پولیس اور بلیک کیٹ کمانڈوز نے ہماری تلاش میں شہر بھر میں طوفان مچا رکھا تھا۔ شوبھا نے ہمارے ساتھ دھوکہ کیا تھا اور کنیا کماری ہمیں روشن لال بنگلے پر لے گئی تھی جس کے بارے میں انکشاف ہوا تھا کہ وہ عریاں فلمیں بنا کر پورے ہندوستان میں سپلائی کرتا ہے اور اے سی پی ستیش مہتہ بھی اس کا بزنس پارٹنر ہے۔

قارئین کو یاد ہوگا کہ ہم کس طرح روشن لال کے پہاڑی والے بنگلے سے فرار ہوئے تھے۔ ہمارے اس فرار کے بعد اے سی پی ستیش مہتہ کا راز بھی فاش ہوگیا تھا اور بیلا کو پتہ چل گیا تھا کہ ستیش مہتہ ہی نے ہمیں مکرانا سے نکالا تھا اس کی گرفتاری کیلئے بھی چھاپے مارے جا رہے تھے مگر وہ بھی روپوش ہو کر مکرانا سے فرار ہوگیا تھا اور اب اس بدلے ہوئے حلئے کے ساتھ یہاں میرے سامنے موجود تھا۔ داڑھی اور مونچھوں کے باوجود میں نے آنکھ کے قریب اس مسے کی وجہ سے اسے پہچان لیا تھا۔

کوٹ پتلی مکرانا سے زیادہ دور بھی نہیں تھا۔ چند گھنٹوں کا راستہ تھا اور مجھے حیرت تھی کہ ستیش مہتہ نے زیادہ دور جانے کے بجائے یہاں کیوں پناہ لے رکھی تھی۔ شاید اسے اپنے بدلے ہوئے حلئے پر اعتماد تھا لیکن میں نے فوراً ہی اسے پہچان لیا تھا۔

''رتنا...!'' میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔ ''اس آدمی کو دیکھ رہی ہو۔ وہ جو چوتھی میز پر دو عورتوں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے' داڑھی اور بڑی بڑی مونچھوں والا۔''

''ہاں۔ کیا ہوا ہے' کون ہے وہ؟'' رتنا نے پوچھا۔

''اگر تم اس کے چہرے سے داڑھی اور مونچھیں ہٹا کر دیکھو تو اسے پہچان لوگی اس کی بائیں آنکھ کے قریب سیاہ مسے پر غور کرو تو شاید۔''

''نہیں...!'' رتنا نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ''میرے ذہن میں نہیں آ رہا۔''

''وہ ستیش مہتہ ہے۔'' میں نے کہا۔ ''مکرانا کا اے سی پی ستیش مہتہ۔''

''اوہ...'' رتنا چونک گئی۔ ''اب مجھے یاد آ رہا ہے۔ اس نے اگر ہمیں دیکھ لیا تو۔''

''کچھ نہیں ہوگا۔'' میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''وہ خود بھی مفرور ہے اور ہماری مدد کرنے

کے جرم میں پولیس کو مطلوب ہے۔ وہ ہمارے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔''

''احمقانہ باتیں مت کرو۔'' رتنا نے کہا۔

''وہ ایک پولیس آفیسر تھا جس نے لالچ میں آ کر ہمیں پناہ دینے اور فرار ہونے میں ہماری مدد کی غلطی کر ڈالی اس جرم میں وہ اگرچہ پولیس کو مطلوب ہے مگر ہمیں پولیس کے حوالے کر کے اپنی غلطی کی تلافی کر سکتا ہے۔ اس طرح اس کا جرم معاف نہ ہو تو بھی اس کی سزا میں کمی ہو سکتی ہے اور عین ممکن ہے اس کے اس جرم کو ایک غلطی قرار دے کر اسے نہ صرف معاف کر دیا جائے بلکہ انعام سے بھی نوازا جائے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ ہم کسی خوش فہمی کا شکار ہونے کے بجائے اپنا بندوبست کر لیں۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو۔'' میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ ہندوستان کی پولیس اور انٹیلی جنس را کو تو ہم ہی سب سے زیادہ مطلوب تھے۔ ہم نے انہیں جو نقصان پہنچایا تھا اس کا ازالہ ممکن نہیں تھا لیکن اگر کوئی مجرم بھی ہمیں پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیتا ہے تو اس کے سارے گناہ معاف کئے جا سکتے تھے۔

ویٹر ہماری میز کی طرف آیا تو میں نے اس بل ادا کر دیا۔ ستیش مہتہ نے ابھی تک ہمیں نہیں دیکھا تھا۔ ہمارے اگرچہ لباس بدلے ہوئے تھے مگر چہرے تو وہی تھے وہ ہمیں دیکھتے ہی پہچان لیتا۔ اگر ہم ریسٹورنٹ کے مرکزی دروازے سے باہر نکلتے تو اس کے سامنے سے گزرنا پڑتا۔ اس طرح وہ یقیناً ہمیں دیکھ لیتا اس لئے ہم اپنی جگہ سے اٹھ کر اس بغلی دروازے کی طرف بڑھ گئے جس سے ستیش مہتہ اندر داخل ہوا تھا اس طرف ستیش مہتہ کی پشت تھی۔ اس لئے وہ ہمیں نہیں دیکھ سکا۔

ریسٹورنٹ کا وہ بغلی دروازہ ایک تنگ سے بازار میں تھا۔ چھوٹی چھوٹی دکانیں تھیں اور بے پناہ ہجوم تھا۔ راستہ چلنا دشوار ہو رہا تھا اس ہجوم میں کسی منچلے نے رتنا کے بازو پر چٹکی کاٹ لی۔ رتنا سسک اٹھی۔ اس کے ساتھ ہی وہ تیزی سے پلٹ گئی۔

وہ آدمی لوگوں کو دھکے دیتا ہوا نکلنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن رتنا نے چیل کی طرح پلٹ کر اسے جھپٹ لیا اور اس پر تھپڑوں اور گھونسوں کی بارش کر دی۔ میں دو قدم آگے نکل چکا تھا۔ شور سن کر پیچھے مڑا تو یہ تماشا دیکھ کر اس کی طرف لپکا۔

''حرامی... کتے کے پلے...!'' رتنا اس شخص کے بال جھنجوڑتے ہوئے چیخ رہی تھی۔ ''کیا سمجھ کر تم نے چٹکی کاٹی گھر میں ماں بہن نہیں ہے کیا۔'' اور پھر عورتوں والی روایتی گالیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

میں نے بڑی مشکل سے رتنا کو کھینچ کر الگ کیا ہم کسی جھگڑے کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے اور پھر وہی ہوا جو اس موقع پر ہوا کرتا ہے دو چار راہ گیروں نے اس شخص کو پکڑ لیا اور اس کی دھنائی شروع کر دی۔ میں رتنا کو کھینچتا ہوا وہاں سے دور لے گیا۔

رتنا دوسرے ہاتھ سے اپنا بازو سہلا رہی تھی۔ کندھے سے ذرا نیچے بازو پر نیل پڑ گیا تھا۔ اپنا بازو سہلاتے ہوئے مسلسل اس شخص کو گالیاں بک رہی تھی۔

''بس اب خاموش ہو جاؤ لوگ ہماری طرف دیکھ رہے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''اگر تم مجھے وہاں سے نہ کھینچ لیتے تو میں اس کا خون پی جاتی۔'' رتنا بولی۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

میں بڑی مشکل سے رتنا کو خاموش کرا سکا تھا اور پھر ہم تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے ایک دوسرے علاقے میں پہنچ گئے۔

اس دوران میں اپنی آنکھیں پوری طرح کھلی رکھے ہوئے تھا۔ ہم لاری اڈے کی طرف ہی گئے۔ وہاں بھی نگرانی ہو رہی تھی اور مشتبہ لوگوں سے پوچھ گچھ کی جا رہی تھی۔

ہم ایک بارونق چوراہے کے ایک طرف فٹ پاتھ کی ریلنگ کے ساتھ کھڑے تھے۔ اس وقت ایک طرف کار کا ٹریفک سگنل بند تھا۔ دو تین کاریں کھڑی تھیں۔ سفید رنگ کی ایک اور کار ان کے پیچھے آ کر رک گئی۔ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے میری نظر اس سفید کار پر پڑ گئی۔

''ارے...'' میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''کیا ہوا...؟'' رتنا نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

''وہ... وہ... دیکھو سفید کار میں وہ سمترا ہے نا؟'' میں نے کار کی طرف اشارہ کیا۔

''ہاں ہاں... وہی ہے۔'' رتنا گویا چیخ اٹھی۔

اس وقت سگنل تبدیل ہو گیا۔ میں نے سمترا کو آواز دی لیکن ٹریفک حرکت میں آ چکا تھا گاڑیوں کے شور میں میری آواز دب کر رہ گئی۔ میں ریلنگ کے پائپ کے نیچے سے نکل کر سمترا کو پکارتا ہوا اس کی طرف لپکا لیکن اس وقت ایک اور کار میرے راستے پر آ گئی۔ ڈرائیور نے چیخ کر شاید مجھے کوئی گالی بھی دی تھی۔ وہ کار آگے بڑھی تو سمترا والی کار سگنل پار کر کے چوراہے کے دوسری طرف پہنچ چکی تھی۔ میں مختلف گاڑیوں سے بچتا ہوا واپس آ گیا۔

''کم بخت وہ کار والا بیچ میں نہ آتا تو میں سمترا تک پہنچ ہی جاتا۔'' میں نے کہا۔ ''کار کا نمبر بھی نہیں دیکھ سکا۔''

''مجھے تو اس بات کی خوشی ہے کہ وہ زندہ ہے لیکن حیرت اس بات پر ہے کہ وہ یہاں کیا کر رہی ہے۔'' رتنا نے کہا۔

''اس کے پاس کار کی موجودگی یہ بات ثابت کرتی ہے کہ اس نے یہاں باقاعدہ رہائش اختیار کر رکھی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''بہرحال ہم اسے تلاش کر لیں گے۔ کوٹ پتلی اتنا بڑا شہر تو نہیں ہے۔ دو چار روز میں اسے آسانی سے تلاش کیا جا سکتا ہے۔''

''اور اس کیلئے ہمیں چوبیس گھنٹے سڑکوں پر گھومنا پڑے گا۔'' رتنا نے کہا۔ بہرحال اب گھر چلنے کا ارادہ ہے یا نہیں' میں بری طرح تھک گئی ہوں اس وقت چار بج رہے تھے۔ ششادری بھی پریشان ہو رہی ہوگی۔''

''اوہ... وقت گزرنے کا مجھے احساس ہی نہیں رہا تھا۔ آؤ اس سامنے والے ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر ایک کپ چائے پیتے ہیں اور پھر چلتے ہیں۔'' میں نے ایک طرف اشارہ کیا۔

ہم سڑک پار کر کے اس ریسٹورنٹ میں داخل ہو گئے۔ ہم زیادہ دیر وہاں نہیں بیٹھے چائے پیتے ہی روانہ ہو گئے۔

مجھے اس علاقے کا نام بھی معلوم نہیں تھا جہاں کچی بستی میں پربت سنگھ کا ڈھابا تھا البتہ راستوں کی سمجھ تھی ہم ایک آٹو پر بیٹھ گئے اور میں ڈرائیور کو راستہ بتاتا رہا۔

''آٹو کو ہم نے اس کچی بستی سے دور ہی چھوڑ دیا اور باقی راستہ پیدل طے کرتے ہوئے کچی میں داخل ہو گئے۔ جب گھر کے دروازے پر پہنچے تو ساڑھے پانچ بج رہے تھے۔''

ششادری واقعی پریشان تھی۔ وہ ہمیں دیکھتے ہی برس پڑی۔

''تم لوگ شاید بھول گئے تھے کہ میں بھی یہاں موجود ہوں۔'' وہ باری باری ہم دونوں کو گھورتے ہوئے بولی۔

''ہم تمہیں بھولے نہیں تھے۔'' میں نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''ہم شہر کی صورتحال کا جائزہ لیتے ہوئے شہر میں گھوم رہے تھے اور وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں رہا تھا۔ اس دوران ایسے پہرے بھی نظر آ گئے جن کی وجہ سے ہم الجھ کر رہ گئے تھے۔'' میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر اسے اے پی ششیش مہتہ اور سمترا کے بارے میں بتانے لگا۔ سمترا کو تو وہ بالکل نہیں جانتی تھی البتہ ششیش مہتہ کا نام اس نے ضرور سن رکھا تھا۔

''شہر کی صورتحال کیا ہے؟'' ششادری نے پوچھا۔

''تشویشناک!'' میں نے جواب دیا۔ ''پولیس کو یقین ہے کہ ہم جنگل سے نکل کر اس طرف آئے ہوں گے یا آئیں گے۔ اس لئے ہماری تلاش جاری ہے۔ لاری اڈے پر تو باقاعدہ نگرانی ہو رہی ہے۔ شہر سے باہر جانے والے لوگوں کو چیک کیا جا رہا ہے اور ہوٹلوں میں بھی چیکنگ ہو رہی ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں دو چار دن انتظار کرنا پڑے گا۔''

''میرے خیال میں ہمیں اس سے پہلے ہی کوئی بندوبست کرنا پڑے گا۔'' ششادری نے کہا۔ ''یہ پربت سنگھ بھروسے کا آدمی نہیں ہے۔''

''کوئی خاص بات!'' میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''وہ چار پانچ چکر گھر کے اندر کے لگا چکا ہے۔'' ششادری نے بتایا۔

''ہر مرتبہ میری طرف اس طرح دیکھتا رہا جیسے نظروں ہی نظروں میں کھا جانے کا ارادہ ہو۔''

''تم دونوں کم بخت چیزیں ہی ایسی ہو کہ... اب میں آگے کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ بھرے بازار میں ایک آدمی نے رتنا کو کھانے کی کوشش کی تھی اس کا بازو دیکھو۔ ابھی تک نیل پڑا ہوا ہے۔'' میں نے کہا۔

اور پھر رتنا نے اسے پوری کہانی سنائی۔ ششادری کچھ کہنا چاہتی تھی کہ پربت سنگھ بھی آ گیا۔

''کہو صاحب' کچھ پتہ چلا ان کا؟'' اس نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے وہ لوگ ابھی تک اس جنگل سے باہر نہیں آئے۔'' میں نے کہا۔ ''ہم پولیس ہیڈ کوارٹر گئے تھے۔ انہیں شہر میں تلاش بھی کیا جا رہا ہے اور جنگل سے آنے والے راستوں پر پہرہ بھی بٹھا دیا گیا ہے۔''

''میرا تو خیال ہے کہ وہ جنگل سے زندہ بچ کر نہیں نکل سکیں گے۔'' پربت سنگھ نے کہا۔ ''اس

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

جنگل میں خونخوار درندے اتنی بڑی تعداد میں موجود ہیں کہ کسی انسان کا بچ نکلنا مشکل ہے' شیر وغیرہ تو بستیوں سے بھی اکا دکا لوگوں کو اٹھا کر لے جاتے ہیں۔"

"ہم بھی تو اس جنگل ہی سے ہو کر آئے ہیں۔" میں نے کہا۔

"تم قسمت کے دھنی ہو صاحب جی۔" پربت سنگھ نے کہا۔ "ششادری دیوی نے تو چائے پی آپ دونوں کیلئے چائے بھجوا دوں۔"

"نہیں' ہم بھی چائے پی کر آئے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

پربت سنگھ کے جانے کے بعد میں نے تھیلے میں سے کپڑے نکال کر اپنا جوڑا الگ کر لیا۔ جوڑا جینز اور ٹی شرٹ پر مشتمل تھا۔

"تم دونوں کا یہ لباس ہی فساد کی جڑ ہے جو تم لوگوں نے پہن رکھا ہے۔" میں نے کہا۔ "میں دوسرے کمرے میں جا رہا ہوں' تم لوگ بھی اس وقت کپڑے بدل لو۔"

میں اپنے کپڑے اٹھا کر دوسرے کمرے میں آ گیا۔ رتنا نے اپنے کمرے کا دروازہ بند کر لیا تھا۔ کپڑے بدلنے کے بعد میں اسی کمرے میں آ کر ایک چارپائی پر لیٹ گیا۔ رتنا اور ششادری دوسری چارپائی پر لیٹ گئی تھیں۔ اس وقت انہوں نے جو کپڑے پہنے تھے وہ بھی اگرچہ راجستھانی تھے مگر اس سے پورا جسم چھپ گیا تھا۔

رات دس بجے ہم نے کھانا بھی کھا لیا۔ میرا خیال تھا ہم جلدی سو جائیں گے مگر گیارہ بجے کے قریب پربت سنگھ اپنی دکان بند کر کے اندر آیا تو اس کے ساتھ ایک اور پٹا کٹا آدمی بھی تھا۔ دونوں ہمارے ہی کمرے میں بیٹھنے کے موڈ میں تھے مگر میں انہیں بہانے سے اس کمرے میں لے آیا جہاں وردی بچھی ہوئی تھی اور گاؤ تکیے لگے ہوئے تھے۔

پربت سنگھ نے الماری میں سے شراب کی بوتل نکال کر دری پر رکھ دی اور باہر سے پانی کا جگ اور گلاس لے آیا اور پینے پلانے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ وہ مجھے بھی اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتے تھے مگر میں نے ٹال دیا۔

مجھے ان دونوں کی نیت میں فتور نظر آ رہا تھا اور مجھے یہ اندازہ لگانے میں بھی دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ پربت سنگھ جان بوجھ کر کسی خاص مقصد کے تحت اپنے دوست کو لے کر آیا تھا۔

وہ دیسی شراب تھی جو جلد اپنا اثر دکھانے لگی اور وہ دونوں بہکنے لگے۔

"پربو' تم بڑے بدذوق ہو گئے ہو۔" پربت سنگھ کا دوست کہہ رہا تھا۔ "لونڈیا کے بغیر بھی کبھی شراب کا مزہ آیا ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو دوست۔" پربت سنگھ نے کہا۔ "میں نے کلوتی کو پیسہ تو بھیجا تھا مگر وہ سالی پہلے ہی بک ہو چکی تھی۔"

"تمہارے گھر میں دو دو لونڈیاں بیٹھی ہیں' کلوتی یا کسی کی کیا ضرورت ہے۔" دوست نے کہا۔ "پکڑ کر لاؤ ان سالیوں کو۔"

"نہیں جسپر۔" پربت سنگھ نے کہا۔ "ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی مت دیکھنا' وہ مہمان ہیں۔"

"ابے سالا حرامی۔" جسپر بولا۔ "مہمان ہوں گی تیری' بلکہ تو انہیں بہن بھی بنا لے تو کوئی حرج ہیں' اپن کی تو مہمان نہیں ہیں نا۔"

میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اور کنپٹیاں سلگنے لگیں۔ پربت سنگھ ابھی پوری طرح نہیں بہکا تھا۔ معاملے کو قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہا تھا مگر جسپر بے قابو ہوتا جا رہا تھا۔

"میں لے کر آتا ہوں سالیوں کو... سالا تو بھی حرامی ہے' اکیلے اکیلے انہیں ہضم کرنا چاہتا ہے' حرامی..."

جسپر اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھنے لگا تو میں نے اسے بازو سے پکڑ لیا اس نے مجھے دھکا دے کر گرا دیا اور کمرے سے نکل گیا۔

میں جب اس کمرے سے نکلا تو جسپر رتنا والے کمرے کے دروازے پر پہنچ چکا تھا۔ اس وقت رتنا کے دو بج رہے تھے۔ رتنا اور ششادری ایک دوسرے سے لپٹی ایک ہی چارپائی پر سو رہی تھیں۔ جسپر نے اندر داخل ہو کر ششادری کا بازو پکڑ لیا اور اسے کھینچنے لگا۔

ششادری ایک دم جاگ گئی۔ اس کے منہ سے ہلکی سے چیخ نکل گئی۔ رتنا بھی ایک جھٹکے سے اٹھ گئی۔ میں نے بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر جسپر کو بالوں سے پکڑ کر پیچھے کھینچا اور اسے دھکے دیتا ہوا کمرے سے باہر لے آیا۔

وہ مجھ سے زیادہ قد آور اور مجھ سے زیادہ طاقتور تھا ویسے بھی شراب کے نشے میں تھا اس نے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے میرے سینے پر گھونسہ مار دیا۔ مجھے یوں لگا جیسے سینے پر منوں وزنی ہتھوڑے سے ضرب لگائی گئی ہو۔ میری سانس رکنے لگی اور سینے میں دل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

ششادری اور رتنا چارپائی سے اٹھ گئی تھیں۔ ششادری نے ریوالور نکال لیا۔ میرا دماغ گھوم گیا اگر ششادری نے فائر کر دیا تو ہم ایک نئی مصیبت میں پھنس جائیں گے۔

"گولی مت چلانا ششادری۔" میرے حلق سے آواز بمشکل نکل سکی تھی۔ میں ایک ہاتھ سے اپنا سینہ مسل رہا تھا۔

میری بات شاید ششادری کی سمجھ میں آ گئی۔ رتنا بھی اس کے ساتھ کھڑی تھی۔ جسپر نے جیسے ہی اندر داخل ہونے کی کوشش کی ان دونوں نے زور سے دروازہ بند کر دیا۔ دروازے کا پٹ جسپر کی پیشانی پر لگا وہ کراہتا ہوا پیچھے کی طرف لڑکھڑا گیا۔ اس دوران میں نے اس پر چھلانگ لگا دی اور اسے دھکیلتا ہوا ایک طرف لے گیا۔

جسپر ارنا بھینسے کی طرح ڈکرا رہا تھا اس نے ایک بار پھر مجھے اٹھا کر پٹخ دیا اور دوبارہ اس کمرے کی طرف لپکا اس مرتبہ میں نے اس کی ایک ٹانگ کو پکڑ کر زور دار جھٹکا دیا۔ وہ منہ کے بل گرا اس کی پیشانی زمین سے ٹکرا گئی اور وہ کراہ اٹھا۔ میں نے اس سے قبل کہ وہ سنبھلنے کی کوشش کرتا میں نے ایک بار پھر مجھے پٹخ دیا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

رتنا اور ششادری کمرے سے نکل آئی تھیں۔ ششادری نے ریوالور نال کی طرف سے اور اس کے دستے سے جسپر کے سر پر ضرب لگانے کی کوشش کی مگر وار سر کے بجائے اس کے کندھے پر

اس دوران پربت سنگھ بھی اپنے کمرے سے نکل آیا۔ وہ ابھی پوری طرح نشے میں نہیں تھا کے حواس ابھی کسی قدر قابو میں تھے۔ اسی وقت جسپر نے رتنا کو پکڑ کر اپنے اوپر گرالیا تھا۔ رتنا اس کے نوچتے ہوئے بری طرح چیخنے لگی۔ پربت سنگھ تیزی سے آگے بڑھ آیا' یہاں کی صورتحال دیکھ کر اس کا ہرن ہونے لگا تھا۔

''مار سالے کو حرامی...'' اس نے جسپر کو زوردار ٹھوکر رسید کی۔

اور پھر ہم دونوں اس سے لپٹ گئے اور گھسیٹتے ہوئے کمرے میں لے گئے۔ مجھے ڈر تھا کہ شور آواز سن کر پڑوسی نہ جمع ہو جائیں۔

''تم دونوں اندر جا کر دروازہ بند کرلو۔'' میں نے رتنا اور ششادری کی طرف دیکھتے ہوئے اور انہوں نے دوسرے کمرے میں گھس کر دروازہ بند کرلیا۔

جسپر' پربت سنگھ کے قابو میں آ نہیں آ رہا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کی کنپٹی پر دو تین تلے گھونسے رسید کر دیئے۔ آخری گھونسا کارگر ثابت ہوا اور جسپر کراہتا ہوا ڈھیر ہو گیا۔ پربت سنگھ نے اس کی پسلیوں پر زوردار ٹھوکر رسید کر دی تھی۔

''سالا حرامی' رنڈی کا بچہ ...'' وہ غرایا۔ ''اپن کے مال پر نظر رکھتا ہے' کاٹ دوں گا سالا کو...''

میں ایک بار پھر چونک گیا۔ شاید اب مجھے پربت سنگھ سے بھی نمٹنا پڑے۔ پربت سنگھ کو بھی احساس ہو گیا تھا کہ وہ کیا کہہ گیا ہے۔

''تم لوگ اپن کا مہمان ہو صاحب جی۔'' وہ اپنی بات کا اثر زائل کرنے کیلئے بولا۔ ''مہمان بھگوان کی دیا ہوتی ہے اگر یہ ان دونوں میں سے کسی دیوی کے ساتھ کچھ کر دیتا تو اپن اس کا کچومر بنا دیتا زندہ نہ چھوڑتا اس کو۔''

''شکر ہے اسے بھگوان یاد آ گیا تھا۔ میں جھک کر جسپر کو دیکھنے لگا۔ زمین پر ٹکرانے سے اس کی پیشانی پھٹ گئی تھی جس سے خون بہہ رہا تھا لیکن میرے خیال میں تشویش کی کوئی بات نہیں تھی صرف کھال ہی پھٹی تھی۔''

''ہم کا شما کر دو صاحب جی۔'' پربت سنگھ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''اپن کو معلوم نہیں تھا یہ ایسا حرامی پن کرے گا۔''

''شور سے لوگ جمع ہو جائیں گے اس طرح تو تمہاری بھی بدنامی ہوگی۔'' میں نے کہا۔

''یہاں تو رواج ایسا ہوت ہے صاحب جی۔'' وہ بولا۔ ''لوگ ہم کا عادی ہو گئے ہیں۔ ادھر کا نہیں آوے گا۔ تم جا کے سو جاؤ' ہم اس کا بندوبست کرلوں گا۔''

میں اپنے کمرے میں آ گیا۔ رتنا اور ششادری بیٹھی ہوئی تھیں۔

ششادری کے ہاتھ میں اب بھی ریوالور موجود تھا۔ میں دروازہ بند کر کے کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس ہنگامے کے بعد ظاہر ہے نیند آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

دفعتاً میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ جسپر' پربت سنگھ کا دوست تھا وہی اسے یہاں لے کر آیا تھا۔ ان کی ابتدائی گفتگو سے مجھے اندازہ ہوا تھا کہ یہاں روزانہ محفلیں جمتی تھیں اور کوئی نہ کوئی عورت بھی لائی جاتی تھی۔ آئے دن اس قسم کا غل غپاڑہ اور ہنگامے بھی ہوتے ہوں گے اور بقول پربت سنگھ کے پڑوسی ان ہنگاموں کے عادی ہو چکے تھے اور کسی قسم کی مداخلت نہیں کرتے تھے۔ شریف لوگ تو اس قسم کے لوگوں کے منہ لگنا ویسے ہی پسند نہیں کرتے۔

مجھے اس بات میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ پربت سنگھ نے آج کا یہ پروگرام خاص طور پر بنایا تھا۔ ان کی نیت وہی تھی جس کا اظہار جسپر نے شراب کے نشے میں کر دیا تھا۔ انہوں نے یہ بھی سوچا ہوگا کہ میں بھی ان کے ساتھ شراب پیوں گا اور اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھوں گا اور وہ لوگ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر رتنا اور ششادری پر جھپٹ پڑیں گے لیکن نہ تو میں نے شراب پی تھی اور نہ ہی اس وقت تک پربت سنگھ نشے میں آیا تھا۔ میں نے جس طرح جسپر کے ارادے میں مزاحمت کی تھی اس سے پربت سنگھ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ بات بڑھ سکتی ہے۔ اس لئے اس نے جسپر کا ساتھ نہیں دیا تھا اور بعد میں تو اس نے ہماری حمایت بھی کی تھی اور جسپر کو دو لاتیں بھی رسید کر دی تھیں۔ پربت سنگھ کو اب تک تو یہی معلوم تھا کہ ہمارا تعلق پولیس سے ہے اور ہم بھیس بدل کر خطرناک مجرموں کو تلاش کر رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے اس کے ذہن میں یہ بات آ گئی ہو کہ ہم اسے کسی مصیبت میں نہ پھنسا دیں۔

میں نے ششادری اور رتنا کی طرف دیکھا وہ دونوں خاموش بیٹھی ہوئی تھیں۔

''تم لوگ سو جاؤ۔'' میں نے کہا۔ ''اول تو اب ایسی کوئی بات نہیں ہوگی' اگر کوئی بات ہوئی بھی تو میں جاگ رہا ہوں۔''

''اب نیند کسے آئے گی۔'' ششادری نے کہا۔ ''مجھے تو پہلے ہی شبہ تھا کہ پربت سنگھ کی نیت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ دن میں جس طرح بار بار مختلف بہانوں سے دکان چھوڑ کر گھر میں آ رہا تھا اس سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ کوئی گڑبڑ ضرور کرے گا۔''

''ہو سکتا ہے تم دونوں کو دیکھ کر جسپر کی نیت بدل گئی ہو اور وہ شراب کے نشے میں بہک گیا۔ یہ بھی ممکن ہے یہ پروگرام پربت سنگھ ہی نے بنایا ہو لیکن صورتحال دیکھ کر اس نے رخ بدل لیا۔''

''جو کچھ بھی ہوا' ٹھیک نہیں ہوا۔'' رتنا بولی۔ ''ایسی حرکت دوبارہ بھی ہو سکتی ہے اور ہو سکتا ہے وہ اس کیلئے کوئی ایسا طریقہ اختیار کریں کہ ہم مزاحمت نہ کر سکیں۔ اس لئے کل دن میں سب سے پہلے ہمیں کسی دوسرے ٹھکانے کا بندوبست کرنا ہوگا۔''

''ہاں... صبح سب سے پہلے یہی کام کیا جائے گا۔'' میں نے کہا۔ رات بیت رہی تھی نیند ہم تینوں میں سے کسی کو نہیں آ رہی تھی ہم سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے۔

لیکن نیند تو ایسی چیز ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ پھانسی کے تختے پر بھی آ جاتی ہے۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

ششادری اور رتنا بھی نیند سے مغلوب ہوگئی۔ میں کرسی پر بیٹھا جاگتے رہنے کی کوشش کرتا رہا۔ مجھے بھی نیند کے جھونکے آرہے تھے۔ کبھی آنکھیں بند ہوجاتیں تو میرا سر سینے پر جھکنے لگتا اور پھر کوئی جھٹکا لگنے سے سنبھل جاتا۔

میں اس وقت بھی شاید اونگھ رہا تھا کہ باہر آہٹ سن کر سنبھل گیا۔ قدموں کی آہٹ کے ساتھ باتوں کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر بہت محتاط انداز میں چلتا ہوا دروازے کے قریب آ گیا۔ اس دوران میں نے جیب سے پستول بھی نکال لیا تھا۔ کمرے کا دروازہ دوپٹ کا تھا جس میں معمولی جھری بھی تھی۔ میں نے جھری میں آنکھ لگا کر دیکھا۔

وہ جسپر اور پربت سنگھ تھے۔ جسپر کے ماتھے پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ وہ غصے میں بڑبڑا رہا تھا اور پربت سنگھ اسے ہاتھ سے پکڑے باہر والے دروازے کی طرف لے جاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''مان بھی جا بھایا' وہ تینوں پولیس والے ہیں۔ میں نے ہاتھ پیر جوڑ کر انہیں چپ کرایا ہے۔ اگر وہ تھانے والوں کو بلا لیتے تو تمہارے ساتھ بھی بند ہو چکا ہوتا۔''

''اس لونڈیا کو چھوڑوں گا نہیں۔'' جسپر نے کہا۔ ''باہر مل گئی تو سڑک پر ہی چیر پھاڑ کر پھینک دوں گا سالی کو... میرا نام بھی جسپر ہے۔''

''ہاں' ہاں... میں جانتا ہو تیرا نام جسپر ہے پر اب تو جا یہاں سے... اور دیکھ باہر جا کر کوئی ایسی حرکت مت کریو...!''

''تو بھی ڈرتا ہے' سالا حرامی' بزدل...!'' جسپر نے کہا۔

پربت سنگھ نے دروازہ کھول کر اسے باہر دھکیل دیا اور دروازہ بند کر کے زنجیر چڑھا دی اور اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

اس وقت دن کا اجالا پھیل رہا تھا۔ میں کچھ دیر وہاں کھڑا رہا اور پھر کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ آدھے گھنٹے بعد ایک بار پھر قدموں کی آہٹ اور آنگن میں دکان والا دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ اس کے تھوڑی دیر بعد میں نے اٹھ کر کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ تازہ ہوا کا جھونکا بڑا فرحت بخش محسوس ہوا۔

اس روز ناشتہ کرنے بعد دس بجے کے قریب ہم پربت سنگھ کے مکان سے نکل گئے۔ اسے ہم نے یہی بتایا کہ شام تک واپس آ جائیں گے۔ رتنا نے حسب معمول وہ تھیلا کندھے پر لٹکا کر اسے چنری میں چھپا لیا تھا۔ ان دونوں کا یہ لباس بہت معقول تھا اور چنری کے گھونگھٹ سے چہرہ بھی چھپایا جا سکتا تھا لیکن اس کے باوجود ہم نے احتیاط کا دامن نہیں چھوڑا۔

پولیس کو ایک مرد اور دو عورتوں کی تلاش تھی۔ پولیس کی نگاہوں سے بچنے کیلئے ہم نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ میں آگے چلتا رہا اور تقریباً تیس گز پیچھے رتنا اور ششادری چل رہی تھیں۔

صبح میں نے جسپر کی باتیں بھی سنی تھیں۔ اس نے پربت سنگھ کے گھر سے نکلتے ہوئے دھمکی دی تھی کہ لونڈیا کو نہیں چھوڑے گا۔ اس کا اشارہ غالباً ششادری کی طرف تھا کیونکہ رات کو اس نے ہاتھ بھی ششادری پر ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ موقع پا کر وہ کوئی نہ کوئی حرکت ضرور کرے گا۔ اگرچہ

پربت سنگھ کے مکان پر واپس آنے کا ہمارا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن آج ہر صورت میں کوئی نہ کوئی محفوظ ٹھکانہ تلاش کرنا تھا۔

مجھے راستوں کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ ہم مختلف سڑکوں پر گھومتے رہے۔ میں وقفے وقفے سے پیچھے مڑ کر بھی دیکھ لیتا تھا۔ اور پھر یہ دیکھ کر چونک گیا کہ دو آدمی رتنا اور ششادری کا پیچھا کر رہے تھے۔ میں انہیں ایک دو مرتبہ پہلے بھی دیکھ چکا تھا مگر زیادہ توجہ نہیں دی۔ اب مجھے یقین کر لینا پڑا کہ وہ رتنا اور ششادری ہی کا پیچھا کر رہے ہیں۔

وہ دونوں صورتوں ہی سے چھٹے ہوئے بدمعاش لگتے تھے۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ رتنا اور ششادری کو اکیلی سمجھ کر ان کے پیچھے لگے تھے اور انہیں ابھی تک کچھ کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ ان غنڈوں کی کسی بھی وقت پٹائی کی جا سکتی تھی لیکن اس میں مجھے بھی مداخلت کرنی پڑتی۔ معاملہ سنگین نوعیت اختیار کر جاتا تو بات پولیس تک پہنچ سکتی تھی اور اس طرح مزید گڑبڑ ہونے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے میں نے سوچا کہ ان غنڈوں سے الجھے بغیر نکلنے کی کوشش کی جائے۔

مجھے کسی ایسی جگہ کی تلاش بھی تھی جہاں ہم تینوں اکٹھے ہو سکیں۔ شہر میں پولیس اگرچہ اپنی سرگرمیوں میں مصروف تھی لیکن ہمیں ابھی تک کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا لیکن پھر اچانک ہی یوں لگا جیسے شہر میں بھونچال آ گیا ہو۔ پولیس کی گاڑیاں تیزی سے اِدھر اُدھر دوڑتی نظر آنے لگیں۔

آگے ایک چوراہے پر پولیس کی ایک پارٹی نے گاڑیوں کی چیکنگ شروع کر دی تھی۔ بعض راہگیروں کو بھی روک کر پوچھ گچھ کی جا رہی تھی۔

میں ناریل کا پانی بیچنے والے ایک ٹھیلے کے پاس رک گیا۔ ٹھیلے والے نے ایک ناریل میں اسٹرا لگا کر میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ میں وہیں کھڑا چسکیاں لینے لگا اس دوران رتنا اور ششادری بھی وہاں پہنچ گئیں۔ انہیں یقیناً پیاس لگ رہی تھی وہ بھی ایک ایک ناریل لے کر قدرے الگ ہٹ کر کھڑی ہوگئیں۔

''یہ دونوں تمہارے ساتھ ہیں۔'' ٹھیلے والے نے پوچھا۔

''نہیں...'' میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''ارے گھبراتے کیوں ہو بھایا۔ ان دونوں لونڈیوں کے پیسے ہم دیں گے۔''

یہ آواز سن کر میں نے گردن گھمائی۔ وہ دونوں غنڈے ٹھیلے کے قریب پہنچ گئے تھے اور یہ جملہ لمبے بالوں والے نے کہا تھا جس کے باہر نکلے ہوئے دانت بالکل پیلے ہو رہے تھے اور فاصلہ ہونے کے باوجود اسکے منہ سے بدبو آ رہی تھی۔ وہ دونوں بھی ناریل لے کر پینے لگے۔

اس دوران پولیس والے اس طرف نکل آئے۔ ششادری ناریل پی چکی تھی۔ اس نے ٹھیلے والے کو پیسے دینا چاہے تو لمبے بال والے نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''ارے رہنے دو' تمہارے پیسے ہم دیدیں گے۔'' وہ دانت نکالتے ہوئے بولا۔

''چھوڑ امیرا ہاتھ'' ششادری غرائی۔

''یہ ہاتھ تو اب کوئی نہیں چھڑا سکتا جان من۔'' وہ ڈھٹائی سے بولا۔ اس نے اپنے پیچھے پولیس

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

والوں کو نہیں دیکھا تھا۔

میرا فی الحال مداخلت کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اس لئے خاموش کھڑا ناریل کے پانی کی چسکیاں لیتا رہا۔

ششادری ایک بار پھر غرائی اور اچانک ہی دوسرے ہاتھ سے اس غنڈے کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا۔

''ابے تیری تو...'' اس غنڈے کے منہ سے ایک غلیظ گالی نکلی۔

''اے... کیا ہو رہا ہے؟''

یہ آواز سن کر اس غنڈے نے پیچھے گردن گھمائی اور پولیس والوں کو دیکھ کر اس کی ہوا سرک گئی۔ اس نے ششادری کا ہاتھ چھوڑ کر ایک طرف دوڑ لگا دی۔ دوسرا ساتھی بھی بھاگ کھڑا ہوا۔ ایک پولیس والا ان کے پیچھے لپکا لیکن وہ دونوں ہوا ہو گئے۔

''تم لوگ کون ہو... تمہارے ساتھ کون ہے؟'' دوسرے پولیس والے نے ششادری کو گھورا۔

''گاؤں سے آئی ہوئی ہیں سودا لینے کیلئے ہمارے ساتھ کوئی مرد ہوتا تو ان حرام کے پلوں کو ہمارے قریب آنے کی ہمت نہ ہوتی۔''

''اس تھیلے میں کیا ہے؟'' پولیس والا اب رتنا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''اے...'' رتنا نے گھورا۔ ''ہم چور ہیں کیا ہم سے سوال جواب کر رہے ہو ان حرام کے پلوں کو تو پکڑ نہیں سکے۔''

''تم کو لے جا کر بند کر دوں گا۔ زیادہ...''

''جانے بھی دو حکم۔'' میں نے اس پولیس والے کو بازو سے پکڑ لیا اور اسے تھیلے سے آگے لے گیا۔ ''ایک تو تم ان غنڈوں کو نہیں پکڑ سکے جو ان کے ساتھ زیادتی کی کوشش کر رہے تھے۔ اوپر سے ان بے چاری عورتوں کو دھمکا رہے ہو۔''

پولیس والے نے گھور کر میری طرف دیکھا وہ شاید میرے لہجے سے مرعوب ہو گیا تھا سر جھٹک کر رہ گیا۔

''ویسے یہ معاملہ کیا ہے حوالدار... ایک دم پولیس کی بھاگ دوڑ کیوں مچ گئی ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''انتک وادی گھس آئے ہیں اس شہر میں۔'' پولیس والے نے جواب دیا اور پھر اس نے جو انکشاف کیا وہ خاصا سنسنی خیز تھا۔

اس پولیس والے کے کہنے کے مطابق سارسکا سے فرار ہونے والے دہشت گرد جنگل میں گھس گئے تھے پولیس کی ایک پارٹی بھی ان کے تعاقب میں تھی۔ دوسرے روڈ پولیس پارٹی اور دہشت گردوں کا آمنا سامنا ہو گیا۔ دہشت گردوں نے جن میں ایک مرد اور دو عورتیں شامل ہیں کسی طرح تینوں پولیس

والوں پر قابو پا لیا۔ انہوں نے پولیس والوں کو بے ہوش کر کے ان کی وردیاں پہن لیں اور ان کی جیپ پر فرار ہو گئے۔

وہ تینوں پولیس والے آج صبح کسی نہ کسی طرح جنگل سے نکل آنے میں کامیاب ہو گئے۔ جنگل سے دو تین کوس دور بھون پور نامی بستی کے قریب کھیتوں میں ایک کنیا میں انہیں پولیس کی تینوں وردیاں مل گئیں۔ وہ لوگ بستی میں داخل ہوئے۔ بستی والوں نے انہیں انتک وادی سمجھ کر پکڑ لیا۔ وہ یقین دلانے کی کوشش کرتے رہے کہ وہ پولیس کے آدمی ہیں مگر بستی والوں نے ان کی ایک نہیں سنی اور مار پیٹ کر رسیوں سے باندھ دیا اور کوٹ پتلی کے تھانے میں اطلاع کر دی۔

پولیس کی ایک پارٹی فوراً ہی بھون پور پہنچ گئی۔ تب وہاں ایک اور انکشاف ہوا۔ گاؤں کے مکھیا نے بتایا کہ دو دن پہلے دو عورتیں اور ایک آدمی (پولیس کی وردی میں) پولیس کی جیپ پر جنگل سے برآمد ہوئے تھے۔ انہوں نے مکھیا کو بتایا کہ وہ جنگل میں ڈاکوؤں کا تعاقب کر رہے تھے۔

اور پھر ساری بات کھل گئی۔ مکھیا نے بتایا کہ وہ ان لوگوں کو کوٹ پتلی میں اپنے بھائی کے گھر چھوڑ گیا تھا۔ پولیس نے اس کے بھائی پربت سنگھ کے گھر پر چھاپہ مارا جس نے یہ انکشاف کیا کہ وہ لوگ دو گھنٹے پہلے ہی یہاں سے نکلے ہیں۔ پولیس نے پربت سنگھ کو بھی حراست میں لے لیا ہے اور شہر بھر میں ان تینوں کو تلاش کیا جا رہا ہے۔ ایک مرد اور دو خوبصورت عورتیں۔

''ہم بھی انہی کی تلاش میں ہیں بھایا۔'' وہ پولیس والا کہہ رہا تھا۔

''ہم کامل جاویں تو اپنی قسمت بدل جاوے گی' پر اپنی قسمت ایسی کہاں...؟''

''بعض اوقات قسمت کی دیوی قریب سے آ کر گزر جاتی ہے۔'' میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ ''ہو سکتا ہے وہ لوگ تمہارے آس پاس ہی کہیں موجود ہوں اور تم انہیں نہ پہچان سکتے ہو۔''

''ہاں۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔'' پولیس والے نے گہرا سانس لیا اور اس طرف چلا گیا جس طرف اس کا ساتھی غنڈوں کے پیچھے گیا تھا۔

میں نے رتنا اور ششادری کو اشارہ کیا اور پھر ہم تینوں اکٹھے ہی ایک طرف چل پڑے۔ تھیلے والا معنی خیز نظروں سے ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔

اگلے موڑ پر پہنچ کو میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ دونوں پولیس والے واپس آ کر تھیلے والے سے کچھ پوچھ رہے تھے اور تھیلے والا انہیں اشارہ کرتے ہوئے کچھ بتا رہا تھا۔

''پھوٹ لو یہاں سے۔'' میں نے مڑتے ہوئے کہا۔ ''انہیں شبہ ہو گیا ہے وہ تھیلے والے سے ہمارے بارے میں پوچھ رہا تھا۔''

ہم تینوں تیز تیز چلتے ہوئے ایک تنگ سی گلی میں داخل ہو گئے اور پھر مختلف گلیوں میں گھومتے ہوئے لب سڑک اس چھوٹے سے میدان میں پہنچ گئے جہاں مچھلی منڈی لگی ہوئی تھی۔ دو روز پہلے مکھیا ہمیں سب سے پہلے یہیں لے کر آیا تھا اور بیوپاری سے مچھلیوں کا سودا کرنے کے بعد پربت سنگھ کی طرف گئے تھے۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

گھاس پھوس کے چھپر اور ترپالوں وغیرہ کے سائبان تھے جن کے نیچے تختوں پر دکانیں لگی ہوئی تھیں۔ صبح بھی یہاں مال آتا تھا دوپہر تک منڈی لگی رہتی تھی۔ عام گاہکوں کے لئے تو دکانیں دن بھر لگی رہتی تھیں اور شہر کے مختلف علاقوں کے لوگ تازہ مچھلی خریدنے کیلئے یہاں آتے تھے۔

دکانوں کی تین چار گلیاں سی بن گئی تھیں۔ یہاں خاصا رش تھا۔ مچھلی کی بو سے دماغ پھٹا جارہا تھا۔ ہم تینوں لوگوں کے بیچوں میں راستہ بناتے ہوئے چلتے رہے۔ میرا خیال تھا کہ ہم مچھلی منڈی کی دوسری طرف نکل کر کسی اور علاقے میں نکل جائیں گے۔

آگے گلیوں کا ایک چوراہا سا بن گیا تھا۔ میں وہاں سے سیدھا آگے نکل گیا۔ ابھی دو تین قدم ہی بڑھا تھا کہ رتنا نے میرا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔

''کیا بات ہے...؟'' میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''وہ ادھر دیکھو....'' اس نے دائیں طرف گلی میں اشارہ کیا۔ ''وہ سمترا ہے' وہ اس طرف نیلی ساڑھی والی۔''

نیلی ساڑھی والی اس عورت کا رخ دوسری طرف تھا۔ شاید رتنا نے قریب سے گزرتے ہوئے اسے دیکھ لیا تھا۔ میں اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ وہ عورت جیسے ہی مڑی میری آنکھوں میں چمک ابھر آئی۔ وہ سمترا ہی تھی۔ جس نے تنکوں کی ایک ٹوکری ہاتھ میں لٹکا رکھی تھی۔

میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔ مجھے اچانک ہی اپنے سامنے دیکھ کر ایک لمحہ کو اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے اور پھر دوسرے ہی لمحہ اس کی آنکھوں میں بھی چمک ابھر آئی۔ اس نے ششادری اور رتنا کی طرف دیکھا مگر زیادہ گرمجوشی کا اظہار نہیں کیا۔

''میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔'' اس نے بڑبڑانے والے انداز میں کہا اور ٹوکری سنبھالے تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی ایک طرف چل پڑی۔ ہم بھی کچھ فاصلہ دے کر ایک دوسرے کے پیچھے چلتے رہے۔

مچھلی مارکیٹ کی پچھلی طرف کئی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ سمترا ایک سفید کار کے قریب رک گئی۔ پرس میں سے چابی نکال کر پہلے ڈرائیور سائیڈ کا دروازہ کھولا اور پھر اندر بیٹھ کر دوسرے در وں کی لاک نابس بھی اٹھا دیں۔

رتنا اور ششادری پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں اور میں آگے پسنجرز سیٹ پر' سمترا نے انجن سٹارٹ کیا اور کار حرکت میں آ گئی۔

''دو دن پہلے یہ اطلاع پہنچی تھی کہ پاکستانی دہشت گرد پہلے جے پور اور پھر سارسکا سے فرار ہو کر جنگل میں داخل ہو چکا ہے۔ جس کے ساتھ دو عورتیں بھی ہیں۔ پہلے تو یہ بتایا گیا کہ ایک عورت تو اس کی ساتھی ہے اور دوسری محکمہ سیاحت کی گائیڈ بھی جسے یرغمال بنا لیا گیا ہے لیکن اگلے روز یہ خبر آئی کہ وہ گائیڈ بھی ان کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور فرار کا سارا منصوبہ اس نے تیار کیا تھا۔ جے پور اور سارسکا میں اس کے کچھ ساتھی پکڑے گئے ہیں۔'' سمترا کہہ رہی تھی۔ وہ کار کو کسی بڑی سڑک پر لانے کے بجائے گلیوں ہی گلیوں میں لے جا رہی تھی جہاں روکے جانے کا احتمال نہیں تھا۔

''یہ خبر سن کر میں تو پریشان ہو گئی تھی۔ میرا خیال تھا کہ تم لوگ ہندوستان سے جا چکے ہو گے۔'' وہ کہہ رہی تھی۔ ''بہرحال مجھے پریشانی اس بات پر تھی کہ اگر تم لوگ جنگل کے خونیں درندوں سے بچ گئے تو پولیس کے ہاتھ لگ جاؤ گے کیونکہ پولیس نے جنگل سے کوٹ پتلی کی طرف آنے والے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر رکھی ہے اور ابھی کچھ دیر پہلے ہی میں نے مچھلی منڈی مارکیٹ میں یہ خبر سنی ہے کہ تم لوگ اس شہر میں داخل ہو چکے ہو۔''

''ہم دو دن پہلے یہاں آ گئے تھے۔'' میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

''کل ہم نے تمہیں کار میں دیکھا تھا اور میں پکارتا رہا تمہارے پیچھے بھی لپکا تھا لیکن تمہاری کار نکل چکی تھی۔''

''اوہ... کہاں دیکھا تھا'' سمترا نے پوچھا۔

''جگہ تو مجھے یاد نہیں مگر تمہاری کار ایک ٹریفک سگنل پر کھڑی تھی۔'' میں نے جواب دیا۔ ''میں دیکھ کر تمہاری طرف لپکا تو سگنل کھل گیا اور تمہاری کار تیزی سے آگے نکل گئی اور آج...'' میں چند لمحوں کو خاموش رہا پھر بولا۔ ''آج تو ہم بال بال بچے ہیں اگر ہم گھر پر ہوتے تو اب تک سلاخوں کے پیچھے بند ہو چکے ہوتے۔ پولیس کے پہنچنے سے صرف دو گھنٹے پہلے وہاں سے نکل گئے تھے۔'' میں اسے پولیس کانسٹیبل سے سنی ہوئی بات بتانے لگا۔ ''اچھا ہوا تم مل گئیں ورنہ آج کوئی محفوظ جگہ تلاش کرنے میں خاصی دشواری پیش آتی۔''

سمترا نے اس مرتبہ کوئی بات نہیں کی۔ سامنے ایک بڑی سڑک تھی۔ کراس کرتی ہوئی ذیلی سڑکوں سے وہاں ایک چھوٹا سا چوراہا بن گیا تھا مگر وہاں کوئی ٹریفک سگنل نہیں تھا۔

سمترا نے کار کی رفتار کم کر لی۔ دائیں بائیں دیکھا اور بڑی سڑک کراس کرتی ہوئی دوسری طرف کی ذیلی سڑک پر نکل آئی۔ یہ شہر کا شمالی علاقہ تھا۔ یہاں آبادی ٹیلوں پر مشتمل تھی۔ چھوٹے بڑے بنگلے تھے جو ایک دوسرے سے فاصلے پر تھے۔ سبزہ بھی خاصا تھا اور قدآور درختوں کی بھی بہتات تھی۔

سمترا نے کار ایک تنگ سی سڑک پر موڑ لی اور پھر اسے ایک ٹیلے پر جانے والے راستے پر گھما دیا۔ ٹیلے پر وہ بنگلہ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ سمترا نے گیٹ کے سامنے کار روکی۔ نیچے اتر کر گیٹ کھولا اور پھر کار کو اندر لے گئی اور دوبارہ نیچے اتر کر گیٹ بند کرنے چلی گئی۔

اس دوران ہم کار سے اتر چکے تھے۔ سمترا گیٹ بند کر کے واپس ہوئی تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اس نے رتنا کی طرف بڑھتے ہوئے دونوں بانہیں پھیلا دیں۔

وہ دونوں بڑے پرجوش انداز میں ملیں۔ سمترا ششادری سے بغلگیر ہوئی اور پھر ان دونوں کی موجودگی کی پروا کئے بغیر مجھ سے لپٹ گئی۔

یہ بنگلہ دو بیڈ روم' ایک لاؤنج اور ڈرائنگ روم پر مشتمل تھا۔ تمام کمرے آراستہ تھے اور ضرورت کا ہر سامان موجود تھا ہم لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئے۔

''میں چائے بنا کر لے آؤں۔ پھر اطمینان سے باتیں کریں گے۔'' سمترا کچن کی طرف چلی

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

گئی۔ اس نے تنکوں والی ٹوکری میں سے چھلی نکال کر فریج میں رکھ دی تھی۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ چائے بنا کر لے آئی اور پھر باتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

''مجھے مکرانا والے ہنگامے کا تو علم ہے' اخبار میں پڑھا تھا اس کے بعد کوئی بات معلوم نہیں ہوئی۔ میرا خیال تھا کہ تم لوگ ہندوستان سے نکل چکے ہو۔'' لیکن تم لوگوں کو اپنے پاس دیکھ کر مجھے کتنی حیرت' کتنی خوشی ہورہی ہے' اس کا تم اندازہ نہیں لگا سکتے۔ سب سے زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ بیلا کو تم لوگوں نے تتلی کا ناچ نچا دیا ہے۔ بہرحال' میں مکرانا کے بعد کے حالات سننا چاہتی ہوں' اس کے بعد تم لوگ کہاں غائب ہوگئے تھے؟''

''ہم کسی نہ کسی طرح جے پور پہنچنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ جہاں ششادری سے ہماری ملاقات ہوگئی۔'' میں نے ششادری کی طرف اشارہ کیا اور پھر اسے اب تک کے واقعات بتانے لگا' آخر میں کہہ رہا تھا۔ ''تم جانتی ہو رتنا نے میرا کس طرح ساتھ دیا تھا اور پھر ششادری' اگر جے پور میں ہمیں اس کے ہاں پناہ نہ ملتی تو ہمارے لئے بہت سی پریشانیاں پیدا ہوسکتی تھیں۔ ہماری وجہ سے یہ بھی اپنی جان کو خطرے میں ڈالے ہوئے ہے۔ بہرحال' ہمیں تمہاری یاد بھی آتی رہی۔ میں اور رتنا اکثر تمہارا ذکر کرتے رہتے تھے۔ مجھے یہ بھی اندیشہ رہا کہ تم کہیں بیلا کے ہتھے نہ چڑھ گئی ہو۔''

''ایک مرتب ایسا ہوا تھا۔'' سمترا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''یہ تم لوگوں کے ماؤنٹ آبو سے فرار کے تقریباً دو ہفتے بعد کی بات ہے' بیلا میرے گھر' میرا مطلب ہے اس بنگلے میں پہنچ گئی تھی جہاں تم لوگ مجھے چھوڑ کر آئے تھے۔''

''اوہ...'' میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ''پھر کیا ہوا؟''

''وہ دو گھنٹوں تک مجھ سے سوال جواب کرتی رہی۔ میں کون ہوں' کیا کرتی ہوں' میرے ساتھ اور کون ہے' میرے اخراجات کہاں سے پورے ہوتے ہیں' میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ بیوہ ہوں' طوائف ہوں' مگر بازار میں نہیں بیٹھتی' میں گاہکوں کو اس بنگلے میں لے آتی ہوں۔ وہی گاہک میرا خرچ پورا کرتے ہیں وہ اس بنگلے کے بارے میں بھی پوچھتی رہی۔ میں نے کہہ دیا کہ مجھ سے پہلے یہاں ایک اور بیوہ رہتی تھی جو دو ہفتے پہلے جودھ پور چلی گئی۔ بنگلے کے مالک سے ابھی میرا آمنا سامنا نہیں ہوا۔ پہلی تاریخوں پر کرایہ لینے آئے گا تو مجھے بھی پتہ چل جائے گا کہ مالک کون ہے؟'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی ''اس نے گھوم پھر کر بنگلے کا معائنہ کیا' دیواروں اور فرش کو ٹھونک بجا کر بھی دیکھا اسے شاید شبہ تھا کہ اس بنگلے کا پنڈت بھیرو والے بنگلے سے زیر زمین کوئی ناتا ہوسکتا ہے۔ اس نے بھیرو والے بنگلے کے بارے میں بھی بہت سوال کئے لیکن میں انکار کرتی رہی۔ مجھے نہیں پتہ کہ وہاں کون لوگ رہتے ہیں۔'' سمترا ایک بار پھر خاموش ہوگئی اور پھر کہنے لگی۔ ''مجھے شبہ تھا کہ اس کو مجھ پر شک ہوگیا ہے۔ میں نے بھیرو کے بنگلے سے نکالی جانے والی رقم اور زیورات تہہ خانے میں چھپا رکھے تھے۔''

''مجھے شبہ تھا کہ بیلا نے میرے بنگلے کی نگرانی بھی شروع کرادی ہے چنانچہ میں نے ایسی حرکتیں شروع کردیں جو مجھے نہیں کرنی چاہئیں۔ میں روزانہ شام کو بن سنور کر شہر کے بارونق اور مہنگے علاقوں میں

نکل جاتی' بڑے ہوٹلوں اور کلبوں میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جن کی مجھے تلاش رہتی' دولت مند بوڑھے جو اندر سے بالکل کھوکھلے ہوچکے تھے' میں انہیں پھانس کر بنگلے پر لے آتی' وہ شرمندہ شرمندہ ہوکر رات گزارتے اور صبح سر جھکا کر چلے جاتے۔ میں ان کی جیبوں سے کچھ نہ کچھ رقم نکلوا لیتی تھی۔ حالانکہ مجھے رقم کی ضرورت نہیں تھی۔''

''بیلا نے ایسے دو تین آدمیوں کو پکڑ کر پوچھ گچھ بھی کی۔ وہ اس کے علاوہ کچھ نہیں بتا سکتے تھے کہ اپنی رقم گنوا کر آجاتے ہیں۔''

''اس دوران میری ملاقات روپ سیہائے نامی ایک شخص سے ہوگئی۔ ساٹھ سے اوپر اور بہت دولت مند آدمی ہے' جے پور میں بڑی لمبی چوڑی پراپرٹی ہے۔ یہاں کوٹ پتلی کے نواح میں اس کی زمینیں ہیں جہاں مرچیں کاشت کرتا ہے۔ دیکھنے میں اس کی صحت اگرچہ قابل رشک ہے مگر اندر سے بالکل کھوکھلا ہوچکا ہے۔''

''اسے پہلی مرتبہ میں نے دو سال پہلے پنڈت بھیرو کے مندر میں دیکھا تھا۔ پنڈت بھیرو اسے عورتیں سپلائی کرتا تھا۔''

''اس روز میں نے اسے ایک بڑے ہوٹل میں دیکھا۔ وہ حسب معمول سیر و تفریح کیلئے ماؤنٹ آبو آیا ہوا تھا۔ اس وقت اس کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر عورت بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ میں بھی بے تکلفی سے اس میز پر بیٹھ گئی۔ روپ سیہائے نے مجھے دیکھ کر اس عورت کو بھگا دیا اور پھر میں اسے بنگلے پر لے آئی۔ اس نے رات میرے پاس گزاری مگر میں نے اسے کوئی طعنہ نہیں دیا۔''

''اور پھر وہ روزانہ میرے پاس آنے لگا۔ اس نے مجھے پیش کش کی کہ اگر میں اس کی رکھیل بننا قبول کرلوں تو وہ ہر مہینے مجھے ایک معقول رقم دیا کرے گا۔ میں ماؤنٹ آبو سے نکلنا چاہتی تھی۔ میں نے فوراً ہامی بھرلی۔ اسکی وجہ یہ بھی تھی کہ بیلا نے پنڈت بھیرو والے بنگلے میں کھدائی شروع کروا دی تھی۔ اسے اگرچہ پنڈت بھیرو کے خزانے کی تلاش تھی لیکن مجھے اندیشہ تھا کہ اگر کھدائی کے دوران وہ سرنگ دریافت ہوئی تو میری بھی خیر نہیں۔''

''روپ سیہائے کی وجہ سے مجھے وہاں سے نکلنے کا موقع مل رہا تھا اور میں نے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھالیا۔ میں نے تمام نقدی اور زیورات ایک سوٹ کیس میں پیک کرکے ان پر اپنے چند جوڑے کپڑوں کے ڈال دیئے اور روپ سیہائے ہی کی گاڑی میں وہاں سے نکل آئی۔''

''میں اکیلی ہوتی تو شاید کچھ دشواری پیش آتی مگر روپ سیہائے کے ساتھ نے ساری مشکلات حل کردیں' روپ سیہائے نے مجھے دو دن جے پور کے ایک ہوٹل میں رکھا۔ جے پور کا وہ فور سٹار ہوٹل بھی اسی کی ملکیت ہے۔ دو دن بعد وہ مجھے کوٹ پتلی لے آیا۔ میں چند روز یہاں سے پندرہ میل دور اس کے فارم ہاؤس میں رہی لیکن وہ جگہ مجھے پسند نہیں آئی۔ تب روپ سیہائے نے مجھے یہ مکان لے دیا۔ اتفاق سے اس مکان میں ایک تہہ خانہ بھی ہے۔ میں نے اپنا سوٹ کیس اس تہہ خانے میں چھپا رکھا ہے۔ یہ کار بھی مجھے روپ سیہائے نے ہی لے کر دی ہے۔''

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

''مجھے یہاں آئے ہوئے تقریبات ایک مہینہ ہو چکا ہے۔ میری دیکھ بھال کیلئے ملازمہ بھی تھی جسے دو دن پہلے میں نے نکال دیا میں یہاں سے جانا چاہتی ہوں لیکن ابھی تک یہ طے نہیں کر پائی کہ کہاں جاؤں اور کیا کروں گی' میرے پاس اگرچہ دولت کی کمی نہیں ہے میں ساری زندگی آرام سے گزار سکتی ہوں لیکن میں دنیا کو بہت اچھی طرح دیکھ چکی ہوں۔ اکیلی جہاں بھی جاؤں گی مشکلات سے دو چار رہوں گی۔ اب میری خوش قسمتی ہے کہ تم لوگ آ گئے ہو۔ ہوسکتا ہے تم لوگوں کے ساتھ ہی کسی طرف نکل جاؤں۔''

''ہم کوئی پروگرام بنائیں گے مگر اطمینان سے۔'' میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ ''فی الحال تو بھوک سے جان نکلی جا رہی ہے اور تم جانتی ہو کہ پیٹ خالی ہو تو ڈھنگ کی کوئی بات دماغ میں نہیں آتی۔''

''اوہ...'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ ''میں باتوں میں تو بھول ہی گئی تھی کہ کھانا بھی کھانا ہے' چند منٹ لگیں گے' وہ اٹھ گئی۔ ''کل رات میں نے پنیر اور پالک کے کوفتے بنائے تھے اس وقت وہی نکال لیتی ہوں رات کو مچھلی بنائیں گے۔''

وہ کچن میں گئی تو رتنا بھی اس کے پیچھے چلی گئی۔ ششادری اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے قریب آ گئی۔

''عورتوں کے معاملے میں بڑے لکی ہو۔'' وہ میری طرف دیکھ کر مسکرائی۔

''ہاں... میں واقعی لکی ہوں کہ تم جیسی اپسرائیں میرے حصے میں آ رہی ہیں اور بعض اوقات تو میں واقعی اپنے آپ کو راجہ اندر سمجھنے لگتا ہوں جس نے دنیا کی حسین ترین لڑکیاں اپنے گرد جمع کر رکھی تھیں۔'' میں نے جواب دیا۔

ششادری مسکرا کر رہ گئی۔

کھانا آدھے گھنٹے بعد ہی تیار ہو سکا تھا۔ کھانے کے دوران بھی ہم پرانی باتیں کرتے رہے۔ سمترا نے بڑی بے باکی سے سب کے سامنے اعتراف کیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو بیلا سے بچانے کیلئے غیر مردوں کو گھر لاتی رہی تھی اور اس نے بڑی بے باکی سے یہ اعتراف بھی کر لیا تھا وہ یہاں روپ سیہائے کی داشتہ کی حیثیت سے رہ رہی ہے۔

میرے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ عورت خواہ دنیا کے کسی بھی خطے یا قوم و مذہب سے تعلق رکھتی ہو اسے اپنی عزت سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے اگر اس کے ساتھ کبھی اس قسم کی زیادتی بھی ہو تو وہ بات کو چھپانے کی کوشش کرتی ہے تاکہ دوسروں کے سامنے اس کی سبکی اور بے عزتی نہ ہو لیکن یہ انوکھی بات مجھے ان ہندو عورتوں ہی میں نظر آ رہی تھی جن کے نزدیک عزت کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔

سب سے پہلے بیلا سے میرا واسطہ پڑا تھا جس نے اپنے آپ کو میرے سامنے ڈھیر کر دیا تھا پھر الکا اگنی ہوتری تھی جس نے صاف کہہ دیا تھا کہ دیش کی بھلائی کیلئے اس کی عزت کوئی معنی نہیں رکھتی۔ الکا اگنی ہوتری کے بعد کئی عورتوں سے میرا واسطہ پڑا تھا اور ہر ایک نے بڑی بے باکی سے اپنی بے حیائی کا اعتراف کیا تھا۔ اس وقت تین عورتیں میرے ساتھ تھیں۔ سمترا' رتنا کماری اور ششادری' اگر وہ چاہتیں تو اپنا

ماضی مجھ سے چھپا سکتی تھیں لیکن ان تینوں نے بڑی بے باکی سے ماضی میں اپنی بے حیائی کا اعتراف کیا تھا۔

کھانے کے دوران ہی ایک بار پھر روپ سیہائے کا ذکر آیا۔

''ایسی صورت میں جبکہ روپ سیہائے بھی یہاں آتا رہتا ہے' ہمارا یہاں رہنا خطرناک نہیں ہوگا؟'' میں نے سمترا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اب تک وہ صرف ایک مرتبہ یہاں آیا ہے۔'' سمترا نے جواب دیا۔

''آج کل وہ جے پور میں ہے۔ اگلے ہفتے وہ یہاں آئے گا۔ آنے سے پہلے مجھے ٹیلی فون پر اطلاع دے گا اور میرا خیال ہے کہ اس کے آنے سے پہلے میں کوئی بندوبست کر لوں گی۔''

''مثلاً' کیسا بندوبست؟'' میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''ہمارے پڑوس والا بنگلہ خالی ہے اس پر برائے فروخت کی تختی لگی ہوئی ہے۔'' سمترا نے جواب دیا۔ ''جس پراپرٹی ایجنٹ سے ہم نے یہ بنگلہ خریدا تھا وہ بنگلہ بھی اس کی تحویل میں ہے اور اتفاق سے اس کی ایک چابی بھی میرے پاس موجود ہے۔''

''تمہارے پاس؟'' میرے لہجے میں حیرت تھی۔

''ہاں...!'' سمترا مسکرائی۔ ''ایجنٹ نے پہلے ہمیں وہی بنگلہ دکھایا تھا لیکن مجھے پسند نہیں آیا۔ بعد میں یہ بنگلہ آ گیا جو روپ سیہائے نے خرید لیا۔ روپ سیہائے کے جانے کے بعد وہ ایجنٹ بعض کاموں کے سلسلے میں کئی بار یہاں آ چکا ہے۔ دو تین مرتبہ مختلف پارٹیوں کو وہ بنگلہ دکھانے کیلئے آیا تو یہاں کا چکر بھی لگاتا گیا۔ آخری مرتبہ وہ اس بنگلے کی چابیوں کا گچھا یہاں بھول گیا تھا۔ جسے میں نے غیر ارادی طور پر چھپا دیا۔ اس کے پاس ان چابیوں کی ڈپلی کیٹ موجود ہے۔ اس لئے اسے کئی پریشانی نہیں ہوئی۔ چابیوں کا وہ گمشدہ گچھا میرے پاس ہے۔ اس طرح کسی ہنگامی صورت حال میں وہ بنگلہ ہمارے کام آ سکتا ہے۔ آؤ میں تمہیں وہ بنگلہ دکھاتی ہوں۔''

ہم اٹھ کر باہر آ گئے۔ سمترا والے بنگلے کا کمپاؤنڈ خاصا وسیع و عریض تھا۔ ناریل کے کئی درخت تھے۔ لان بھی بڑا سرسبز تھا اور پھولوں کے پودوں کی کیاریاں بھی تھیں۔

''وہ سامنے والا بنگلہ ہے۔'' سمترا نے برآمدے میں کھڑے ہو کر بائیں طرف اشارہ کیا۔

وہ بنگلہ بڑا تھا اس ٹیلے پر تقریباً سو گز کے فاصلے پر تھا۔ گیٹ کے سامنے سے ایک تنگ سی پگڈنڈی اس بنگلے تک چلی گئی تھی۔ ویسے سڑک کی طرف آمد و رفت کیلئے اس بنگلے کا راستہ الگ تھا۔

اس علاقے میں بنگلے ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر تھے اور یہ بات ہمارے حق میں بہتر تھی۔ ہم لوگوں کی نظروں سے محفوظ رہیں گے۔

اس رات بھی ہم دیر تک باتیں کرتے رہے۔ سمترا یہاں سے جانا چاہتی تھی۔ وہ پرسکون زندگی گزارنا چاہتی تھی لیکن اسے کچھ خدشات بھی تھے۔

''میرا ایک مشورہ ہے۔'' میں نے کہا۔ ''یہاں تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے' تمہیں روپ سیہائے کی

www.pdfbooksfree.pk

مدد بھی حاصل ہے۔ میرا تو مشورہ ہے کہ تم یہیں ٹکی رہو۔"

"اس کی داشتہ بن کر۔" سمترا نے کہا۔ "تم ان دولت مند لوگوں کو نہیں جانتے۔ خاص طور پر روپے سیہانے جیسے بوڑھوں کو آج اس کے دل پر راج کر رہی ہوں کل کوئی اور اس کے من کو بھا جائے گی اور مجھے وہ اپنی زندگی سے نکال دے گا اور پھر ویسے بھی میں زندگی بھر کسی کی رکھیل بن کر نہیں رہنا چاہتی۔ میں چاہتی ہوں کہ میرا اپنا ایک گھر ہو پتی ہو اور بچے ہوں۔ میں اپنا ماضی بھول جانا چاہتی ہوں۔"

وہ چند لمحوں کو خاموش رہی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "ماؤنٹ آبو میری زندگی کا سیاہ ترین باب ہے۔ وہاں جو کچھ بھی ہوا تم جانتے ہو۔ میں بیلا کو دھوکا دے کر وہاں سے نکل تو آئی ہوں لیکن مجھے یقین ہے کہ ایک نہ ایک دن بیلا کو میری اصلیت کا پتہ چل جائے گا اور یہاں میں کسی چوہے کی طرح پکڑی جاؤں گی۔ میں چاہتی ہوں کہ یہاں سے دور چلی جاؤں جہاں کوئی میرا سراغ نہ لگا سکے اور میں کسی خوف کے بغیر پرسکون زندگی گزار سکوں۔"

"تو پھر اپنے ماں باپ کے گھر کیوں نہیں چلی جاتیں؟" میں نے کہا۔

"میری ماتا اور پتا کا دیہانت ہو چکا ہے۔" سمترا نے کہا۔ "دو بھائی ہیں جن میں پتا جی کی جائیداد پر مقدمے بازی ہو رہی ہے۔ دونوں ہی بے انتہا لالچی اور خودغرض ہیں۔ وہ دونوں مجھے اپنانے پر تیار تو ہو جائیں گے لیکن میری دولت ہتھیانے کے بعد مجھے دھکے دے کر نکال دیں گے۔ نہیں... میں وہاں نہیں جانا چاہتی تم لوگ مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ میں پنجاب میں کسی جگہ اپنا ٹھکانا بنا لوں گی۔"

"ٹھیک ہے اس کیلئے کوئی پلاننگ کرنی پڑے گی۔" میں نے کہا۔

ہمیں سمترا کے پاس رہتے ہوئے تین چار دن گزر گئے ہم تو اس بنگلے کے کمپاؤنڈ تک ہی محدود رہے۔ البتہ سمترا آزادی سے باہر آتی جاتی رہی اور اس سے ہمیں باہر کے حالات کی بھی خبر ملتی رہی۔ ہماری تلاش کا سلسلہ کچھ ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔

سمترا کا بوڑھا عاشق روپ سیہانے جے پور میں تھا۔ وہ روزانہ رات کو ایک مقررہ وقت پر سمترا کو فون کرتا تھا۔ بہت لمبی لمبی باتیں ہوتی تھیں۔

پانچ دن گزر گئے۔ اس روز سمترا سودا سلف لینے کیلئے بازار جانے لگی تو ششادری بھی تیار ہو گئی۔

"کیا تمہارا باہر جانا مناسب ہوگا؟" میں نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ کوئی خطرہ نہیں ہے۔" ششادری نے جواب دیا۔ "میں عرصہ پہلے ایک دو مرتبہ یہاں آئی ہوں۔ اب تو کوئی مجھے پہچانتا بھی نہیں ہوگا اور ویسے بھی یہ ضروری تو نہیں کو ٹورازم والے میری تلاش میں سڑکوں پر گھوم رہے ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے سر ہلا دیا۔ "لیکن محتاط رہنا۔"

دس پندرہ منٹ بعد وہ دونوں چلی گئیں۔

"میں اور رتنا بنگلے میں اکیلے رہ گئے۔ کئی روز بعد اس طرح تنہا بیٹھنے کا موقع ملا تھا۔ رتنا کو

aazzamm@yahoo.com

خرافات سوجھنے لگی اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے قریب آ گئی۔"

"میرا چائے کا موڈ ہو رہا ہے۔" میں نے اپنے آپ کو اس سے بچانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "اور تم ایک گلاس ٹھنڈا پانی پی لو اور مناسب سمجھو تو ایک گلاس سر پر بھی انڈیل لینا۔ اتنے دنوں سے دماغ میں جو گرمی بھر گئی ہے وہ نکل جائے گی۔"

"رتنا نے گھور کر مجھے دیکھا اور ایک جھٹکے سے اٹھ گئی۔"

"پیچھا چھڑانا چاہتے ہو؟"

"نہیں..." میں نے بھی مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔ "تم سے پیچھا چھڑانے کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

رتنا چند لمحے مجھے گھورتی رہی پھر کچن کی طرف چلی گئی اور میں نے غلط نہیں کہا تھا یوں تو ان بنگلوں کے دوران میری زندگی میں کئی عورتیں آئی تھیں ہر ایک نے وفا نبھائی تھی۔ رادھا جیسی نے جان بھی دے دی تھی مگر رتنا سے مجھے کچھ زیادہ ہی لگاؤ ہو گیا تھا اور میں اس کے بغیر اپنے آپ کو واقعی ادھورا سمجھنے لگا تھا۔

رتنا چائے بنا کر لے آئی اور میرے قریب بیٹھنے کے بجائے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنے لئے بھی چائے بنا لی تھی۔

"ہم لوگ یہاں سے نکل جائیں تو ہمارے لئے خطرات کم سے کم ہو جائیں گے۔" رتنا نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔ "سمترا ابھی یہاں سے جانا چاہتی ہے۔ وہ تو پنجاب میں کسی جگہ سیٹل ہونے کی کوشش کرے گی لیکن ششادری کا کیا کیا جائے...؟"

"میرا خیال ہے اسے بھی سمترا کے ساتھ ایڈجسٹ کرنے کی کوشش کروں گا؟" میں نے جواب دیا۔ "ششادری کا ہم پر بہت احسان ہے اس نے نہ صرف قدم قدم پر ہماری مدد کی بلکہ ہماری خاطر اپنا سب کچھ بھی برباد کر لیا۔ اپنی زندگی داؤ پر لگا دی۔ ظاہر ہے کہ ہم اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتے۔ اس کا کوئی بندوبست کرنا ہی پڑے گا۔"

"اور میرا کیا بندوبست کرو گے۔" وہ میری طرف دیکھ کر مسکرائی۔

"میرے ساتھ رہتے ہوئے تم آدھی مسلمان تو ہو چکی ہو سرحد پار کرتے ہی تمہیں پوری مسلمان بنا دوں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا واقعی؟" اس کی آنکھیں چمک اٹھیں اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے ساتھ لپٹ گئی۔ "کیا واقعی تم مجھے اپنے ساتھ سرحد پار لے کر چلو گے؟"

"ارادہ تو یہی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "اب یہ وقت ہی بتائے گا کہ میں اپنے ارادے میں کامیاب ہوتا ہوں یا نہیں۔"

رتنا میرے گلے میں بانہیں ڈالے میرے چہرے کو دیکھتی رہی۔

"میں بہت خوش ہوں۔" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی سی آواز نکلی۔ "اس وقت مجھے اپنی

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

خوشی پوری کر لینے دو۔"

اس سے پہلے کہ میں کچھ سمجھ سکتا یا کوئی جواب دیتا اس نے اپنے تپتے ہوئے ہونٹ میرے ہونٹوں پر ثبت کر دیئے۔

میری نیت بھی ڈانواں ڈول ہونے لگی لیکن میں نے جلد ہی اپنے آپ کو سنبھال لیا اور اسے اپنے سے الگ کر دیا۔

"آؤ... باہر بیٹھتے ہیں' تازہ ہوا میں۔" میں کہتے ہوئے اٹھ گیا۔ رتنا ایک بار پھر مجھے گھور کر رہ گئی اور پھر وہ بھی اٹھ کر میرے، پیچھے ہی آ گئی۔

درختوں کے نیچے تین چار کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور رتنا پھولوں کی کیاری کے پاس ٹہلنے لگی۔ اس نے گیندے کا ایک پھول توڑا اور میرے سامنے آ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

موسم بڑا خوشگوار تھا۔ ہوا چل رہی تھی اور آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ ہوا کی خنکی سے رتنا کے دماغ کی گرمی کافور ہو گئی اور سنجیدگی سے باتیں کرنے لگی۔

ششادری اور سمترا کو گئے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ ہو چکا تھا۔ اس وقت دس بجنے والے تھے اور میرے خیال میں وہ گیارہ بجے سے پہلے لوٹنے والی نہیں تھیں۔

میں اور رتنا وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے بلکہ رتنا تو مستقبل کے منصوبے بنا رہی تھی۔ اس نے گویا اپنے تئیں یہ طے کر لیا تھا کہ اب ہمارے لئے کوئی خطرہ نہیں رہا۔ کوٹ پتلی سے نکلنے کے بعد ہم آزاد ہوں گے اور پنجاب سے بڑے اطمینان سے سرحد پار کر کے پاکستان میں داخل ہو جائیں گے۔ لیکن میں جانتا تھا کہ یہ سب کچھ اتنا آسان ثابت نہیں ہوگا۔

میں نے پاکستان کے خلاف را کے منصوبوں کو درہم برہم کر دیا تھا۔ ان کے گھر میں گھس کر انہیں ناقابل تلافی نقصان پہنچایا تھا۔ ان کے بیسیوں آدمی میرے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر چکے تھے۔ ناگ راج ماسٹر مائنڈ تھا۔ پاکستان کے خلاف دہشت گردی کے سارے منصوبوں کے پیچھے اس کا ہاتھ تھا میں نے اسے جس بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارا تھا اسے یہ بھینے طویل عرصہ تک نہیں بھلا سکیں گے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ان کے بہت سے راز میرے قبضے میں آ چکے تھے۔ بیلا تخریب کاری کے سرکاری گروہ کی اہم ترین رکن تھی۔ وہ پے در پے میرے ہاتھوں شکست کھا رہی تھی اور مجھے یقین تھا کہ مجھے آسانی سے سرحد پار کرنے کا موقع نہیں دیا جائے گا اور رتنا اس خوش فہمی میں تھی کہ ہم بڑے آرام و اطمینان سے سرحد پار کر لیں گے۔

ہم درختوں کے نیچے بیٹھے یہی باتیں کر رہے تھے کہ آسمان سے ٹپ ٹپ پانی کی بوندیں برسنے لگیں۔ فضا میں مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو پھیل گئی۔ رتنا کرسی سے اٹھ کر لان کی گھاس پر چلی گئی۔ میں وہیں بیٹھا آسمان کو تکتا رہا۔ بادل بہت گہرے تھے اور میرا خیال تھا کہ بات بوندا باندی تک ہی محدود نہیں رہے گی۔ بادلوں کی ہیئت دیکھ کر تیز اور موسلا دھار بارش کے امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ہوا میں بھی بتدریج تیزی آتی جا رہی تھی۔ جو میرے اس خیال کی تصدیق کر رہی تھی۔

بوندا باندی تیز ہو گئی۔ رتنا کھلی جگہ پر تھی اور پوری طرح بھیگ رہی تھی۔ میں درختوں کے نیچے تھا۔ اس لئے کسی حد تک بچا ہوا تھا۔ مجھے ششادری اور سمترا کی بھی فکر تھی لیکن یہ اطمینان بھی تھا کہ ان کے پاس گاڑی موجود ہے۔

میں ابھی یہ سب کچھ سوچ رہا تھا کہ سمترا کی کار بریکوں کی تیز چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ گیٹ کے سامنے رکی۔ رتنا نے جلدی سے آگے بڑھ کر گیٹ کھول دیا اور گاڑی اندر آ گئی۔

سٹیئرنگ کے سامنے بیٹھی ہوئی سمترا کو دیکھ کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑ رہی تھیں۔ اس کے ساتھ ششادری کو نہ دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا تھا۔ میں اٹھ کر تیزی سے اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس دوران رتنا بھی گیٹ بند کر کے قریب آ گئی۔ سمترا انجن بند کر کے نیچے اتر رہی تھی۔

"کیا ہوا... اتنی بدحواس کیوں ہو۔ ششادری کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ششادری۔" سمترا کے ہونٹ کپکپائے۔ "وہ... وہ... پکڑی گئی۔"

"کیا...؟" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے سر پر بم پھٹ پڑا ہو اور میں بے حس و حرکت کھڑا سمترا کے چہرے کو تکتا رہا۔

بارش تیز ہو گئی تھی۔ ہم اندر آ گئے۔ سمترا کے چہرے پر زردی پھیلی ہوئی تھی اور رتنا کی حالت اس سے بھی بدتر تھی۔ وہ پوری طرح بھیگی ہوئی تھی اور یہ شاید کسی انجانے خوف کا اثر تھا کہ اس پر ہلکی سی کپکپاہٹ طاری ہو رہی تھی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی اپنے کمرے میں گھس گئی اور چند منٹ بعد کپڑے بدل کر واپس آ گئی۔ اس نے سردی سے بچنے کیلئے ایک چادر بھی اوڑھ لی تھی۔

"یہ... یہ سب کچھ کیسے ہوا؟" تم اس وقت کہاں تھیں۔ میں نے سمترا سے پوچھا اور اسے ہاتھ سے پکڑ کر صوفے پر بٹھا دیا۔

"ہم مختلف بازاروں میں شاپنگ کرتی پھر رہی تھیں۔" سمترا کہہ رہی تھی۔ "میں ایک دکان پر رک گئی جبکہ ششادری کچھ آگے نکل گئی۔ میں نے جیسے ہی اس کے قریب پہنچنا چاہا دو آدمیوں نے ششادری کو دائیں بائیں بانہوں سے پکڑ لیا اور اسے کھینچتے ہوئے ایک طرف لے گئے۔ میں رک گئی۔ ششادری نے مجھے دیکھ لیا تھا لیکن اس نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی جس سے دوسروں کو شبہ ہوتا کہ میں بھی اس کے ساتھ ہوں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"ان دونوں آدمیوں کا تعلق پولیس سے تھا۔ وہ ششادری کو کچھ دور لے جا کر رک گئے۔ ایک آدمی نے بڑی بے دردی سے اس کی تلاشی لے کر اس کے لباس سے ریوالور برآمد کر لیا۔ کچھ اور لوگ بھی جمع ہو گئے تھے میں بھی اس ہجوم میں کسی قدر پیچھے ہٹ کر کھڑی تھی۔ ہجوم میں سے ایک دو آدمیوں نے ان دونوں آدمیوں کی ششادری کے ساتھ بدتمیزی کرنے پر ٹوکا تھا جس پر ان میں سے ایک آدمی نے بتایا کہ ان کا تعلق پولیس سے ہے اور ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ عورت ان خطرناک اتنک وادیوں کی ساتھی ہے جنہیں کئی روز سے تلاش کیا جا رہا ہے۔"

دوسرے لوگوں کی طرح میں نے بھی اس طرف دیکھا تو مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

ہونے لگا سامنے دیوار پر تین چار بڑے بڑے پوسٹر لگے ہوئے تھے جن پر ششادری کی دس بائے آٹھ انچ کی رنگین تصویر تھی اور اس کے ساتھ موٹے موٹے حروف میں لکھا ہوا تھا کہ ششادری نامی یہ عورت اس خطرناک پاکستانی دہشت گرد کی ساتھی ہے جسے سرگرمی سے تلاش کیا جا رہا ہے۔ اس کی نشاندہی کرنے والے کو ایک لاکھ روپے انعام دیا جائے گا۔

ششادری نے بھی وہ پوسٹر دیکھ لیا اور پھر موقع پا کر مجھے اشارہ کر دیا۔ میں خاموشی سے وہاں سے دور ہٹتی چلی گئی۔ "میرا خیال ہے کہ وہ پوسٹر آج ہی شہر میں لگائے گئے ہیں جس سے وہ فوراً پہچان لی گئی۔ یہ... یہ دیکھو..." اس نے خاموش ہو کر اپنے ہینڈ بیگ میں سے ایک تہہ کیا ہوا پوسٹر نکال کر میز پر پھیلا دیا۔ میں جب اپنی کار کے قریب پہنچی تو قریب ہی ایک دیوار پر ایسے ہی پوسٹر لگے ہوئے تھے۔ میں نے محتاط نظروں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے دیوار پر سے یہ پوسٹر پھاڑ لیا۔

پوسٹر سائیڈوں سے پھٹا ہوا تھا کچھ تحریر بھی اگرچہ پھٹ گئی تھی لیکن تصویر بالکل مکمل تھی۔ دس بائی آٹھ انچ سائز کی یہ تصویر گلابی رنگ کی ساڑی میں تھی۔ سینے پر بائیں طرف آئی ٹی ڈی سی (انڈین ٹورازم ڈویلپمنٹ کارپوریشن) کا بیج لگا ہوا تھا۔ مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ یہ تصویر یا تو ششادری کے دفتری ریکارڈ سے حاصل کی گئی تھی یا اس کے گھر کی تلاشی کے دوران پولیس کے ہاتھ لگی تھی۔

جے پور سے ہمارے فرار کے بعد نندنی پکڑی گئی تھی۔ اس نے یہ انکشاف کیا ہوگا کہ ششادری ہمارے ساتھ تھی اور جب ہم سارسکا سے لینڈ کروزر پر فرار ہوئے تھے تو وہاں کا منیجر یہ سمجھا تھا کہ ہم ششادری کو یرغمال بنا کر لے گئے ہیں لیکن نندنی کے انکشاف کے بعد ششادری کا آفس ریکارڈ کھنگالا گیا ہوگا اور پارک میں بیشودھر نالا کے کوارٹر کی بھی تلاشی لی گئی ہوگی۔ ہوسکتا ہے یہ تصویر کوارٹر میں ششادری کے سامان ہی سے ملی ہو۔"

میں بیشودھر کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ بوڑھا آدمی تھا۔ اس پر تشدد بھی کیا گیا ہوگا اور اس نے پولیس کو وہی کہانی سنائی ہوگی جو ہم نے اسے سنائی تھی۔

میری یا رتنا کی پولیس کے پاس کوئی تصویر نہیں تھی۔ صرف ببانی مجھے یا رتنا کو شناخت کر سکتی تھی مگر ششادری کی صورت میں ان کے ہاتھ ایک کلیو آ گیا تھا۔ انہیں ششادری کی تصویر مل گئی جسے پوسٹر پر چھاپ دیا گیا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ ششادری کے ذریعے ہم تک پہنچ جائیں گے۔ ششادری کئی روز بعد آج ہی نکلی تھی اور شہر میں پوسٹر بھی آج ہی لگے تھے۔ اسے دیکھتے ہی شناخت کر لیا گیا اور وہ پکڑی گئی۔

"اب کیا ہوگا؟" سحر نے میری طرف دیکھا۔ وہ اب تک خوف زدہ تھی۔ "میں ششادری کے بارے میں کچھ نہیں جانتی اس وقت اگرچہ وہ مجھ سے بالکل لاتعلق ہوگئی تھی اور مجھے وہاں سے چلے جانے کا اشارہ بھی کیا تھا لیکن پولیس والے جب اسے تھانے لے جا کر پوچھ گچھ کریں گے تو وہ ہمارے بارے میں بتا دے گی۔"

"ششادری سے میری ملاقات زیادہ پرانی تو نہیں لیکن جس طرح اس نے ہمارا ساتھ دیا ہے ہمارے لئے اپنی جان خطرے میں ڈالے رکھی ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ہمارے بارے میں

زبان نہیں کھولے گی۔ وہ اپنی جان تو دیدے گی مگر پولیس کو ہمارے بارے میں کچھ نہیں بتائے گی۔" میں نے کہا۔ مجھے اگرچہ ششادری پر پورا بھروسہ تھا لیکن میں ہندوستان کی پولیس کے طریقہ کار سے بھی واقف تھا۔

معاملہ اگرچہ عام چوروں اچکوں کا ہوتا تو شاید ششادری کے ساتھ رعایت برتی جاتی لیکن معاملہ اس دہشت گرد کا تھا جس نے ہند سرکار کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا تھا۔ پورے ہندوستان کی پولیس کو انگلیوں پر نچا رکھا تھا۔ انہیں ششادری کی صورت میں میرے خلاف ایک سراغ مل گیا تھا وہ اس سے میرے بارے میں معلوم کرنے کیلئے تشدد کا آخری حربہ تک استعمال کر ڈالیں گے۔ ششادری پھر عورت تھی تشدد کا نشانہ بن کر میں نے بڑے بڑے سخت جان آدمیوں کو ٹوٹتے دیکھا تھا۔ ششادری شاید تشدد برداشت نہ کر سکے اور زبان کھول دے لیکن اتنا میں جانتا تھا کہ ششادری بھی چند گھنٹوں تک تو انہیں کچھ نہیں بتائے گی۔ گویا اس طرح ہمارے پاس چند گھنٹے باقی تھے اور ہمیں جو کچھ بھی کرنا تھا اور ان چند گھنٹوں میں ہی کرنا تھا۔

"یہ کوئی معمولی کیس نہیں ہے۔" رتنا نے کہا۔ "تم ان لوگوں سے اچھی طرح واقف ہو۔ ہمارے بارے میں معلوم کرنے کیلئے وہ ششادری کے شریر کا جوڑ جوڑ الگ کر دیں گے اس سے پہلے کہ ہمارے بارے میں زبان کھول دے ہمیں اپنا بندوبست کر لینا چاہئے۔"

"اس کا تو پھر ایک ہی طریقہ ہے۔" میں نے کہا۔ "یا تو ہم فوری طور پر اس شہر سے نکلنے کی کوشش کریں یا کوئی اور ٹھکانہ تلاش کر لیں۔"

"شہر سے نکلنا اب ممکن نہیں ہے۔" سحر بولی۔

"ششادری کی گرفتاری کے فوراً بعد شہر سے باہر جانے والے ہر راستے کی ناکہ بندی کر دی گئی ہوگی اور پھر کوئی دوسرا ٹھکانہ۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "وہ سامنے والا بنگلہ۔ ہم وہیں پناہ لے سکتے ہیں۔"

"بیکار ہے۔" میں نے اس کی تجویز رد کر دی۔ "یہاں یا سامنے والے بنگلے میں رہنا ایک ہی بات ہے۔ ششادری نے اگر زبان کھول دی تو وہ یہ بھی بتا دے گی کہ ہم یہاں سے نکل کر کہاں پناہ لے سکتے ہیں اس لئے کوئی اور بات سوچو۔"

"کوئی اور بات کوئی اور ٹھکانہ۔" سحر بڑبڑائی۔ "میری سمجھ میں تو کوئی بات نہیں آ رہی۔"

"اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم خالی پیٹ ہیں اور خالی پیٹ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔" یہ بات رتنا نے کہی تھی۔ ہم نے صبح ساڑھے سات بجے کے قریب ناشتہ کیا تھا اور اس وقت ڈیڑھ بجنے والا تھا۔ رتنا کے یاد دلانے پر مجھے بھی بھوک کا احساس ہونے لگا۔

رتنا اور سحر اٹھ کر باہر چلی گئیں۔ سحر نے بازار سے کچھ چیزیں خریدی تھیں جو ابھی تک کار ہی میں پڑی تھیں۔ باہر بارش تیز ہوگئی تھی۔ کار برآمدے کے سامنے پورچ میں کھڑی تھی اس لئے بارش سے محفوظ تھی۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

بازار سے لائی ہوئی چیزوں میں سبزیوں کے علاوہ پھل اور دو تندوری چکن بھی تھیں اس کے علاوہ کچھ اور چیزیں بھی تھیں۔

"یہ تندوری چکن میں نے ششادری کے کہنے پر خریدے تھے۔" سمترا نے بنڈل کھولتے ہوئے کہا۔ "اس نے کہا تھا کہ دوپہر کے کھانے میں یہی کھائیں گے اور رات کو سبزی پکائیں گے۔ بے چاری۔" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "پتہ نہیں اسے کچھ کھانے کو ملا ہے یا نہیں۔"

ششادری کے ساتھ جو کچھ ہونے والا تھا اسکا تصور ہی روح فرسا تھا۔ مجھ سے ایک دو لقموں سے زیادہ نہیں کھایا گیا۔ رتنا کو زیادہ بھوک لگ رہی تھی اس نے بھی ایک دو نوالے کھانے کے بعد ہاتھ کھینچ لیا۔ سمترا کی بھی کچھ ایسی ہی کیفیت تھی۔ اس نے سب کچھ سمیٹ کر رکھ دیا اور چائے بنا کر لے آئی۔

ہم ابھی چائے پی رہے تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ہم اس طرح اچھل پڑے جیسے قریب ہی بم پھٹا ہو۔ ہم سب معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ سمترا کے بوڑھے عاشق کا فون عام طور پر رات کو آیا کرتا تھا اور اس وقت یہ فون کس کا ہوسکتا ہے۔ کیا ششادری نے زبان کھول دی ہے اور کیا وہ لوگ فون کے ذریعے یہ تصدیق کرنا چاہتے ہیں کہ ہم اس بنگلے پر موجود ہیں یا نہیں؟ لیکن میں نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ اگر ششادری نے ہمارے بارے میں بتا دیا ہوتا تو پولیس والے یہاں فون نہیں کرتے بلکہ اس وقت بنگلے کو چاروں طرف سے گھیرا جا چکا ہوتا اور پولیس والے اندر داخل ہونے کیلئے بنگلے کی دیواریں پھاند رہے ہوتے۔

سمترا میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے اسے ریسور اٹھانے کا اشارہ کیا۔ کال ریسیو کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹیلی فون کے قریب چلی گئی اور ہاتھ آگے بڑھا کر ریسور اٹھا لیا اس کا ہاتھ ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔

"ہیلو۔" اس کے مرتعش ہونٹوں سے مردہ آواز نکلی اور پھر دوسری طرف کی آواز سن کر اس کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا اور اس کے چہرے پر بھی طمانیت سی آ گئی۔

وہ تقریباً پانچ منٹ تک فون پر بات کرتی رہی۔ اس کے چہرے کے تاثرات اور انداز گفتگو سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ روپ سیہائے کی کال تھی۔

وہ ریسور رکھ کر مڑی تو اس کے چہرے پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ "اپنا سامان سمیٹو۔ جلدی ہمارے لئے دوسرے ٹھکانے کا بندوبست ہو گیا ہے۔" وہ باری باری ہماری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"کس کا فون تھا؟" میں نے پوچھا۔

"میرے عاشق کا۔" سمترا کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ "مجھے آج پہلی مرتبہ پتہ چلا ہے کہ یہاں اس کا کوئی اور بنگلہ بھی ہے۔ جہاں اس کے گھر کے افراد آ کر ٹھہرتے ہیں۔ دوسرے تیسرے مہینے ایک آدھ مرتبہ۔"

"لیکن تم نے تو ایسی بات نہیں کی تھی۔ اسے کیسے؟"

"اسے اطلاع مل گئی ہے کہ یہاں تیز بارش ہو رہی ہے۔" سمترا نے میری بات کاٹ دی۔ "اسے یہ پتہ بھی چل چکا ہے کہ چند روز پہلے میں نے ملازمہ کو نکال دیا تھا۔ اس نے خود ہی کہا تھا کہ بارش میں اس علاقے کی سڑکوں پر سیلاب آ جاتا ہے میں کہیں نکل نہیں سکوں گی اور پہلے سے زیادہ اکیلی ہو جاؤں گی۔ اس لئے اس نے کہا کہ میں اس کے دوسرے بنگلے میں چلی جاؤں۔ وہاں چوکیدار موجود ہے جسے فون پر میرے بارے میں اطلاع دی جا چکی ہے۔"

"شاید خدا نے ہماری سن لی' کہاں ہے وہ بنگلہ؟" میں نے کہا۔

"مین روڈ کے دوسری طرف۔" سمترا نے جواب دیا۔ "وہاں سے میں اکثر گزرتی ہوں۔ وہ بڑے بنگلے ہیں اب تم لوگ اپنی چیزیں سمیٹو۔ میں بھی تیاری کر لوں۔"

اور پھر پندرہ منٹ کے اندر اندر ہم کار میں بیٹھ رہے تھے۔ سمترا نے بنگلے کے تمام دروازے اور کھڑکیاں وغیرہ بند کر دی تھیں۔ اپنی ضرورت کی چیزوں کے علاوہ اس نے بازار سے لائی ہوئی چیزیں اور بچا ہوا کھانا بھی ایک شاپنگ بیگ میں ڈال لیا تھا اور رتنا نے بھی اپنا تھیلا سینے سے لگا رکھا تھا۔

بارش کچھ اور تیز ہو گئی تھی اور اب تو گھن گرج کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ سڑکوں پر واقعی سیلابی کیفیت تھی۔ اگر ہموار علاقہ ہوتا تو یہ صورت حال نہ ہوتی لیکن ٹیلوں کی طرف سے آنے والا پانی بڑی تیز رفتاری سے سڑکوں پر بہہ رہا تھا۔

"روپ سیہائے واقعی تمہارا سچا عاشق ہے۔" رتنا نے کہا۔ "وہ اتنی دور بیٹھا ہوا ہے لیکن اسے تمہاری فکر ہے تمہیں اس کی قدر کرنی چاہئے۔"

"تمہارے خیال میں اس کی قدر کس طرح کی جانی چاہئے۔؟" سمترا نے پوچھا۔

"یہ تم بہتر سمجھ سکتی ہو۔" رتنا نے جواب دیا۔

بارش کی وجہ سے سڑکوں پر ٹریفک بالکل ختم ہو گیا تھا۔ کوئی اکا دکا گاڑی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ بنگلہ وہاں سے ڈیڑھ دو میل سے زیادہ دور نہیں تھا۔ زیادہ سے زیادہ پانچ چھ منٹ میں وہاں پہنچا جا سکتا تھا لیکن سڑکیں پانی میں ڈوبی ہوئی تھیں جس وجہ سے یہ فاصلہ آدھے گھنٹے میں طے ہوا اور پھر چند منٹ وہ بنگلہ تلاش کرنے میں لگ گئے۔

ڈبل سٹوری کا بہت شاندار محل نما بنگلہ تھا۔ سامنے والے حصے پر سنگ مرمر بکثرت استعمال کیا گیا تھا۔ سمترا نے بنگلے کے سامنے کار روکی تو میں اتر کر کال بیل بجانے لگا لیکن گھنٹی نہیں بجی۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہاں کی بجلی جا چکی ہے۔ میں گیٹ کو زور زور سے دھڑ دھڑانے لگا۔ جھری میں سے جھانک کر دیکھا تو ایک آدمی چھتری تانے پورچ سے نکل کر گیٹ کی طرف آ رہا تھا۔ میں دوبارہ کار میں بیٹھ گیا۔ زیادہ سے زیادہ ایک منٹ باہر رہا ہوں گا لیکن اتنی سی دیر میں ہی پانی سے شرابور ہو چکا تھا۔

اس شخص نے پہلے ذیلی دروازہ کھول کر باہر جھانکا پھر آگے آ کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی سمترا سے پوچھنے لگا کہ اسے کس سے ملنا ہے۔

"گیٹ کھولو۔" سمترا نے بارعب لہجے میں کہا۔ "تمہیں روپ سیہائے سے فون پر اطلاع نہیں ملی۔"

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

"اطلاع مل گئی تھی۔ میڈم۔ ابھی گیٹ کھولتا ہوں۔" وہ تیزی سے اندر چلا گیا

اسے اطلاع سمترا کے بارے میں ملی ہوگی۔ لیکن اس کے ساتھ ہمیں دیکھ کر شاید الجھ گیا تھا۔ گیٹ کھلتے ہی سمترا کار کو اندر لے گئی اور گیٹ سے کافی دور وسیع و عریض پورچ میں لے جا کر روک لیا۔ اس دوران چوکیدار بھی باہر کا گیٹ بند کر کے وہاں پہنچ گیا۔

وہ لمبا تڑنگا آدمی تھا۔ عمر پینتیس اور پچاس کے درمیان ہی ہوگی۔ سر گنجا لیکن مونچھیں روایتی راجپوتوں کی طرح بہت بڑی بڑی تھیں جنہیں دیکھ کر خوف آتا تھا۔ اس نے دھوتی اور کرتا پہن رکھا تھا۔ کمر پر چوڑا بیلٹ تھا جس کے بائیں طرف ہولسٹر سے پستول کا دستہ بھی جھانک رہا تھا۔

"یہ سامان اندر لے چلو۔" سمترا نے کار کی ڈکی کھول دی۔

چوکیدار نے ڈکی میں سے سامان اٹھا لیا۔ ایک دو چیزیں مجھے اٹھانی پڑی تھیں۔

اندر آتے ہی میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔۔ بہت وسیع و عریض ہال تھا جس میں دبیز قالین اور تھوڑے تھوڑے فاصلے پر قیمتی صوفہ سیٹ لگے ہوئے تھے۔ ہر صوفے کے سامنے ایک کافی ٹیبل تھی۔ سنٹر ٹیبل پر شمع دان رکھا ہوا تھا۔ جس میں اگرچہ چار موم بتیاں لگی ہوئی تھیں مگر صرف ایک موم بتی جل رہی تھی۔

"بجلی کب گئی تھی؟" سمترا نے پوچھا۔

"آدھا گھنٹے پہلے میڈم۔" چوکیدار نے جواب دیا اور سامان ایک طرف رکھ کر شمع دان کی دوسری موم بتیاں جلا دیں۔

میں اب بھی اس ہال کمرے کو دیکھ رہا تھا۔ ایک طرف دو راہداریاں تھیں جو کمروں کی طرف جاتی تھیں ایک طرف کی دیوار شیشے کی تھی جس کے سامنے اگرچہ شیفون جیسے کپڑے کا بہت باریک پردہ پڑا ہوا تھا مگر دوسری طرف کا منظر صاف نظر آ رہا تھا وہ ڈرائنگ روم تھا جس میں ایک بہت بڑی ٹیبل اور کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ اس کے پرلی طرف کچن کا محرابی دروازہ تھا۔ ڈرائنگ ٹیبل پر بھی موم بتی جل رہی تھی۔

بائیں طرف ایک کشادہ زینہ تھا جو ذرا سا خم کھاتا ہوا اوپر چلا گیا تھا۔ زینے پر سرخ قالین بچھا ہوا تھا اوپر چاروں طرف کشادہ گیلری تھی جس کے آگے ریلنگ لگی ہوئی تھی۔

"کیا نام ہے تمہارا؟" سمترا نے چوکیدار سے پوچھا۔

"رانا رنبیر سنگھ" اس نے جواب دیا۔ اس کے حلیے اور اس کا نام سے مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ راجپوت تھا۔

"اچھا رانا تم ہمارے لئے چائے بناؤ۔ ہم ذرا یہ بنگلہ دیکھ لیں اور یہ طے کر لیں کہ ہمیں کن کمروں میں [illegible]"

"بیٹھنے سے کوئی [illegible] کمرے میں [illegible]" رانا نے کہا۔ "آپ یہاں بیٹھو۔ میں چائے [illegible] بنگلہ [illegible]۔ اس وقت تک شاید بجلی بھی آ جاوے۔"

"ٹھیک ہے تم چائے بناؤ۔" سمترا کہتے ہوئے ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔

ہم نے بھی صوفوں پر بیٹھنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ مجھے بہرحال یہ اطمینان ہو گیا تھا کہ ہمیں ایک محفوظ جگہ مل گئی تھی لیکن ششادری کی طرف سے یہ پریشانی بدستور تھی اس کے ساتھ پتہ نہیں کیا سلوک کیا جا رہا ہوگا۔

ہم تینوں دبے لہجے میں اس کے بارے میں باتیں کر رہے تھے کہ بتی آ گئی۔ اک لمحہ میری آنکھیں چندھیا سی گئیں۔ لیکن بہت جلد میری آنکھیں تیز روشنی سے مانوس ہو گئیں۔ تھوڑی دیر بعد رانا رنبیر چائے بھی لے آیا۔

"ایک بات پوچھاں میڈم۔ برا تو نا ماننو گی۔" اس نے سمترا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں جھجک سی تھی۔

"میں سمجھتی ہوں تم کیا پوچھنا چاہتے ہو۔" سمترا نے کہا۔ "یہ میری دیدی ہیں اور یہ میرے جیجا۔ آج صبح ہی گوڑگاؤں سے آئے ہیں۔ یہ بھی یہیں رہیں گے۔ روپ بھیا کا فون آئے گا تو میں اسے بتا دوں گی۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"جی میڈم۔" رانا رنبیر نے ادب سے جواب دیا۔ بجلی آ جانے کے بعد ایک بات میں نے خاص طور سے نوٹ کی تھی کہ وہ بار بار کن انکھیوں سے رتنا کی طرف دیکھ رہا تھا۔

چائے پینے کے بعد ہم اٹھ کر بنگلہ دیکھنے لگے۔ بہت بڑا بنگلہ تھا۔ نچلے حصے میں کئی وسیع و عریض بیڈ رومز تھے ہر کمرہ شاندار اور قیمتی سازوسامان سے آراستہ تھا۔ اوپر بھی ایک وسیع ہال تھا اور چار بیڈ رومز تھے۔ سامنے کے رخ پر بہت بڑا ٹیرس تھا جس کے آدھے حصے پر جھکا ہوا کنکریٹ کا سائبان تھا اور آدھا حصہ کھلا ہوا تھا۔

چاروں بیڈ رومز سازوسامان سے آراستہ تھے میں نے اپنے لئے وہ کمرہ پسند کیا جس کی ایک بڑی کھڑکی ٹیرس کی طرف تھی اور دوسری بائیں طرف جہاں سے لان کا نظارہ کیا جا سکتا تھا جبکہ رتنا اور سمترا نے ہال کے دوسری طرف سامنے والے کمرے کا انتخاب کیا تھا۔ ان دونوں نے ایک ہی کمرے میں رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔ رتنا نے اپنا تھیلا میرے کمرے کی الماری میں رکھ دیا تھا۔ سمترا نے رانا رنبیر سے کہہ کر اپنا سامان اوپر منگوا لیا تھا۔

ٹیلی فون نیچے تھا اور اس کی ایکسٹینشن اوپر والے ہال میں موجود تھی۔

"رانا رنبیر سنگھ۔" رتنا نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "میرے ساتھ آئے ہوئے سامان کے ایک تھیلے میں کچھ کھانے پینے کی چیزیں ہیں۔ گرم کر کے لے آؤ۔ ہم یہاں ٹیرس پر بیٹھے ہیں۔"

"یس میڈم۔" رنبیر سر ہلاتا ہوا نیچے چلا گیا۔

رانا رنبیر سنگھ پڑھا لکھا آدمی تھا۔ اس کی اردو بھی بہت صاف تھی لیکن اپنی مادری زبان کے الفاظ بھی شامل کر دیتا اور کبھی انگریزی میں بات کرنے لگتا۔

ہم ٹیرس میں آ کر ٹیرس میں بیٹھ گئے۔ موسلا دھار بارش میں چند گز آگے کی کوئی چیز بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ ہماری باتوں کا موضوع ایک ہی تھا۔ ششادری اس پر کیا بیت رہی ہوگی۔ اس

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

دھواں دار بارش میں ہماری تلاش کے حوالے سے پولیس کی سرگرمیاں بھی ماند پڑ گئی ہوں گی لیکن اگر ششادری نے زبان کھول دی ہو تو پولیس سمترا والے بنگلے پر پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگائے گی لیکن نجانے مجھے ششادری پر اتنا اعتماد کیوں تھا کہ وہ اپنی جان دیدے گی مگر ہمارے بارے میں زبان نہیں کھولے گی۔

ایک اور خیال بھی میرے ذہن میں آ رہا تھا۔ اگر ششادری نے زبان کھول دی تو پولیس یہاں تک بھی پہنچ سکتی ہے۔ سمترا والے بنگلے میں کسی کو نہ پا کر پولیس والے آس پاس کے رہنے والوں سے معلومات حاصل کریں گے۔ روپ سیہائے یہاں اتنا غیر معروف تو نہیں تھا۔ پولیس کو جلد ہی پتہ چل جائے گا کہ وہ بنگلہ روپ سیہائے نے خریدا تھا اور پھر پولیس کے لئے یہاں تک پہنچنا مشکل نہیں ہوگا۔

یہ تمام اگرچہ مفروضے تھے مگر میں بھی احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ ہوسکتا ہے بارش کی وجہ سے پولیس کی کارروائی کچھ سست ہو مگر کسی بھی وقت کسی کارروائی کی توقع کی جاسکتی تھی۔

بارش کی روانی کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ شام سے پہلے رکنے والی نہیں تھی۔ ممکن ہے اس تسلسل سے رات تک برستی رہے۔

رانا رنبیر چکن اور نان گرم کرکے لے آیا۔ اس نے یہ چیزیں ہمارے سامنے میز پر رکھ دیں اور ایک طرف کھڑا ہوگیا۔ پہلے ہم میں سے کسی نے بھی ایک دو نوالوں سے زیادہ نہیں کھایا تھا اور اب بھوک لگنے لگی تھی جو کچھ ہمارے سامنے رکھا تھا سب چٹ کر گئے۔ کھانے کے بعد چائے بھی وہیں بیٹھ کر پی۔

اس وقت چار بجنے والے تھے۔ تین گھنٹوں کی مسلسل بارش کی وجہ سے موسم میں اچھی خاصی خنکی آ گئی تھی۔ رتنا اور سمترا کو سردی لگ رہی تھی۔ ہم ٹیرس سے اٹھ کر میرے والے کمرے میں آ گئے میں نے دونوں طرف کی کھڑکیوں کے پردے ہٹا دیئے۔

رتنا اور سمترا بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں اور دونوں نے ایک ہی چادر اوڑھ لی۔ میں سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔ یہاں سے گیٹ بھی نظر آ رہا تھا اور میں بار بار گیٹ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

رتنا اور سمترا باتیں کرتے کرتے سو گئیں۔ مجھ پر بھی غنودگی سی طاری ہو رہی تھی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا اور کرسی سے اٹھ کر سیٹی پر دراز ہوگیا اور کچھ دیر بعد میں سو چکا تھا۔

شام چھ بجے کے قریب میری آنکھ کھلی اس وقت بارش کا زور اگرچہ ٹوٹ چکا تھا مگر رکی نہیں تھی۔

شام کی چائے ہم نے نچلے ہال میں پی اور وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ باہر کی ہمیں کوئی خبر نہیں تھی۔ خبر حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ بھی نہیں تھا۔ ہمارے لئے باہر نکلنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ لیکن باہر کے حالات معلوم کرنا بہت ضروری تھا۔

''میڈم صاحبہ! ہم ذرا بازار جاوت ہوں، آپ کو کچھ چیز منگوانا ہو تو بتا دو۔'' رانا رنبیر نے سمترا کے قریب آ کر کہا۔

''نہیں، ہمیں تو کوئی چیز نہیں منگوانی، تم کیا لینے جا رہے ہو؟'' سمترا نے پوچھا۔

''رات کے کھانے کا سامان لینے جا رہا ہوں جی۔'' رانا نے جواب دیا۔

''میں بھی رانا رنبیر کے ساتھ ہی باہر آ گیا۔ میں تو برآمدے میں رک گیا اور وہ برآمدے سے نکل کر دوڑتا ہوا بائیں طرف چلا گیا جہاں تین چار گیراج بنے ہوئے تھے۔''

ہائی روف باہر نکل جانے کے بعد میں گیٹ بند کرکے آ گیا۔ رتنا اور سمترا بھی برآمدے میں آ گئی تھیں ہم وہیں کرسیوں پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ اندر سے فون کی گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔ سمترا اٹھ کر اندر چلی گئی۔ وہ تقریباً بیس منٹ بعد واپس آئی تھی اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

''اس بڈھے کو پتہ چل گیا ہے کہ تم لوگ بھی یہاں میرے ساتھ موجود ہو۔'' وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''اوہ...'' میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ''کیا وہ ہمیں جانتا ہے، لیکن اسے کیسے پتہ چلا کہ ہم یہاں موجود ہیں۔''

''جب ہم سو رہے تھے تو اس کا فون آیا تھا۔'' سمترا نے بتایا۔ ''رانا رنبیر نے اسے بتا دیا تھا کہ میرے ساتھ کوئی مہمان بھی ہیں۔ وہ تم لوگوں کو نہیں جانتا لیکن پوچھ رہا تھا کہ مہمان کون ہیں۔''

''پھر... تم نے کیا جواب دیا؟'' میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ ''یہی کہ میری دیدی اور جیجا جی آئے ہیں۔'' سمترا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''اسے معلوم تھا کہ میں اپنے عزیزوں سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ اس نے خوشی کا اظہار کیا ہے کہ اب میں اکیلی نہیں رہوں گی۔''

''اس کا آنے کا پروگرام تو نہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''کم از کم ایک ہفتہ تک اس کا یہاں آنے کا کوئی ارادہ نہیں۔'' سمترا نے جواب دیا۔ ''اور ہوسکتا ہے اس وقت تک ہم یہاں سے جا چکے ہوں۔''

''تو گویا تم نے یہاں سے جانے کا ارادہ کرلیا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''ہاں... میں ان حالات سے تنگ آ گئی ہوں کہیں دور جا کر پرسکون زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔'' سمترا نے جواب دیا۔

میں کچھ کہنا چاہتا تھا مگر باہر کار کے ہارن کی آواز سن کر رک گیا۔ گیٹ کے سامنے کوئی گاڑی رکی تھی۔ میں اٹھ کر گیٹ کی طرف چل پڑا۔

وہ رانا رنبیر سنگھ تھا جو ایک گھنٹے میں واپس آ گیا تھا میں نے گیٹ کھول دیا وہ گاڑی اندر لے آیا اور گیراج میں لے جا کر روک دی۔ چند منٹ بعد میں برآمدے کی طرف آیا اس کے ہاتھ میں سبزی ترکاری کے تھیلے کے علاوہ ایک اخبار بھی تھا جو تہہ کیا ہوا تھا۔

''یہ اخبار ادھر دکھانا ذرا... کوئی خاص خبر ہے کیا؟'' سمترا نے ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔

''بہت کھاس کھبر ہے میڈم!'' رنبیر سنگھ نے اخبار اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''آتنک وادیوں کی ایک ساتھی پکڑی گئی اور...''

سمترا نے اس کے ہاتھ سے اخبار لے کر کھول لیا۔ میں بھی اس کی طرف جھک گیا۔ وہ مقامی بندی پیپر تھا۔ یہ اخبار اگرچہ صبح کو شائع ہوتا تھا مگر یہ خصوصی ضمیمہ تھا جو صرف ایک ورق پر مشتمل تھا جو کچھ بھی

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

چھپا تھا ایک ہی طرف چھپا تھا۔ دوسری طرف سے بالکل سادہ تھا۔

"پاکستان آتنک وادی کی ساتھی پکڑی گئی۔"

"اس اخبار کی ہیڈ لائن تھی۔ تفصیل کے مطابق پاکستانی دہشت گردی اور اس کے ساتھیوں کی کوئی تفصیل سرکار کے پاس نہیں تھی جس سے ان کی شناخت ہوسکتی تھی لیکن تین چار روز پہلے یہ انکشاف ہوا کہ جے پور میں محکمہ نورازم کی ششادری دیوی نامی ایک گائیڈ بھی ان کے ساتھ مل گئی تھی جس نے نہ صرف انہیں جے پور میں میں پناہ دے رکھی تھی بلکہ انہیں جے پور سے فرار میں مدد دی تھی۔"

پولیس نے ششادری کی تصویر کے پوسٹر شائع کرنے کا فیصلہ کیا۔ پولیس کا یہ خیال تھا کہ ششادری کی شناخت کے ذریعے اصل دہشت گردوں تک پہنچنا آسان ہوگا۔ یہ پوسٹر گزشتہ رات جے پور سے کوٹ پتلی پہنچے تھے جو رات ہی رات میں شہر کی دیواروں پر لگا دیئے گئے جس کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا اور آج صبح ساڑھے دس بجے کے قریب ششادری کو ریشم بازار سے گرفتار کرلیا گیا۔ خیال ہے کہ اس وقت ششادری کے دوسرے ساتھی بھی آس پاس موجود تھے جو فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ پولیس ایک طرف انہیں سرگرمی سے تلاش کررہی ہے اور دوسری طرف ششادری سے پوچھ گچھ کی جارہی ہے۔ طوفانی بارش کے باوجود پولیس کی سرگرمیاں جاری ہیں اور مشکوک مقامات پر چھاپوں کے علاوہ مشتبہ افراد کو بھی حراست میں لے کر پوچھ گچھ کی جارہی ہے۔

ایک اور خبر جو میرے خیال میں سب سے زیادہ اہم تھی' یہ تھی کہ دہشت گردوں کی گرفتاری کے اس آپریشن کی انچارج را کی اعلیٰ آفیسر بیلا کو بھی ٹیلی فون کے ذریعے جے پور میں اطلاع دی جاچکی ہے۔ بیلا ہیلی کاپٹر کے ذریعے کوٹ پتلی آنے والی تھی لیکن شدید بارش کی وجہ سے اسے اپنا پروگرام ملتوی کرنا پڑا جیسے ہی موسم بہتر ہوگا وہ کوٹ پتلی پہنچ جائے گی۔

ایک اور چھوٹی خبر کے مطابق پوچھ گچھ کے دوران ششادری کو تشدد کا نشانہ بنایا جارہا ہے لیکن اس نے ابھی تک اپنے ساتھیوں کے بارے میں زبان نہیں کھولی۔ وہ صرف ایک ہی بات دہرا رہی ہے کہ وہ ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ را کی آفیسر بیلا کے آنے کے بعد سنسنی خیز انکشافات کی توقع ہے۔ پولیس نہ صرف ہوٹلوں کو چیک کررہی ہے بلکہ شہر بھر کے پراپرٹی ڈیلروں سے بھی پوچھ گچھ کی جارہی ہے۔ وہ ان سے ہر ایسے شخص کے بارے میں جاننا چاہتی جس نے پچھلے دو چار دورن کوئی مکان کرائے پر لیا ہو۔

میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ اخبار کی ہر خبر ہمارے لئے تشویشناک تھی لیکن یہ بات ہمارے لئے باعث اطمینان تھی کہ ششادری نے ابھی تک زبان بند رکھی ہوئی تھی لیکن ہوسکتا ہے پولیس نے ابھی تک اس پر زیادہ تشدد نہ کیا ہو۔ تھپڑوں اور گھونسوں ہی سے کام چلانے کی کوشش کی جارہی ہو لیکن پولیس والے جب اصل حربے استعمال کریں گے تو شاید وہ اپنی زبان بند نہ رکھ سکے۔ تھرڈ ڈگری کے سامنے تو پتھر بھی بول پڑتے ہیں اور پھر بیلا کو اطلاع مل گئی تھی وہ بھی یہاں آنے والی تھی۔ بیلا کو میں اچھی طرح جانتا تھا وہ سب سے بڑی دہشت گرد تھی۔ ناگ راج کی ساتھی تھی جس نے دہشت گردی کے نئے نئے طریقے ایجاد کئے تھے اور بیلا ان سب طریقوں سے واقف تھی۔ وہ عورت تھی جو فطرتاً نرم مزاج ہوتی ہے

اسے صنف نازک کہا جاتا ہے۔ اس میں رحم اور ہمدردی کا جذبہ بھی مردوں کی نسبت زیادہ ہوتا ہے وہ کسی پر ظلم ہوتے نہیں دیکھ سکتی اور خود بھی کسی پر ظلم نہیں کرتی لیکن بیلا عورت تو تھی لیکن اس میں یہ صفات نہیں تھیں۔ وہ ایسے جذبات سے قطعی عاری تھی اس کی زندگی دہشت و بربریت سے عبارت تھی وہ را کی ایک ... سرکاری ادارہ تھا جس کی بنیاد ہی تخریب اور دہشت گردی پر رکھی گئی تھی جہاں ایسے کاموں کی ... تربیت دی جاتی تھی اور بیلا کا تو ناگ راج جیسے شخص سے بہت پرانا ساتھ رہا تھا۔ وہ عورت نہیں تھی ... تھی اور میرے معاملہ میں تو وہ کچھ زیادہ ہی حساس تھی۔ میں نے قدم قدم پر اسے شکست دی تھی۔ ذلیل ورسوا کیا تھا۔

وہ اب تک میری گرد کو بھی نہیں پا سکی تھی۔ میں کئی مرتبہ اس کے گھیرے میں آیا تھا لیکن ہر مرتبہ اسے نیچا دکھا کر بھاگ نکلا تھا اور اب اتفاق سے میری ایک ساتھی پولیس کے ہتھے چڑھ گئی تھی جس کے بارے میں بیلا کو بھی اطلاع دے دی گئی تھی اور وہ جے پور سے یہاں آنے والی تھی۔ یہ واحد سراغ تھا جس سے میرا پتہ چلایا جاسکتا تھا اور میرا خیال تھا کہ بیلا میرے بارے میں معلوم کرنے کیلئے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھے گی۔ وہ ششادری کا جوڑ جوڑ الگ کردے گی۔

ہم تینوں سرگوشیوں میں باتیں کررہے تھے۔ بارش ایک بار پھر تیز ہوگئی تھی۔ اندھیرا پھیل چکا تھا۔ سامنے والے بنگلوں کی بتیاں اجل اٹھی تھیں۔ آسمان سے برستی ہوئی پانی کی چادر کے پس منظر میں جھلملاتی ہوئی روشنیاں بڑی عجیب سی لگ رہی تھیں۔

برآمدے میں اگرچہ ٹیوب لائٹ روشن کردی گئی تھی مگر مچھروں نے ہم پر یلغار کردی تھی۔ ہم لوٹ اٹھ کر اندر آگئے۔ رانا رنبیر کچن میں تھا اور کچن اتنے فاصلے پر تھا کہ ہماری آواز اس تک نہیں پہنچ سکتی تھی اس کے باوجود ہم سرگوشیوں میں باتیں کررہے تھے۔

"کیا ہم ششادری کی کوئی مدد نہیں کرسکتے۔" رتنا نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ششادری کی مدد۔" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "وہ کیسے؟"

"اسے پولیس کی حراست سے چھڑانے کی کوشش کی جائے۔" رتنا بولی۔

"تم شاید سمجھ رہی ہو کہ کسی فلم کے کردار ہیں جو اسکرپٹ کے مطابق کام کررہے ہیں کہ بڑے اطمینان سے عمارت میں داخل ہوں گے اور درجنوں پولیس والوں کو مار دھاڑ کرتے ہوئے ششادری کو ان کی حراست سے نکال لائیں گے۔" میں نے رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "نہیں رتنا دیوی۔ فلم اور حقیقی زندگی کے سٹیج پر کھیلے جانے والے ڈراموں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ فلم کی شوٹنگ کے دوران کوئی غلطی ہوجائے تو اسے ری ٹیک کرکے درست کیا جاسکتا ہے لیکن حقیقی زندگی کے سٹیج پر کوئی معمولی سی غلطی بھی بہت بڑی تباہی کا باعث بن جاتی ہے۔" "ہم جس قسم کے حالات سے دوچار ہیں تم ان سے اچھی طرح واقف ہو۔ ہم اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ کھل کر سامنے آسکیں اور پھر ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ ششادری کو کہاں رکھا گیا ہے۔ اس اخبار میں ایک چھوٹی سی خبر یہ بھی ہے کہ ششادری کو کسی نامعلوم اور خفیہ مقام پر منتقل کردیا گیا ہے جہاں اس سے پوچھ گچھ کی جارہی ہے۔ ایسی صورت میں ہم اس کیلئے کیا کرسکتے ہیں سوائے اس کے کہ

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

سامنے آ کر ہم بھی کسی مصیبت میں پھنس جائیں۔

''ٹھیک کہتے ہو۔'' رتنا نے گہرا سانس بھرتے ہوئے کہا ''ہم واقعی اس کیلئے کچھ نہیں کر سکتے۔''

''ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ رانا رنبیر ایک ٹرے اٹھائے ہمارے قریب پہنچ گیا جس میں شیشے کے خوبصورت چھوٹے گلاس رکھے ہوئے تھے۔ ان میں گولڈن رنگ کا مشروب تھا جس سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ کس قسم کا قہوہ تھا اس نے گلاس ہمارے سامنے رکھ دیئے۔''

''یہ کیا ہے؟'' سمترا نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''اس علاقے میں پائے جانے والے ایک خاص قسم کے پھول پتیوں کا قہوہ ہے۔'' رانا رنبیر نے جواب دیا۔ ''یہ قہوہ خاص طور پر برسات کے دنوں میں پیا جاتا ہے۔ یہ نہ صرف کھانسی اور فلو سے بچاتا ہے بلکہ اس سے بھوک بھی کھل کر لگتی ہے۔''

''تو پھر ہمیں کھانے میں کیا کھلاؤ گے۔'' یہ بات رتنا نے پوچھی تھی۔

''چائنیز فرائیڈ رائس اور سویٹ اینڈ سور اور پرون''

''واہ...'' رتنا بولی۔ ''بہت عرصے بعد سے چائنیز نہیں کھایا لیکن اس میں تو بہت وقت لگے گا۔ ہماری مدد کی ضرورت ہو تو کچھ کام ہمیں بتا دو۔''

''آپ کو ساڑھے نو بجے کھانا تیار ملے گا۔ میڈم'' رانا رنبیر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور خالی ٹرے لے کر واپس چلا گیا۔

میں نے اپنے سامنے رکھا ہوا گلاس اٹھا لیا اور ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگا۔ قہوہ واقعی بہت خوش ذائقہ تھا جس میں ہلکی سی بہت خوشگوار مہک بھی تھی۔

قہوہ پینے کے بعد واقعی ہماری بھوک چمک اٹھی اور رانا رنبیر نے بھی حسب وعدہ ٹھیک نو بجے کھانا میز پر لگا دیا۔ کھانا کھا کر اندازہ ہوا کہ وہ اس بنگلے کا محض چوکیدار ہی نہیں تھا بہت اچھا کک بھی تھا اس کا تیار کیا ہوا یہ چائنیز کھانا بھی بہت لذیذ تھا۔ کھانے کے بعد ہم دوبارہ ہال کمرے میں آ گئے اور تھوڑی دیر بعد رنبیر نے ہمارے سامنے گرم گرم کافی بھی سرو کر دی۔

گیارہ بجے کے قریب روپ سیہائے کا فون آ گیا۔ سمترا تقریباً پندرہ منٹ تک اس سے فون پر بات کرتی رہی۔ اس کے بعد ہم تینوں اوپر آ گئے۔ الگ الگ کمروں میں جانے کے بجائے رتنا اور سمترا بھی میرے ہی کمرے میں آ گئیں۔ سمترا نے دروازہ بند کر دیا اور ہم بیڈ پر آڑھے ترچھے لیٹ کر باتیں کرنے لگے۔

بارش آدھی رات کے بعد کسی وقت بند ہو گئی تھی صبح جب میں کمرے سے نکل کر ٹیرس پر آیا تو دھوپ چمک رہی تھی لیکن آسمان پر کہیں کہیں بادل موجود تھے۔ دھوپ میں ہر چیز دھلی دھلی اور نکھری نکھری سی لگ رہی تھی۔

دو تین دن گزر گئے۔ اخبارات سے تو یہ پتہ چل گیا تھا کہ ششادری کے پکڑے جانے کے اگلے روز صبح سویرے بیلا ہیلی کاپٹر سے کوٹ تتلی پہنچ گئی تھی لیکن اسکے بعد ششادری یا بیلا کے بارے میں کوئی

خبر اخبارات میں شائع نہیں ہوئی تھی یا تو پریس کو اس کی ہوا تک نہیں لگنے دی جا رہی تھی یا پریس کو پابند کر دیا گیا کہ اس حوالے سے کوئی خبر شائع نہ کریں۔

میری پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ ششادری کے بارے میں کوئی خبر نہیں تھی اور نہ ہی یہ پتہ چل پا رہا تھا کہ بیلا ہمارے بارے میں اس کی زبان کھلوا سکی ہے یا نہیں؟

دفعتاً میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا اگر ششادری نے کچھ بتا دیا تھا تو پولیس نے سمترا کے بنگلے پر ریڈ کیا ہوگا یا اس کی نگرانی کی جا رہی ہوگی۔ یہ معلوم کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ تھا اور جب میں نے سمترا کے سامنے یہ تجویز رکھی تو اس کی آنکھوں میں الجھن تیر گئی۔

''کیا یہ خطرناک نہیں ہوگا'' اس نے کہا۔ ''اگر اس بنگلے کی نگرانی ہو رہی ہو تو ہم نظروں میں آ جائیں گے اور اس طرح ہمارا یہ ٹھکانہ بھی محفوظ نہیں رہے گا۔''

''رسک تو لینا ہی پڑے گا۔'' میں نے کہا۔ ''ہم اس طرح ایک جگہ پر قید ہو کر نہیں رہ سکتے' اگر ہمیں اس شہر سے نکلنا ہے تو کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ ویسے میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے۔ دوسرے بنگلے کی چابیاں کہاں ہیں۔''

''اتفاق سے چابیوں کا وہ گچھا میرے بیگ میں موجود ہے۔'' سمترا نے جواب دیا۔

''گڈ...!'' میں نے کہا۔ ''ہم سیدھے اس بنگلے پر جائیں گے۔ اگر اس بنگلے پر آ کر کسی نے دریافت کیا تو ہم سمجھ جائیں گے کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ بصورت دیگر ہم کچھ دیر وہیں سے تمہارے بنگلے کا جائزہ لے کر واپس آ جائیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔'' سمترا نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''اگر تمہیں اپنے آپ پر اتنا ہی اعتماد ہے تو میں تیار ہوں۔''

اور پھر اس کے ایک گھنٹے بعد ہم سمترا کے پڑوس والے بنگلے کے سامنے موجود تھے۔ کار سے اترتے ہوئے سمترا کے منہ سے بے اختیار ''اوہ...'' کی آواز نکل گئی۔

''کیا ہوا؟'' میں نے کار سے اترتے ہوئے پوچھا۔

''گیٹ پر برائے فروخت کا بورڈ لگا رہتا تھا جو غائب ہے اس کا مطلب ہے کہ پچھلے چند روز کے دوران یہ مکان بھی بک چکا ہے۔'' سمترا نے کہا۔ ''لیکن گیٹ پر لگا ہوا تالا یہ ظاہر کر رہا ہے کہ ابھی یہاں کوئی آیا نہیں ہے۔''

سمترا نے پرس میں سے چابیوں کا گچھا نکال لیا اور ایک چابی منتخب کر کے تالا کھولنے لگی۔ میں اس دوران آس پاس کا جائزہ لیتا رہا۔

ہم اس بنگلے میں تقریباً آدھا گھنٹہ موجود رہے۔ بنگلے کی چھت پر جا کر بھی میں نے بہت محتاط انداز میں چاروں طرف کا جائزہ لیا تھا لیکن کسی طرف ایسے کوئی آثار دکھائی نہیں دیئے تھے جس سے اندازہ ہوتا کہ سمترا سے بنگلے کی نگرانی ہو رہی ہے۔

اور پھر میں نے ایک اور رسک لینے کا فیصلہ کر لیا۔ سمترا تھوڑی سے ہچکچاہٹ کے بعد میرا ساتھ

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

دینے پر تیار ہوگئی اور پھر پندرہ منٹ بعد ہم سمترا والے بنگلے میں موجود تھے۔ کار ہم اندر لے آئے تھے اور گیٹ بند کر دیا تھا۔

ہم کئی روز بعد مکان میں آئے تھے ہر چیز اسی طرح تھی جس طرح ہم چھوڑ کر گئے تھے۔ ہماری عدم موجودگی میں کوئی اس بنگلے میں داخل نہیں ہوا تھا۔ ویسے پولیس والے اتنے بیوقوف نہیں تھے کہ تالے توڑ کر اندر داخل ہونے کی کوشش کرتے۔ البتہ یہ ہوسکتا تھا کہ دور سے اس بنگلے کی نگرانی ہو رہی ہو۔

جس وقت ہم یہاں داخل ہوئے تو اس وقت دن کے گیارہ بج رہے تھے۔ ہمارا کچھ دیر یہاں رکنا ضروری تھا تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ نگرانی ہو رہی ہے یا نہیں۔

سمترا کے چہرے پر خوف کے ہلکے سائے تھے۔ وہ بیلا سے پیچھا چھڑا کر ماؤنٹ آبو سے بھاگ کر آئی تھی۔ وہ پرسکون زندگی گزارنا چاہتی تھی یہاں اس کی زندگی میں کسی قدر سکون بھی تھا جس نے ماؤنٹ میں اسے لپیٹ میں لے رکھا تھا لیکن ہمارے آنے کے بعد وہ پھر انہی حالات سے دوچار ہوگئی تھی۔ ششادری کے پکڑے جانے سے پہلے تو وہ بڑی حد تک مطمئن بھی تھی اور اس نے ہمارے ساتھ یہاں سے نکل جانے کا پروگرام بھی بنا لیا تھا لیکن اس روز ششادری کی گرفتاری نے صورتحال ہی بدل ڈالی تھی وہ خود بال بال بچی تھی۔ یہ اتفاق تھا کہ اس وقت ان دونوں میں چند گز کا فاصلہ تھا۔ اگر وہ دونوں ساتھ ہوتیں تو یقیناً سمترا بھی پکڑی جاتی اور پھر ششادری نے بھی عقلمندی کی تھی کہ سمترا سے بالکل لاتعلق رہی تھی اور موقع پا کر اسے وہاں سے چلے جانے کا اشارہ کیا تھا۔ سمترا بچ تو گئی تھی لیکن اس کی پرسکون زندگی میں ایک بار پھر بھونچال آ گیا تھا اور ایک بار پھر موت سے آنکھ مچولی شروع ہوگئی تھی۔

''اس بنگلے میں آئے ہوئے پون گھنٹہ گزر گیا۔ میں نے پستول ہاتھ میں لے رکھا تھا اور ایسی جگہ بیٹھا تھا کہ بنگلے کے باہر آنے والا کوئی بھی شخص دور ہی سے نظر آ سکتا تھا۔''

ابھی تک کسی گڑبڑ کے آثار دکھائی نہیں دیئے تھے۔ سمترا نے فون کر کے رتنا کو بتا دیا تھا کہ یہاں فی الحال کوئی گڑبڑ نہیں ہے لیکن ہمیں واپس آنے میں کچھ دیر ہو جائے گی۔

میں کم سے کم تین گھنٹے یہاں گزارنا چاہتا تھا تاکہ کسی نتیجہ پر پہنچا جا سکے۔ اگر بنگلے کی نگرانی ہو رہی ہوگی تو ریڈ کرنے کے لئے اتنا وقت کافی ہوگا۔ بصورت دیگر یہ سمجھ لیا جائے گا کہ ششادری نے ہمارے بارے میں پولیس کو کچھ نہیں بتایا۔

جیسے جیسے وقت گزرتا رہا سمترا کے چہرے کے تاثرات بھی بدلتے گئے۔ اب وہ اتنی زیادہ خوفزدہ نہیں تھی وہ زیادہ تر میرے پاس بیٹھی رہی تھی پھر اٹھ کر فرنیچر کی صفائی کرنے لگی۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ کچن میں گھس گئی۔ تمام لوازمات موجود تھے۔ چائے کیلئے وہ پہلے بھی خشک دودھ استعمال کرتی تھی اس وقت بھی وہی ڈبہ کھولا گیا۔

چائے پیتے ہوئے سمترا میرے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ فرنیچر کی صفائی وغیرہ کرتے ہوئے اس نے ساڑھی کا پلو کمر میں اڑس لیا تھا اور اس وقت میرے سامنے اسی طرح بیٹھی ہوئی تھی جس کے بالائی حصے پر بلاؤز خاصا مختصر تھا۔ وہ میز پر رکھا ہوا کپ اٹھانے کیلئے کسی قدر آگے جھکی تو میری نظریں اس کے بلاؤز

کے اندر تک رینگ گئیں اور میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ سمترا میری طرف دیکھ کر مسکرا دی اور پھر چائے پیتے ہوئے وہ بھی اس طرح بار بار پہلو بدلتی رہی کہ مجھے اپنی نس نس میں کھنچاؤ سا محسوس ہوتا رہا۔

چائے ختم ہوگئی۔ سمترا کپ اٹھا کر کچن میں چلی گئی۔ میں گہرے گہرے سانس لیتا ہوا سامنے والی کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا۔ ہمیں یہاں آئے ہوئے تین گھنٹوں سے زیادہ وقت گزر چکا تھا اور ابھی تک کسی گڑبڑ کے آثار دکھائی نہیں دیئے تھے۔

دفعتاً اپنے کندھوں پر ہاتھوں کا ہلکا سا دباؤ محسوس کر کے میں چونک گیا۔ گردن گھما کر دیکھا۔ سمترا میرے پیچھے کھڑی میرے اوپر جھکی ہوئی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور دونوں ہاتھ میرے کندھوں پر تھے۔ میں نے اپنے ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے اور اسے آہستگی سے اوپر کھینچ لیا۔ سمترا صوفے کے اوپر سے میرے اوپر آن گری اس کا سر میری گود میں تھا۔ اس کی آنکھوں میں سرخی کے ڈورے تیر رہے تھے اور سینے کا زیر و بم قیامت ڈھا رہا تھا۔ میرے دل کی دھڑکن خطرناک حد تک تیز ہوگئی اور کنپٹیاں سلگنے لگیں اور پھر مجھے اپنے آپ پر بابو رکھنا مشکل ہوگیا۔

ہم دونوں یہ بھول گئے کہ یہاں کس مقصد سے آئے تھے کوئی خوف کسی کے ذہن میں نہیں رہا تھا۔ صرف میں تھا اور سمترا تھی۔ سمترا تھی اور میں تھا۔ سمترا سے میری اس طرح کی آخری ملاقات اکال شوار مندر کے پہلو والے بنگلے میں ہوئی تھی جب میں پنڈت بھیرو کا مہمان ہوا کرتا تھا اس کے بعد اگرچہ ہم پنڈت بھیرو والے بنگلے میں بھی کئی روز اکٹھے رہے تھے مگر وہاں پنڈت بھیرو بھی تھا اور رتنا وغیرہ بھی اور اب کئی مہینوں بعد سمترا اس طرح میری آغوش میں آئی تھی۔

وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں رہا تھا میں نے دیوار گیر کلاک کی طرف دیکھا تو چار بج رہے تھے۔ گویا ہمیں یہاں آئے ہوئے پانچ گھنٹے بیت گئے تھے۔ اس دوران باہر سے کوئی مداخلت نہیں ہوئی تھی جس کا مطلب تھا کہ یہ جگہ ابھی تک محفوظ تھی۔ مجھے رتنا کا خیال آ گیا۔ وہ یقیناً پریشان ہو رہی ہوگی۔ اسے یہاں کا نمبر معلوم نہیں تھا۔ ورنہ وہ ضرور فون کرتی۔ رانا رنبیر سے اس نے پوچھنا مناسب نہیں سمجھا ہوگا۔

سمترا کو بھی وقت کی نزاکت کا احساس ہوگیا تھا اور پھر اس کے چند منٹ بعد ہی ہم بنگلے سے نکل رہے تھے مین روڈ کی طرف جاتے ہوئے بھی میں محتاط نگاہوں سے اطراف میں دیکھ رہا تھا۔ سڑک پر گاڑیوں کی آمدورفت تھی۔ سمترا اطمینان سے متوسط رفتار سے کار چلاتی رہی جب ہماری کار روپ سیہائے والے بنگلے میں داخل ہوئی تو رتنا پورچ کے اوپر والے ٹیرس میں بیٹھی ہوئی نظر آ گئی۔ ہمیں دیکھ کر وہ اپنی جگہ سے نہیں اٹھی۔ رانا رنبیر نے عجیب سی نظروں سے ہماری طرف دیکھا تھا۔ میں اور سمترا اوپر آ گئے۔ رتنا کے چہرے سے اس کے موڈ کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

''مجھے افسوس ہے کہ تمہیں اتنی دیر پریشان ہونا پڑا۔'' میں نے اس کے قریب کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''پریشان...'' اسکے لہجے میں غصہ تھا۔ ''میں تو سمجھی تھی کہ تم دونوں بھی پکڑے گئے ہو اور پولیس کسی وقت یہاں بھی پہنچ سکتی ہے۔ میں تو تیار بیٹھی تھی کہ جیسے ہی کوئی گیٹ میں داخل ہوگا فائر کھول دوں

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

گی۔'' اس نے اپنی گود میں رکھا ہوا پستول دکھایا۔

''اوہ...'' میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ''لیکن ہمیں وہاں کسی خطرے کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔'' ششادری پر میرا اعتماد درست ثابت ہوا۔ اس نے ہمارے بارے میں زبان نہیں کھولی۔ اگر کچھ بتایا ہوتا تو وہ بنگلہ پولیس کی نظروں میں آچکا ہوتا مگر وہاں کسی گڑبڑ کے آثار دکھائی نہیں دیئے۔''

''تو تم دونوں اتنی دیر بنگلے میں رہے؟'' رتنا نے کہتے ہوئے عجیب سی نظروں سے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھا۔

اس کا لہجہ بھی کچھ عجیب سا تھا۔ سمترا کا چہرہ ایک لمحہ کو سرخ ہوگیا لیکن اس نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پالیا۔ ''وہ ابھی آئی'' کہہ کر وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔

''عجیب عورت ہو تم!'' میں نے رتنا کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

''یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ ہماری محسن ہیں' ہم اس وقت اس کی وجہ سے زندہ ہیں تم اس پر شک کررہی ہو۔''

''میں کسی پر شک نہیں کررہی۔'' رتنا نے جواب دیا۔ ''میں جانتی ہوں تم لوگ اتنی دیر وہاں پر کیوں رکے رہے۔ بہرحال ختم کرو اس بات کو۔''

اور پھر میں نے بھی موضوع بدل دیا کچھ دیر بعد میں اسے بتا رہا تھا کہ ششادری نے اب تک پولیس کو ہمارے بارے میں کچھ نہیں بتایا اور یہ کہ فی الحال وہ بنگلہ بھی محفوظ ہے۔

اور پھر اس رات ایک اور افتاد آن پڑی۔ اس رات روپ سیہائے فون پر سمترا کو بتایا کہ وہ اگلے روز شام کو کوٹ پتلی پہنچ رہا ہے۔

''وہ کم از کم ایک ہفتہ یہاں رہے گا۔'' سمترا نے بتایا۔ ''اسے یہ تو معلوم ہے کہ تم لوگ یہاں موجود ہو لیکن ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی موجودگی میں تم لوگوں کا یہاں رہنا پسند نہ کرے اس لئے میرے خیال میں...!''

''ہم تمہارے بنگلے میں منتقل ہوجائیں۔'' میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

''میں بھی یہی کہنا چاہتی تھی۔'' سمترا بولی۔ ''آج ہم تقریباً پانچ گھنٹے وہاں رہے ہیں۔ اس دوران کسی گڑبڑ کے آثار تو دکھائی نہیں دیئے لیکن عین ممکن ہے کہ بنگلے کی نگرانی ہورہی ہو اور وہ لوگ ریڈ کرنے کیلئے کسی مناسب موقع کی تلاش میں ہوں۔''

''میرا خیال ہے ایسا نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''پولیس کو ملنے والی اطلاع کے مطابق دہشت گردوں کی تعداد تین ہے جن میں ایک مرد اور دو عورتیں شامل ہیں۔ ایک عورت پکڑی گئی۔ اب پولیس کو ایک عورت اور ایک مرد کی تلاش ہے۔ اصل دہشت گرد تو ہم ہیں۔ اگر ششادری نے ہمارے بارے میں بتایا ہوتا تو ہمیں اس بنگلے میں داخل ہوتے دیکھتے ہی ہمیں سانس لینے کا موقع دیئے بغیر پولیس ریڈ کردیتی لیکن ایسا نہیں ہوا اس کا مطلب ہے کہ وہاں فی الحال ہمارے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ بہتر ہوگا کہ ہم ابھی وہاں منتقل ہوجائیں۔''

''ابھی نہیں' صبح چلے جانا۔'' سمترا نے کہا۔ ''میں اتنے بڑے بنگلے میں رانا رنبیر جیسے شخص کے ساتھ رات کو اکیلے نہیں رہنا چاہتی' میں نے محسوس کیا کہ وہ رتنا کو عجیب سی نظروں سے دیکھتا رہتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ رتنا تو چلی جائے اور وہ رات کو مجھے اکیلی پاکر مجھ پر پل پڑے۔''

''سمترا کے اس خدشے پر میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا۔''

اور پھر صبح آٹھ بجے اس نے مجھے جھنجوڑ کر جگا دیا۔

''اب کیا ہے؟'' میں جھنجلا گیا تھا۔ میری نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔ اس طرح جگائے جانے پر دماغ میں دھماکے سے ہورہے تھے اور آنکھوں میں مرچیں سی لگ رہی تھیں۔

''یہ... یہ دیکھو!'' وہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے اخبار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ ''انہوں نے ششادری کو مار دیا ہے۔''

''کیا...؟'' میرے دماغ میں ایک اور دھماکہ ہوا اور میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور اخبار اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ ہیڈ لائن تھی۔

''دہشت گردوں کی ساتھی فرار کی کوشش میں پولیس کے ہاتھوں ماری گئی۔''

میں وہ خبر پڑھتا چلا گیا۔ یہ خبر پولیس کے حوالے سے چھپی تھی جس میں بتایا گیا تھا کہ چند روز پہلے گرفتار ہونے والی پاکستانی دہشت گرد کی ساتھی ششادری دیوی گزشتہ رات فرار ہونے کی کوشش میں پولیس کی گولیوں کا نشانہ بن گئی۔ پولیس نے اعتراف کیا تھا کہ کئی روز کی پوچھ گچھ کے باوجود ششادری سے اس کے ساتھیوں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کرسکے تھے۔ گزشتہ رات اسے خفیہ تحقیقاتی مقام سے جیل منتقل کیا جارہا تھا کہ اس دوران ششادری نے موقع پاکر بھاگنے کی کوشش کی جس کے نتیجہ میں پولیس کی گولیوں کا نشانہ بن گئی۔

اس خبر کے ساتھ ششادری کی لاش کی تصویر بھی تھی اس تصویر کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ ان چند دنوں کے دوران اسے کس قدر تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا لیکن اس نے ہمارے بارے میں زبان نہیں کھولی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ تشدد کے دوران ہی ماری گئی تھی اور پولیس نے اس پر فرار کا الزام لگا کر اس کی لاش سڑک پر ڈال دی اور اسے گولیوں سے چھلنی کردیا۔

اس اخبار میں اندر کے صفحہ پر میرے اور رتنا کے بارے میں بھی بہت کچھ لکھا ہوا تھا۔ ہماری تصویریں اگرچہ نہیں تھیں مگر حلیے بتائے گئے تھے۔ رتنا کے بارے میں تو یہ بھی لکھا تھا کہ چند مہینے پہلے وہ ماؤنٹ آبو کے ایک ریسٹورنٹ میں ویٹریس کی حیثیت سے کام کرتی تھی۔

اس مضمون میں ان نقصانات کی تفصیل بھی بیان کی گئی تھی جو میری وجہ سے ہندسرکار کو اٹھانے پڑے تھے۔ اچال شوار مندر کی تباہی بھی میرے ہی کھاتے میں ڈالی گئی تھی اور ناگ راج سمیت درجنوں افراد کے قتل بھی میرے حساب میں لکھے گئے تھے۔

لوگوں کو خبردار کیا گیا تھا کہ ہوشیار رہیں ان حلیوں سے ملتے جلتے افراد نظر آئیں تو پولیس کو مطلع کریں۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

ششادری کی موت کا مجھے بے حد افسوس ہوا تھا۔ رتنا تو اس سے بہت مانوس رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دے۔ سمترا کا اگرچہ چند روز کا ساتھ رہا تھا لیکن وہ بھی افسردہ تھی۔ اس کی آنکھوں میں بھی نمی تیر رہی تھی۔

تقریباً دس بجے کے قریب ہم سمترا کی کوٹھی پر جانے کیلئے رخصت ہو گئے۔ میں نے ایک بات خاص طور سے نوٹ کی تھی کہ رتنا جب کار میں بیٹھ رہی تھی تو رانا رنبیر سنگھ اس وقت بھی عجیب نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے زیادہ توجہ نہیں کی کیونکہ ہم جب سے یہاں آئے تھے وہ رتنا کو ایسی ہی نظروں سے دیکھتا رہا تھا۔

ہمیں بنگلے پر چھوڑ کر سمترا بازار سے کچھ سامان بھی لے آئی۔ کھانے پینے کی یہ چیزیں ہمارے لئے تین چار دن کیلئے کافی تھی اور ہمیں کوئی چیز لینے کے لئے باہر جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ سمترا بھی چار بجے تک ہمارے پاس رہی اور پھر چلی گئی۔

اخبار سے مجھے شہر کی صورتحال کا کچھ اندازہ ہوتا رہتا تھا۔ پولیس کی سرگرمیاں ابھی تک جاری تھیں اور بیلا بھی ابھی تک کوٹ پتلی ہی میں ڈیرہ جمائے ہوئے تھے۔ اس کی وجہ سے کئی اور اعلیٰ پولیس افسران بھی یہاں آئے ہوئے تھے۔

ہمارے حوالے سے روزانہ نت نئی خبریں اخبارات میں شائع ہوتی رہتی تھیں۔

کوٹ پتلی میں مسلمان بھی بڑی تعداد میں آباد تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو صدیوں سے نسل در نسل اس علاقے میں آباد تھے۔ ان کے آباؤ اجداد نے اسلام کی تعلیمات سے متاثر ہو کر دوستی اور سلامتی کا یہ دین اختیار کیا تھا۔ لیکن صدیوں کی تاریخ یہ بھی شہادت فراہم کرتی تھی کہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے یہ لوگ مصائب اور مشکلات کا شکار تھے۔ تنگ نظر ہندوؤں نے ان کا جینا حرام کر رکھا تھا۔ نسلی فسادات پورے ہندوستان میں روز کا معمول بن چکے تھے۔ ان فسادات میں زیادہ نقصان مسلمان ہی کا ہوتا تھا۔ زیادتی کا شکار بھی وہی ہوتے تھے اور کارروائی بھی انہی کے خلاف ہوتی تھی۔ پولیس ان کی فریاد سننے کے بجائے حملہ آور ہندوؤں کا ساتھ دیتی تھی۔

قیام پاکستان کے بعد تو ہندوستان کے مسلمانوں کا جینا اور بھی دشوار ہو گیا تھا۔ انہیں پاکستان کے طعنے دیئے جاتے تھے اور ہندوستان چھوڑ دینے کو کہا جاتا۔ ان مسلمانوں پر پاکستانی ایجنٹ اور جاسوس ہونے کا الزام لگا دینا تو عام سی بات تھی۔

کوٹ پتلی میں اس وقت کچھ ایسی ہی صورتحال تھی۔ میں چونکہ مسلمان تھا اور مجھے میری مرضی کے خلاف پاکستان سے اغوا کر کے لایا گیا تھا اور میرے اغوا کے پیچھے جو مقاصد کارفرما تھے وہ حاصل نہیں ہوئے تھے۔

اس کے برعکس میں ان کے لئے وبال جان بن گیا تھا اور پے در پے انہیں نقصان پہنچا رہا تھا اس لئے مجھے پاکستانی دہشت گرد قرار دیا گیا تھا۔ پاکستانی اور مسلمان ہونے کے ناتے تنگ نظر ہندوؤں نے یہ فرض کر لیا تھا کہ مجھے مسلمانوں کی حمایت اور ہمدردیاں حاصل ہیں۔ مسلمان مجھے پناہ دیتے ہیں اس

لئے پولیس اب تک مجھے پکڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ اس حوالے سے اب تک کوٹ پتلی کے مسلمانوں کو بھی تنگ کیا جا رہا تھا۔ مسلمانوں کے گھروں پر چھاپے مارے جا رہے تھے۔ زبردستی ان کے گھروں میں گھس کر تلاشی لی جاتی تھی اور انہیں طرح طرح سے پریشان کیا جاتا تھا۔ کوٹ پتلی کے وہ مسلمان جن کے دور و قریب کے کوئی عزیز پاکستان میں تھے انہیں زیادہ پریشان کیا جا رہا تھا۔ پولیس کو یقین تھا کہ میں کسی مسلمان گھرانے میں پناہ لئے ہوئے ہوں۔

اس روز بھی اخبار میں ایک ایسی ہی خبر چھپی تھی۔ پولیس نے ایک مسلمان گھرانے میں گھس کر تلاشی لی تھی اور توڑ پھوڑ کی تھی۔ احتجاج کرنے پر گھر والوں کو زدوکوب کیا گیا تھا اور پولیس والے ایک جوان لڑکی کو اٹھا کر لے گئے تھے اور پھر اگلے دن اخبار میں یہ خبر چھپی کہ پولیس جس لڑکی کو پوچھ گچھ کیلئے لے گئی تھی اس نے پولیس ہیڈ کوارٹر کی تیسری منزل کی کھڑکی سے چھلانگ لگا کر خودکشی کر لی۔

اخبار نے ڈھکے چھپے الفاظ میں ایک اور سٹوری بھی لکھی تھی جس سے اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس لڑکی کے ساتھ زیادتی کی گئی ہے۔ ہو سکتا ہے چار چھ آدمیوں نے اس کے ساتھ بلادکار کیا ہو اور وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ پولیس نے اپنے کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کیلئے اس کی لاش تیسری منزل سے پھینک دی اور بیان جاری کر دیا کہ اس نے پوچھ گچھ سے بچنے کیلئے کھڑکی سے چھلانگ لگا کر خودکشی کر لی تھی اور مزید ستم یہ کہ لڑکی کے ایک کمسن بھائی اور ماں باپ کو بھی گرفتار کر لیا گیا تھا۔

کوئی اس ظلم کیخلاف آواز اٹھانے والا نہیں تھا لیکن میری قوت برداشت جواب دے گئی میں اب خاموش نہیں رہ سکتا تھا میں نے فون کا ریسیور اٹھایا پھر کچھ سوچ کر ریسیور رکھ دیا اور رتنا کو "ابھی آیا ..." کہہ کر بنگلے سے باہر آ گیا۔

سڑک کے موڑ پر جہاں سے میں اخبار اور چھوٹی موٹی ضرورت کی چیزیں بھی لایا کرتا تھا وہاں ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ بھی تھا۔ جب میں وہاں پہنچا تو ایک عورت بوتھ میں کھڑے فون پر بات کر رہی تھی۔ تقریباً پانچ منٹ بعد وہ باہر نکلی تو میں بوتھ میں گھس گیا۔ ریسیور اٹھا کر میں نے سکے ڈالے اور پولیس ہیڈ کوارٹر کا نمبر ملانے لگا۔ نمبر تلاش کرنے کیلئے مجھے کوئی جتن نہیں کرنا پڑ رہا تھا۔ سامنے ہی ایک لسٹ لگی ہوئی تھی جس پر اہم مقامات کے فون نمبر لکھے ہوئے تھے۔

کال فوراً ہی ریسیو کر لی گئی۔

"میں دہشت گردوں کے بارے میں ایک اہم اطلاع دینا چاہتا ہوں کسی ذمہ دار آفیسر سے بات کراؤ۔" میں نے ہیلو کے جواب میں کہا۔

ایک سیکنڈ بعد ایک اور بھاری آواز سنائی دی۔ "یس میں انسپکٹر پانڈے بول رہا ہوں تم کون ہو؟"

"میرا نام تاجی ہے۔" میں نے کہا۔ "میں وہ ہوں جس کی تم لوگوں کو تلاش ہے۔ تم لوگ میری تلاش کی آڑ میں بیگناہ مسلمانوں پر ظلم ڈھا رہے ہو ان لوگوں کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ میں نے کسی مسلمان گھر میں پناہ نہیں لے رکھی جس لڑکی کو تم لوگوں نے موت کے گھاٹ اتارا ہے اس سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

اس کے ماں باپ بھی بے گناہ ہیں۔ ببلا ابھی تک اس شہر میں موجود ہے اس تک میرا پیغام پہنچا دو وہ بے گناہوں پر ظلم نہ کرے یہ میری پہلی اور آخری وارننگ ہے۔ میں اب تک فرار کے راستے تلاش کر رہا تھا لیکن اب میں یہیں رہوں گا اور اگر آج کے بعد ایسا کوئی واقعہ دہرایا گیا تو اس کا نتیجہ تم لوگوں کو بھگتنا پڑے گا...!''

دوسری طرف سے ہیلو ہیلو کہا جاتا رہا لیکن میں نے فون بند کر دیا اور بوتھ سے نکل گیا۔ قریب ہی پان سگریٹ کا کیبن تھا میں نے دو پان خریدے اور واپس چل پڑا۔

رتنا کو جب میں نے اس فون کے بارے میں بتایا تو وہ بہت ناراض ہوئی۔

''کیا ضرورت تھی سوئے ہوئے کتوں کو جگانے کی۔'' اس نے کہا۔''اگر انہیں پتہ چل گیا کہ فون کہاں سے کیا ہے تو وہ اس پورے علاقے کو گھیرے میں لے لیں گے۔''

''ایسا نہیں ہوگا۔'' میں نے کہا۔''میں نے بہت مختصر بات کی تھی اور فون بند کر دیا تھا۔ انہیں یہ معلوم کرنے کا موقع ہی نہیں ملا ہوگا کہ کال کہاں سے کی گئی تھی۔''

ہم دیر تک اخبار میں شائع ہونے والی اس خبر کے حوالے سے اسے بے گناہ لڑکی کی موت اور اس کے گھر والوں پر پولیس کے ظلم کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔

اسی شام اندھیرا پھیلنے کے تھوڑی دیر بعد ایک کار بنگلے کے سامنے رکی تو میں چونک گیا۔ میرے ذہن میں شبہات سر ابھارنے لگے کہیں پولیس تو نہیں پہنچ گئی مگر میرا شبہ بے بنیاد نکلا وہ سمترا تھی اور اس کے ساتھ روپ سیہائے بھی تھا۔ سمترا اسے ہم سے ملانے کیلئے ہی لائی تھی۔

روپ سیہائے ہم سے مل کر بہت خوش ہوا لیکن رتنا کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں الجھن تیر گئی تھی۔

''مجھے لگتا ہے میں نے پہلے تمہیں کہیں دیکھا ہے۔'' وہ پرسوچ انداز میں بولا۔''او یاد آ گیا' ماؤنٹ آبو میں' شاید کسی ریسٹورنٹ میں۔''

''رتنا کے چہرے کا رنگ بھی بدل گیا لیکن اس نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پالیا۔''

''میں وہاں جاتی رہتی ہوں' ہوسکتا ہے کبھی آمنا سامنا ہو گیا ہو۔'' رتنا نے جواب دیا اور کچن میں گھس گئی۔

مجھے بھی روپ سیہائے کا چہرہ کچھ جانا پہچانا سا لگ رہا تھا۔ ہوسکتا ہے اسے ماؤنٹ آبو میں ہی کہیں دیکھا ہو۔

رتنا چائے بنا کر لے آئی۔

''رانا رنبیر سنگھ شاید باہر گاڑی ہی میں بیٹھا ہے۔ میں اسے وہیں چائے دے آتا ہوں۔'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''رانا ہمارے ساتھ نہیں ہے۔'' سمترا نے کہا۔''وہ آج صبح اپنے بہن سے ملنے کیلئے جے پور چلا گیا ہے' پرسوں شام تک واپس آئے گا۔''

وہ دونوں رات دس بجے تک رہے' کھانا بھی ہمارے ساتھ ہی کھایا۔ روپ سیہائے نے کہا تھا کہ اگر ہمیں کوئی تکلیف ہو تو ہم بلاتکلف اس سے کہہ دیں۔ ان کے جانے کے بعد ہم دیر تک اس کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ وہ شاید رتنا کو پہچان گیا تھا کہ ماؤنٹ آبو میں اسے پریم نورس ریسٹورنٹ میں دیکھا تھا مگر اس نے اپنی بات پر زور نہیں دیا تھا۔

دو دن گزر گئے اور پھر گیارہ بجے کے قریب ایک گاڑی بنگلے کے سامنے رکی۔ اس وقت برآمدے کا بلب بھی بجھا ہوا تھا۔ میں نے رتنا کو اشارہ کیا اور خاموشی سے باہر نکل گیا۔ اس وقت کال بیل کی آواز گونج اٹھی۔

وہ رانا نبیر سنگھ تھا۔

اس کا اس وقت آنا بلامقصد نہیں ہوسکتا تھا۔ ہوسکتا ہے سمترا نے اسے کسی خاص وجہ سے بھیجا ہو۔ میں نے اسے گیٹ کھول کر اندر بلا لیا۔ رتنا بھی اسے دیکھ کر چونکے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

''کوئی خاص بات؟'' میں نے اندر آ کر سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''دو دن پہلے جے پور میں تھا۔'' اس نے کہا۔''وہاں میں ماؤنٹ آبو چلا گیا' تمہارے لئے ایک تحفہ لایا ہوں دیوی جی۔''

اس نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر رتنا کی طرف بڑھا دیا۔ رتنا نے لفافہ کھولا تو اس میں دو فوٹو گراف برآمد ہوئے۔ رتنا کا چہرہ ایک دم سیاہ پڑ گیا۔

''کیا ہوا۔ یہ کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

رتنا کی اوپر والی رنگین تصویر ماؤنٹ آبو کے پریم نورس ریسٹورنٹ کے ڈریس میں تھی۔ سینے پر ریسٹورنٹ کا بیج بھی لگا ہوا تھا۔ یہ تصویر دیکھ کر میری کنپٹیاں سلگ اٹھیں اور پورے جسم پر چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔

مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ رانا رنبیر سنگھ اس وقت یہاں کیوں آیا تھا اور یہ تصویر ہمیں کیوں دکھائی تھی۔ میں نے جب گیٹ کھول کر اسے اندر آنے کی اجازت دی تو میں نے اپنا پستول جیب میں ڈال لیا تھا۔

میں نے پستول نکالنے کیلئے جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر رانا رنبیر مجھ سے زیادہ چالاک اور پھرتیلا ثابت ہوا۔ اس نے بڑی تیزی سے اپنی جیب سے پستول نکال لیا۔

''نہیں ناجی صاحب!'' اس کے حلق سے بھیڑیے جیسی غراہٹ نکلی۔

''تم کوئی غلط حرکت نہیں کرو گے۔ میرا یہ پستول شور مچانا بھی پسند نہیں کرتا' اپنی جگہ پر کھڑے رہو۔''

میرے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے اور سنسنی کی لہر پورے جسم میں پھیلتی چلی گئی اور میں ساکت و جامد اپنی جگہ پر کھڑا رانا رنبیر سنگھ کی طرف دیکھتا رہا۔

☆ ☆ ☆

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

Scanned By:
Azam & Ali
aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

رہنے لگا۔ دل جیسے سینے میں نہیں کنپٹیوں میں دھڑک رہا ہو۔ دماغ کی نسوں میں تناؤ سا پیدا ہوگیا۔

صورت حال اگرچہ خاصی سنگین تھی لیکن میں خوفزدہ نہیں تھا۔ خوف کا لفظ تو میں نے عرصہ پہلے اپنی ڈکشنری سے نکال دیا تھا۔ اس وقت رانا کے منہ سے اپنا نام سن کر مجھ پر جو وحشت سی طاری ہوئی تھی اسے میں نے فوراً ہی ذہن سے جھٹک دیا اور لہجے کو پرسکون رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

''یہ کیا مذاق ہے رانا پستول ہٹاؤ سامنے سے اور...''

''یہ مذاق نہیں مسٹر ناجی۔'' اس نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ ''یہ پستول اصلی ہے اس میں گیارہ گولیاں ہیں تم اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتے کہ تم دونوں اس وقت میرے رحم و کرم پر ہو۔''

''اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم اس وقت تمہارے رحم و کرم پر ہیں لیکن یہ مذاق مجھے پسند نہیں آیا۔ روپ سیہائے کو پتہ چلے گا تو وہ تمہیں کھڑے کھڑے نوکری سے نکال دے گا۔ یہ پستول ہٹاؤ سامنے سے۔ میں تمہاری اس حرکت کو مذاق سمجھ کر بھول جاؤں گا اور روپ سیہائے سے اس کا کوئی ذکر نہیں کروں گا۔'' میں نے کہا۔

''میں پھر کہہ رہا ہوں کہ یہ مذاق نہیں مسٹر ناجی۔'' اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''تم مجھے بار بار اس نام سے کیوں پکار رہے ہو۔ تمہیں کوئی غلط فہمی تو نہیں ہوئی۔'' میں نے کہا۔

''مجھے نہ تو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے اور نہ ہی میں کسی خوش فہمی میں مبتلا ہوں۔ تمہیں بھی اس حقیقت کا اعتراف کرلینا چاہئے کہ تم وہی پاکستانی آتنک وادی ناجی ہو جسے پورے ہندوستان کی پولیس تلاش کررہی ہے اور تمہاری یہ دوست رتنا ہے۔ ماؤنٹ آبو میں پریم نواس ریسٹورنٹ کی سابق ویٹرس، تم دونوں اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتے۔ میرے پاس تمہارے ناجی اور اس کے رتنا ہونے کے ٹھوس ثبوت موجود ہیں۔''

''اوہ...!'' میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ رتنا کے بارے میں انکشاف نے بھی مجھے چونکا دیا تھا۔ ''پھر تو تم واقعی بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہو اگر تم وہ ہوتے جو تم سمجھ رہے ہو تو روپ سیہائے جیسا لٹر دیش پرست شخص ہمیں اپنے گھر میں ایک لمحہ کو بھی ٹکنے نہ دیتا اور سترا دیوی... وہ دیش کے دشمنوں کو کیسے

برداشت کرسکتی ہے۔ اگر ہم آتنک وادی ہوتے تو وہ پہلے ہی روز ہمیں پولیس کے حوالے کردیتی۔''

میں اپنا راستہ خود ہی بنالوں گا اور اب بحث بند۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے تم ہاتھ اوپر اٹھا کر کھڑے ہو جاؤ۔ مجھے معلوم ہے تمہارے پاس پستول ہے۔ اگر تم نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو میرے اس پستول کی گولی کوئی آواز پیدا کئے بغیر تمہاری کھوپڑی میں سوراخ کردے گی۔

میں گہرا سانس لیتے ہوئے کھڑا ہوگیا۔ وہ اوپر سے گھوم کر میرے پیچھے آ گیا اور میری جیب سے پستول نکالنے کے بعد میرے لباس کو تھپتھپا کر یہ اطمینان کرلیا کہ میرے پاس کوئی اور ہتھیار تو نہیں۔ رتنا پر اس نے توجہ نہیں دی تھی اسے یقیناً اس بات کا علم نہیں تھا کہ رتنا کے پاس بھی ایک عدد پستول موجود ہے۔ اب یہ تو مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ پستول اس وقت رتنا کے لباس میں کہیں چھپا ہوا تھا یا کہیں اور رکھا ہوا تھا۔

میرے پستول پر قبضہ کرنے کے بعد رانا ایک بار پھر سامنے آ گیا۔ میرے والا پستول اس نے پتلون کی جیب میں ڈال لیا اور متجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

''وہ چادر اٹھا کر اس کی پٹیاں پھاڑو اور اپنے ساتھی کے ہاتھ پشت پر باندھ دو۔'' رانا نے رتنا کو مخاطب کرتے ہوئے صوفے پر پڑی ہوئی چادر کی طرف اشارہ کیا۔

رتنا خشمگیں نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے دوسرے صوفے کی طرف بڑھ گئی جس پر چادر پڑی ہوئی تھی۔ رانا نے مجھے اپنے پستول کی زد میں لے رکھا تھا۔ اسے شاید رتنا کی طرف سے زیادہ خطرہ نہیں تھا۔

رتنا نے چادر اٹھا کر اسے اس طرح جھٹکا دیا کہ وہ پھیل کر رتنا کے جسم پر لپٹ گئی اس کا ایک کونا رتنا کے کندھے پر اٹک گیا تھا۔ رتنا الٹے ہاتھ سے چادر کو کھینچنے لگی۔ اس کا دایاں ہاتھ چادر میں چھپا ہوا تھا۔

اور پھر دوسرے ہی لمحہ کمرے کی فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ رتنا کا پستول اس کے لباس ہی میں چھپا ہوا تھا اور چادر کی آڑ میں اسے پستول نکالنے کا موقع مل گیا تھا۔

گولی رانا کے سر کے قریب سے گزر گئی۔ فائر کی اچانک آواز سے وہ اچھل پڑا تھا۔ میں نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور کسی طاقتور اسپرنگ کی طرح اپنی جگہ سے اچھلا۔

ہوا میں اڑتے ہوئے میرے پیر کی ٹھوکر رانا کے پستول والے ہاتھ پر لگی۔ پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا۔ وہ خود بھی لڑکھڑا گیا تھا۔ وہ ایک لمحہ کو بدحواس ہوگیا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ سنبھل سکتا میں اس پر پلٹ پڑا۔

رانا پشت کے بل نیچے گرا میں اس کے سینے پر سوار ہوگیا اور دونوں ہاتھ اس کی گردن پر دبا دیئے اور انگوٹھوں سے اس کا نرخرہ دبانے لگا مگر رانا نے مجھے پیروں پر اچھال دیا۔ میں الٹی قلابازی کھاتا ہوا ایک صوفے سے ٹکرا گیا۔

رانا بڑی پھرتی سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ میں نے بھی سنبھلنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی۔ رانا لمبا تڑنگا آدمی تھا اور مجھ سے زیادہ طاقتور بھی۔ اس نے غالباً لڑائی کی تربیت بھی حاصل کررکھی تھی اور یہ بات میں جانتا تھا کہ اگر میں اس کے ہاتھ آ گیا تو وہ میری ہڈیوں کا سرمہ بنانے میں زیادہ دیر نہیں لگائے گا۔ اس نے ہمارے حوالے سے نجانے کیا کیا منصوبے بنائے ہوں گے لیکن شکار ہاتھ سے نکلتے دیکھ کر وہ بپھر گیا تھا۔ رتنا

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

نے اسے پستول کی زد میں لے کر وارننگ دی تھی لیکن وہ اس دھمکی کی پروا کئے بغیر میری طرف لپکا میں نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو اس کی زد سے بچایا اور پلٹ کر اس پر حملہ کر دیا۔ وہ بھی بڑی تیزی سے پلٹ کر مجھ پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس کا گھونسہ وزنی ہتھوڑے کی طرح میرے جبڑے پر پڑا۔ میرا دماغ جھنجنا اٹھا۔ سنبھلنے کی کوشش کے دوران میرے کندھے پر ایک اور گھونسہ پڑا۔ میں بے اختیار کراہ اٹھا اور نیچے جھکتا چلا گیا۔ رانا نے مجھے اٹھا کر پٹخ دیا اور بڑی پھرتی سے پلٹ کر مجھ پر ٹھوکریں برسانے لگا۔

رتنا مسلسل چیخ چیخ کر اسے وارننگ دے رہی تھی۔ گولی مار دینے کی دھمکی دے رہی تھی لیکن رانا پر اس کی دھمکیوں کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ وہ سانڈ کی طرح بپھر گیا تھا۔

اس کی ایک ٹھوکر میری پسلیوں پر لگی میں چیخ اٹھا مگر میں نے فوراً ہی اپنے آپ کو سنبھال لیا اور اسے اگلی ٹھوکر مارنے کا موقع نہیں دیا۔ میں نے بڑی پھرتی سے اس کا پیر پکڑ کر مروڑ دیا وہ ایک پیر پر ناچ کر رہ گیا اور پھر دھڑام سے نیچے گرا۔

یہ رتنا کی بدقسمتی تھی کہ رانا اس کے قریب گرا تھا۔ رتنا نے اس سے بچنے کے لئے تیزی سے پیچھے ہٹنے کی کوشش کی تھی مگر رانا نے اس کی ٹانگوں کو اپنی بانہوں کی لپیٹ میں لے لیا۔ رتنا چیختی ہوئی نیچے گری۔ رانا نے ایک زوردار جھٹکے سے میری گرفت سے اپنا پیر بھی چھڑا لیا تھا اور وہ سانپ کی طرح پلٹ کر رتنا سے لپٹ گیا۔

رتنا نے عقلمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنا پستول دور اچھال دیا تھا مگر وہ خود پوری طرح رانا کی گرفت میں تھی۔ رانا اسے رگید رہا تھا اور وہ چیخ رہی تھی۔

میں ابھی تک اپنے حواس پر قابو نہیں پا سکا تھا۔ سینے پر لگنے والی رانا کی ٹھوکر سے میرا سانس گھٹ رہا تھا اور درد کی لہریں پورے سینے میں پھیلتی جا رہی تھیں۔ رتنا کی چیخیں سن کر میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور اپنی تکلیف کی پروا کئے بغیر رانا پر چھلانگ لگا دی اور اسے سر کے بالوں سے پکڑ کر پیچھے کھینچنے لگا۔ یہ بات میں اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر ہم دونوں میں سے کوئی ایک بھی رانا کے قابو میں آ گیا تو پھر ہمارا بچنا مشکل ہو جائے گا۔

میں ایک ہاتھ سے رانا کو بالوں سے پکڑے پیچھے کھینچتا رہا اور دوسرے ہاتھ سے اس پر گھونسے بھی برساتا رہا۔ میری کوشش رائیگاں نہیں گئی۔ میں رانا کو پیچھے کھینچنے میں کامیاب ہو گیا اور رتنا اس کی گرفت سے نکل گئی۔ لیکن دوسرے ہی لمحہ رانا ارنا بھینسے کی طرح ڈکراتا ہوا پیچھے کی طرف پلٹا اور مجھے رگیدتا ہوا دور تک لے گیا۔

اب میں رانا کی گرفت میں تھا۔ وہ میرے سینے پر چڑھ گیا اور دونوں ہاتھوں سے میرا گلا گھونٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میری گردن آہنی شکنجے میں جکڑی گئی ہو۔ میرا سانس گھٹنے لگا۔

یہ صورت حال دیکھ کر رتنا تیزی سے آگے لپکی تھی رانا نے بیٹے ہی لیٹے اس کے پیٹ پر لات رسید کر دی وہ چیختی ہوئی دوہری ہو گئی۔ رانا اٹھ کر مجھ سے لپٹ گیا۔ وہ مجھے زمین پر گرانے کی کوشش کر رہا تھا اس کے ساتھ ہی میرے پیٹ میں زوردار گھونسے بھی رسید کر رہا تھا۔

اور پھر ایک موقع مجھے بھی مل گیا۔ میں نے سیدھا ہاتھ اس کی گردن پر لپیٹ دیا۔ یہ میرا پسندیدہ

داؤ تھا۔ آج تک میرا کوئی حریف میرے اس داؤ سے بچ نہیں سکا تھا رانا کی گردن پر میرے بازو کا شکنجہ سخت ہوتا گیا۔

رانا نے اب مزاحمتی انداز اختیار کر لیا تھا وہ اپنی تمام تر قوت میری گرفت چھڑانے پر استعمال کر رہا تھا لیکن میری یہ گرفت ایسی نہیں تھی کہ اسے آسانی سے چھڑایا جا سکتا۔

ہم دونوں ایک دوسرے کے خلاف زور آزمائی کرتے ہوئے دیوار کے قریب پہنچ گئے تھے۔ میں نے دونوں پیر دیوار کے ساتھ ٹکا لئے۔ اس طرح مجھے زیادہ طاقت استعمال کرنے کا موقع مل گیا میں نے اس کی گردن کو یکے بعد دیگرے دو جھٹکے دیئے۔ تیسرے جھٹکے پر کڑک کی آواز ابھری اس کے حلق سے نکلنے والی چیخ گھٹ کر رہ گئی تھی میں نے ایک اور زوردار جھٹکا دیا۔

رانا بری طرح پیر پٹخ رہا تھا۔ اس کے پیروں کی رگڑ سے قالین بھی سمٹ گیا۔ صورتحال ایسی تھی جیسے کسی بھینسے کے گلے پر چھری چلا کر اسے قابو میں رکھنے کی کوشش کی جائے۔

میں نے بازو کی گرفت اس وقت تک ڈھیلی نہیں کی جب تک اس کی مدافعت بالکل ختم نہیں ہو گئی اور پھر ایک جھٹکے سے اسے قالین پر پھینک دیا۔ وہ کچھ دیر تڑپا اور پھر بے حس و حرکت ہو گیا۔

میں صوفے پر بیٹھ کر ہانپنے لگا۔ اس ارنا بھینسے کی گردن مروڑنے کے لئے مجھے دانتوں پسینہ آ گیا اور سانس پھول گیا۔

رتنا ایک طرف کھڑی عجیب سی نظروں سے کبھی رانا کی لاش اور کبھی میری طرف دیکھنے لگتی۔ میں تقریباً پانچ منٹ بعد اپنی کیفیت پر قابو پا چکا تھا۔ میں نے رتنا سے پانی منگوا کر پیا اور اٹھ کر رانا کی لاش کا معائنہ کرنے لگا۔

اس کے لباس کی تلاشی لیتے ہوئے میں نے اس کی پتلون کی جیب سے اپنا پستول بھی نکال لیا تھا۔ یہ پستول اس نے شروع ہی میں قبضے میں لے کر اپنی جیب میں ڈال لیا تھا بعد میں اس کا اپنا پستول تو چھن گیا تھا لیکن اسے یہ پستول استعمال کرنے کا موقع بھی نہیں ملا تھا۔

رتنا نے قالین پر پڑی ہوئی چادر اٹھا کر لاش پر ڈال دی اور کچن کی طرف چلی گئی۔

میں کمرے کے باتھ روم میں آ گیا اور نل کھول کر منہ پر پانی کے چھپکے مارنے لگا اور پھر میں نے اپنا سر نلکے کے نیچے کر دیا۔

ٹھنڈے پانی سے دماغ کی تپش کچھ کم ہوئی۔ میں تولئے سے سر رگڑتا ہوا باہر آ گیا رتنا بھی چائے کے دو کپ لئے کچن سے نکل رہی تھی۔ چائے پیتے ہوئے میری نظریں کافی ٹیبل پر رکھی ہوئی رلنا کی تصویروں کی طرف اٹھ گئیں۔ میں نے پریم نواس ریسٹورنٹ کے ڈریس والی تصویر اٹھائی۔ یہ رنگین تصویر ریسٹورنٹ کے کاؤنٹر کے سامنے کھینچی گئی تھی۔ کاؤنٹر کے پیچھے کوئی نہیں تھا البتہ پیچھے کی الماری نظر آ رہی تھی جس میں کراکری سجی ہوئی تھی۔ تصویر میں رتنا کی قمیص پر لگا ہوا ریسٹورنٹ کا مونوگرام بھی صاف نظر آ رہا تھا۔

''حیرت ہے۔'' میں نے تصویر میز پر رکھتے ہوئے رتنا کی طرف دیکھا۔ ''ان لوگوں نے اس ریسٹورنٹ سے تمہارے بارے میں معلومات حاصل کیں لیکن کسی کے ذہن میں یہ خیال نہیں آیا کہ ہوٹل کی انتظامیہ یا کسی ملازم کے پاس تمہاری کوئی تصویر بھی ہو گی۔ اگر یہ تصویر پولیس کے ہاتھ لگ جاتی تو اب تک

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

کئی بار اخبارات میں چھپ چکی ہوتی۔"

"ہوٹل کی انتظامیہ یا کسی اور کے پاس میری کوئی تصویر نہیں ہے۔" رتنا نے جواب دیا۔

"تو پھر یہ تصویر کہاں سے آ گئی؟" میں نے کہا۔

"میری یہ تصویر تقریباً ڈیڑھ سال پہلے سجاتا نے کھینچی تھی۔" رتنا نے جواب دیا۔ "سجاتا رہتی بھی میرے ساتھ ہی تھی لیکن ایک سال پہلے وہ نوکری چھوڑ کر احمد آباد چلی گئی تھی۔"

"لیکن رانا نے بتایا تھا کہ اس نے یہ تصویر ریسٹورنٹ کی ایک پرانی ملازمہ سے حاصل کی تھی۔" میں نے کہا۔

"اس بات نے مجھے الجھن میں ڈال رکھا ہے۔" رتنا بولی "ہوسکتا ہے سجاتا میرے وہاں سے فرار کے بعد واپس آ گئی ہو اور اتفاق سے رانا سے اس کی ملاقات ہوگئی۔ اس طرح یہ تصویر رانا کے ہاتھ لگ گئی۔"

"ہوسکتا ہے ایسا ہی ہوا ہو۔" میں نے کہا اور اپنا کپ اٹھا کر چائے کی چسکیاں لینے لگا۔

"اس لاش کا کیا کرنا ہے؟" رتنا نے ایک بار پھر پوچھا۔

"لاش کو ٹھکانے لگانے کے سلسلے میں ایک ہی بات سمجھ میں آتی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "اسے کار کی ڈگی میں ڈال کر کار کو کہیں دور چھوڑ دیا جائے۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ کسی نے کار کو اس بنگلے کی طرف آتے ہوئے دیکھ لیا ہو۔ بعد میں یہ کار کہیں سے ملے گی تو پولیس تفتیش کرتی ہوئی یہاں تک بھی پہنچ جائے گی۔"

"یہ رسک تو لینا ہی پڑے گا۔" میں نے کہا۔

"اس مسلمان لڑکی کے پولیس کے ہاتھوں قتل کے بعد جب سے تم نے ٹیلی فون پر پولیس کو دھمکی دی ہے اس کے بعد سے پولیس کی سرگرمیاں بڑھ گئی ہیں جگہ جگہ چیکنگ ہو رہی ہوگی۔ لاش کو کار کی ڈگی میں ڈال کر باہر نکلنا خطرناک ہوگا۔"

"کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔" میں نے کہا۔ "ہم اس لاش کو یہاں تو نہیں رکھ سکتے۔ میرا خیال ہے لاش کو ٹھکانے لگانے کا کام آدھی رات کے بعد کیا جائے۔"

"ایک بات اور؟" رتنا جیسے چونک کر بولی۔ "یہ کار شاید روپ سیہائے کی ہے۔ کار جب کہیں لاوارث کھڑی ہوئی ملے گی اور اس میں سے لاش بھی برآمد ہوگی تو پولیس سب سے پہلے روپ سیہائے ہی سے رابطہ کرے گی۔ اس طرح....."

"اس طرح بھی بات ہم تک نہیں پہنچے گی۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "کار باہر کھڑی ہے، میں پہلے اسے اندر لے آؤں۔"

میں باہر نکلا تو رتنا بھی میرے ساتھ ہی تھی۔ ہم کچھ دیر برآمدے میں کھڑے رہے۔ ابھی تو آٹھ ہی بجے تھے۔ جیسا کہ میں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ یہاں آبادی بہت چھدری تھی۔ ٹیلوں کی وجہ سے بنگلے ایک دوسرے سے بہت فاصلے پر تھے۔ ہمارے بنگلے میں رتنا کے ہاتھ سے ایک گولی بھی چلی تھی اور لڑائی کے دوران چیخم دھاڑ بھی ہوئی تھی۔ فائر کی آواز تو دور تک گونجی ہوگی لیکن کسی کے لئے یہ اندازہ لگانا مشکل

تھا کہ گولی کہاں چلی تھی۔

میں گیٹ کھول کر باہر نکل آیا۔ بنگلوں میں روشنی ہو رہی تھی مگر کوئی بھی بنگلہ ڈیڑھ دو سو گز سے زیادہ قریب نہیں تھا۔ مجھے آس پاس کسی قسم کی سرگرمی بھی دکھائی نہیں دی۔

کار کا دروازہ لاک نہیں تھا۔ چابی بھی موجود تھی۔ میں نے کار میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کرنے سے پہلے رتنا کو بلا لیا اور ہم دونوں کار کو دھکا لگا کر اندر لے آئے اور گیٹ بند کر دیا۔

کار کی ڈگی کافی کشادہ تھی۔ اس میں ایک فاضل ٹائر بھی رکھا ہوا تھا جسے نکال کر میں نے ایک طرف ڈال دیا۔ اندر آ کر میں رانا کی لاش اٹھانے کے لئے جھکا ہی تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں اچھل پڑا۔ میرے دل کی دھڑکن ایک دم بے قابو ہوگئی۔ خاموشی میں گھنٹی کی یہ آواز بم کے دھماکے سے کم ثابت نہیں ہوئی تھی۔ میں نے رتنا کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر بھی خوف کے سائے لہرا گئے تھے۔ ہم دونوں چند لمحے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ میرے خیال میں یہ سمترا ہی کی کال ہوسکتی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا مگر کچھ کہنے کے بجائے دوسری طرف سے کسی کے بولنے کا انتظار کرتا رہا۔

"ہیلو رتنا....." سمترا کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی "ہیلو، ہیلو....."

"یس سمترا، میں بول رہا ہوں۔" میں نے اپنا نام لئے بغیر جواب دیا۔

"کیا بات ہے، تم خاموش کیوں تھے؟" سمترا نے پوچھا۔

"یہاں گڑبڑ ہوگئی ہے سمترا۔ تمہارے آس پاس کوئی موجود تو نہیں۔" میں نے کہا۔

"نہیں، میں اس وقت اکیلی ہوں۔ روپ سیہائے اپنے کمرے میں ہے وہ شراب کے نشے میں مدہوش ہے لیکن کیا گڑبڑ ہے۔" سمترا نے جواب دیا۔

میں چند لمحے خاموش رہا پھر اسے رانا رنبیر سنگھ کے بارے میں بتانے لگا۔

"رانا۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔ "وہ تو ایک ہفتہ کی چھٹی لے کر جے پور گیا ہوا ہے۔ اپنی بہن سے ملنے کے لئے۔"

"وہ اپنی بہن سے ملنے کے لئے جے پور نہیں رتنا کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے ماؤنٹ آبو گیا تھا۔" میں نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد تفصیل بتانے لگا۔ آخر میں کہا "اس کی لاش یہاں رکھی ہے اور روپ سیہائے کی کار بھی یہاں موجود ہے۔ میرا خیال ہے....."

"وہ کار روپ سیہائے کی نہیں ہے۔" سمترا نے میری بات کاٹ دی۔ "میرا انتظار کرو، میں آ رہی ہوں۔"

فون بند ہوگیا۔ میں نے بھی ریسیور رکھ دیا اور رتنا کو سمترا سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کرنے لگا۔

آدھے گھنٹے بعد ایک کار گیٹ کے سامنے رکی۔ میں نے جھانک کر دیکھا وہ سمترا تھی جو کار سے اتر رہی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

"یہ کرائے کی کار ہے جو جے پور سے کسی رینٹل ایجنسی سے حاصل کی گئی ہے۔ دروازے پر ایجنسی کا مونوگرام بنا ہوا ہے۔" سمترا نے کار کا جائزہ لینے کے بعد کہا۔ "رانا کی لاش کہاں ہے؟"

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

''اندر ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

ہم اندر آ گئے۔ سمترا نے چادر اٹھا کر لاش کا چہرہ دیکھا اور پھر چادر اوپر ڈال دی۔

''جب تم لوگ روپ سیہائے والے بنگلے میں آئے تھے تو مجھے رانا کی سرگرمیوں پر کچھ شبہ سا ہوا تھا ایک روز میں نے اس کے پاس کیمرہ بھی دیکھا تھا لیکن میں نے زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔ اب پتہ چلا کہ یہ کیا کرتا پھر رہا تھا۔'' سمترا نے کہا۔

''اچھا ہوا کہ اس نے انعام کے لالچ میں ہمیں اکیلے میں پکڑنے کا پروگرام بنایا تھا اگر یہ پولیس کو اطلاع دے دیتا تو ہم پکڑے جا چکے ہوتے۔'' رتنا نے کہا۔

میرا خیال تھا کہ لاش کو آدھی رات کے قریب ٹھکانے لگایا جائے مگر سمترا کی رائے اس کے برعکس تھی۔ آج کل چیکنگ زیادہ ہو رہی تھی۔ کوٹ پتلی کوئی بڑا شہر نہیں تھا۔ آدھی رات کے وقت کار پر سڑکوں پر گھومنا زیادہ مشکوک ہو سکتا تھا۔

''میرا خیال ہے لاش کو ٹھکانے لگانے کے لئے یہی وقت مناسب ہے۔'' سمترا نے کہا ''اس وقت ہم کار کو شہر کی کسی بھی سڑک پر چھوڑ سکتے ہیں۔ کسی کو زیادہ شبہ نہیں ہوگا۔''

اور پھر اس کے بعد ہم نے وقت ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ لاش کو چادر میں لپیٹ کر کار کی ڈگی میں ڈال دیا گیا۔ رتنا اور سمترا اس کار میں بیٹھ گئیں۔ اسٹیئرنگ سمترا نے سنبھال لیا تھا۔ کار گیٹ سے نکلنے کے بعد میں نے برآمدے والا دروازہ لاک کر دیا اور گیٹ بند کر کے سمری والی کار میں بیٹھ گیا۔ آگے سمترا والی کار تھی اور اس سے تقریباً بیس گز کے فاصلے پر میری کار۔ سمترا کار کو شہر کے بارونق علاقے کی طرف لے جانے کے بجائے ایسی سڑک پر دوڑاتی رہی جہاں ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔

میں بہت محتاط انداز میں اس کار کا تعاقب کر رہا تھا شہر کے شمالی علاقے میں پہنچ کر سمترا کی کار ایک زیر تعمیر عمارت کے سامنے رک گئی۔ میں نے بھی اس کے پیچھے چند گز کے فاصلے پر کار روک لی اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

رتنا کار سے اتر آئی تھی۔ سمترا اسٹیئرنگ اور دروازوں پر انگلیوں سے نشان صاف کر رہی تھی اور پھر وہ دونوں میری کار کی طرف آ گئیں۔

میں ڈرائیونگ سیٹ چھوڑ کر پسنجرز سیٹ پر بیٹھ گیا اور سمترا نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ رتنا پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ سمترا اس مرتبہ کار کو شہر کے ایک بارونق علاقے میں لے آئی۔ میں نے ایک جگہ کار رکوا کر کھانے پینے کی چیزیں خریدیں۔

جب ہم بنگلے پر واپس پہنچے تو دس بج رہے تھے۔ رتنا نے آتے ہی بازار سے خریدی ہوئی چیزیں پلیٹوں میں سجا دیں۔ سمترا بھی کھانے میں ہمارے ساتھ شامل ہو گئی۔

گیارہ بجے کے قریب سمترا واپس چلی گئی۔ میں اور رتنا دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ میں نے رتنا کی دونوں تصویریں جلا کر ان کی راکھ سنک میں بہا دی تھی۔

رتنا تو دو بجے کے قریب کمرے میں جا کر سو گئی اور میں لاؤنج ہی میں صوفے پر بیٹھا صورت حال پر غور کرتا رہا۔ صبح جب لاش دستیاب ہو گی تو صورت حال مزید سنگین ہو جائے گی۔ بہت سے لوگ رانا

رنبیر سنگھ کو جانتے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے پولیس بھی جانتی ہو کہ وہ روپ سیہائے کا ملازم تھا۔ لاش ملنے کے بعد پولیس یقیناً روپ سیہائے سے رابطہ کرے گی اور اس کے بعد کیا صورت حال ہو گی۔ اس کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔

میرے خیال میں اب ہمیں یہاں سے نکل ہی جانا چاہئے تھا۔ ویسے بھی میں اب زندگی اور موت کی اس آنکھ مچولی سے تنگ آ گیا تھا۔

لیکن یہاں سے نکلنا اتنا آسان نہیں تھا جتنا میں سوچ رہا تھا۔ میں صرف پولیس ہی کو نہیں را اور بلیک کیٹس کے لئے بھی موسٹ وانٹڈ تھا۔ میں نے انہیں ناقابل تلافی نقصان پہنچایا تھا۔ نہ صرف ان کا بہت بڑا منصوبہ خاک میں ملا دیا تھا بلکہ ان کے درجنوں آدمی میرے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر چکے تھے۔ یہ لوگ مجھے آسانی سے نکلنے کا موقع کیسے دے سکتے تھے۔

ششادری کی گرفتاری کے بعد انہیں یقین ہو گیا تھا کہ میں کوٹ پتلی ہی میں موجود ہوں اور پھر ایک بے گناہ مسلمان لڑکی کی ہلاکت کے بعد میں نے پولیس کو ٹیلی فون پر جو دھمکی دی تھی اس سے کوٹ پتلی میں میری موجودگی کی تصدیق ہو گئی تھی اس شہر کو الرٹ کر دیا گیا تھا۔

رانا رنبیر سنگھ کی لاش بھی رات ہی کو مل گئی تھی۔ اگرچہ فوری طور پر اس کا مجھ سے کوئی تعلق قائم نہیں کیا جا سکا تھا لیکن پولیس کچھ اور محتاط ہو گئی تھی۔ رات بھر مختلف مقامات پر چھاپے مارے جاتے رہے۔ اس مرتبہ بھی شامت مسلمانوں ہی کی آئی تھی۔ کئی بے گناہوں کو تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔

صبح دس بجے کے قریب میں سو کر اٹھا تو اخبار میز پر رکھا ہوا تھا۔ رتنا مجھ سے پہلے بیدار ہو گئی تھی اور وہ ناشتے کا سامان لینے کے لئے قریبی شاپنگ سنٹر چلی گئی تھی جہاں سے اخبار بھی لے آئی تھی۔

اس واقعہ نے بھی اس چھوٹے سے شہر میں اچھی خاصی سنسنی پھیلا دی تھی۔ لاش کی اگرچہ شناخت نہیں ہو سکی تھی لیکن جے پور کی نمبر پلیٹ والی کار کے بارے میں پولیس نے پتہ چلا لیا تھا کہ اس کا تعلق جے پور کی ایک کار رینٹل ایجنسی سے تھا اور پولیس کے دو آدمی رات ہی کو تحقیقات کے لئے جے پور کے لئے روانہ ہو گئے تھے۔

اخبار میں میرے بارے میں بھی چند چھوٹی چھوٹی خبریں تھیں اور اداریے میں تو بہت کچھ لکھا تھا۔ اخبار نے تو اس شبہ کا اظہار بھی کیا تھا کہ اس قتل میں بھی میرا ہاتھ ہو سکتا ہے۔ پولیس کو بھی خوب لتاڑا گیا تھا کہ وہ اس چھوٹے سے شہر میں ایک ایسے مجرم کا سراغ نہیں لگا سکی جو یہاں روپوش ہے۔ پولیس صحیح رخ پر کارروائی کرنے کے بجائے بے گناہوں کو تشدد کا نشانہ بنا رہی ہے۔

گیارہ بجے کے قریب سمترا پہنچ گئی۔ اس کی آمد میرے لئے غیر متوقع تھی وہ کچھ گھبرائی ہوئی بھی لگ رہی تھی۔

''کیا بات ہے، خیریت!'' میں نے پوچھا۔

''آج صبح دو پولیس آفیسر روپ سیہائے کے پاس آئے تھے۔'' سمترا بولی۔

''اوہ...!'' میں چونک گیا۔

''رانا کی لاش کی شناخت ہو گئی ہے۔'' سمترا نے بتایا ''پولیس آفیسر اس سلسلے میں پوچھ گچھ

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

کرنے آئے تھے۔"

"پھر.....؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں ان کے سامنے تو نہیں آئی تھی مگر چھپ کر ان کی باتیں سنتی رہی تھی۔" سمترا نے جواب دیا۔ "روپ سیہائے نے پولیس کو یہی بتایا تھا کہ وہ چند روز پہلے ایک ہفتے کی چھٹی لے کر اپنی بہن سے ملنے کے لئے جے پور گیا تھا۔ اسے نہیں معلوم کہ وہ واپس کب آیا تھا۔"

"اس کی لاش کا کیا ہوگا، میرا مطلب ہے.....؟"

"اس کی لاش کریا کرم کے لئے ایک رفاہی ادارے کے حوالے کردی گئی ہے۔ اس کے لئے تمام اخراجات بھی روپ سیہائے نے ادا کردیئے ہیں۔" سمترا نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا "روپ سیہائے خاصا پریشان ہے، وہ فارم پر جانے کا پروگرام بنا رہا ہے۔"

"کب.....؟" میں نے پوچھا۔

"کل صبح.....!" سمترا نے جواب دیا۔ "میں نے اسے اس بات پر آمادہ کرلیا ہے کہ تم لوگوں کو بھی ساتھ لے چلیں۔"

"کیا تمہارے خیال میں ہم آسانی سے نکل سکیں گے؟" میں نے پوچھا۔

"روپ سیہائے کا ساتھ ہونے کی وجہ سے زیادہ پریشانی نہیں ہوگی۔" سمترا نے جواب دیا "اس کا شمار کوٹ پتلی کی معزز شخصیات میں ہوتا ہے۔ اسے ہر شخص جانتا ہے۔ وہ ساتھ ہوگا تو پولیس بھی تم لوگوں سے پوچھ گچھ نہیں کرے گی۔"

"کل کس وقت جانا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"ہم صبح چھ بجے یہاں پہنچ جائیں گے۔" سمترا نے کہتے ہوئے ایک تھیلا میری طرف بڑھا دیا "اس میں شوفر کا ڈریس ہے، تم ڈرائیور کی حیثیت سے گاڑی ڈرائیو کرو گے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا "اور فارم پر پہنچنے کے بعد؟"

"آگے کا پروگرام ہم وہاں پہنچنے کے بعد بنائیں گے۔"

سمترا نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔ "میرے دو سوٹ کیس یہاں رکھے ہوئے ہیں۔ وہ بھی ساتھ لے جانے ہوں گے۔ آؤ میں تمہیں دکھاتی ہوں۔"

مجھے یاد آ گیا کہ سمترا سے جب یہاں ملاقات ہوئی تھی تو اس نے بتایا تھا کہ اس نے اپنی ساری دولت اس بنگلے کے تہہ خانے میں چھپا رکھی ہے۔ اس کے بعد ہم نے نہ اس دولت کے بارے میں کچھ دریافت کیا تھا اور نہ ہی تہہ خانے کا پوچھا تھا۔

سمترا ہمیں تہہ خانے میں لے گئی۔ تہہ خانے کا راستہ اس کمرے کے باتھ روم میں تھا جہاں میں نے اور رتنا نے رہائش اختیار کر رکھی تھی۔

وہ بڑے بڑے دو سوٹ کیس تھے جن میں نوٹوں کے بنڈل، سونے کے زیورات اور مورتیاں وغیرہ بھری ہوئی تھیں۔ اس خزانے کی مالیت یقیناً کروڑوں میں تھی اور میرا خیال تھا کہ اگر سمترا کو کہیں سیٹ ہونے کا موقع مل گیا تو وہ نہ صرف خود شاہانہ زندگی گزار سکتی تھی بلکہ اس کی آنے والی کم از کم دو نسلیں بھی

کوئی کام کئے بغیر ٹھاٹھ کی زندگی گزار سکتی تھیں۔

"صبح جب ہم یہاں آئیں گے تو تم لوگ اپنا سامان ظاہر کر کے یہ دونوں سوٹ کیس گاڑی میں رکھ دینا۔" سمترا نے تہہ خانے سے باہر آتے ہوئے کہا اور مجھے تہہ خانے کے میکنزم کے بارے میں سمجھانے لگی۔

سمترا دوپہر تک ہمارے پاس رہی تھی۔ اس کے جانے کے بعد ہم دیر تک اس حوالے سے باتیں کرتے رہے۔

وہ دن گزر گیا اور پھر رات بھی آدھی سے زیادہ بیت گئی مگر نہ مجھے نیند آ رہی تھی اور نہ رتنا کو۔ میں اپنے آپ میں عجیب سی بے چینی محسوس کر رہا تھا۔

تین بجے کے قریب رتنا صوفے پر ہی آڑھی ترچھی ہو کر اونگھنے لگی لیکن پانچ بجے کے قریب وہ بھی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں تیاری شروع کردینی چاہئے۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تیاری کیا کرنی ہے۔" رتنا نے کہا "اپنا سوٹ کیس تو میں نے رات ہی کو پیک کرلیا تھا۔ تم اپنے کپڑے بدل لو۔ میں اتنے میں چائے بنا لیتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے، پہلے میں سمترا کے سوٹ کیس تہہ خانے سے نکال لاؤں۔" میں اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

تہہ خانے میں رکھے ہوئے سمترا کے سوٹ کیس خاصے وزنی تھے۔ میں انہیں اٹھا کر باہر لے آیا اور تہہ خانے کا راستہ بند کردیا۔

سمترا کے لائے ہوئے تھیلے میں سے میں نے شوفر کی وردی نکال لی اور ایک طرف کھڑے ہو کر بدلنے لگا۔

یہ کپڑے مجھ پر بالکل فٹ آئے تھے۔ لگتا تھا جیسے میرے ناپ کے سلوائے گئے ہوں۔ اپنے اتارے ہوئے کپڑے میں نے اپنے والے سوٹ کیس میں رکھ دیئے۔ اس دوران رتنا چائے بنا کر لے آئی۔ اس کے ساتھ ڈبل روٹی کے سلائس بھی تھے۔

ساڑھے پانچ بجے کے قریب ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ ہم دونوں نے معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر میں نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔ وہ سمترا کی کال تھی۔ اس نے بتایا کہ وہ لوگ کچھ دیر بعد نکل رہے ہیں اور پھر چھ بجے سے پہلے ہی ایک بہت شاندار لینڈ کروزر گیٹ کے سامنے آ کر رکی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر سمترا تھی۔ میں اس وقت برآمدے میں کھڑا تھا۔ لینڈ کروزر رکتے ہی میں نے باہر آ کر گیٹ کھول دیا تھا۔ پچھلی سیٹ پر روپ سیہائے بیٹھا ہوا تھا۔

لینڈ کروزر کی سیٹوں کے پیچھے خاصی گنجائش تھی۔ ایک چھوٹا سا سوٹ کیس پہلے ہی سے رکھا ہوا تھا۔ میں نے اپنا اور سمترا کے دونوں سوٹ کیس بھی رکھ دیئے اور بنگلے کو تالا لگا کر چابیوں کا گچھا سمترا کے حوالے کردیا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ سمترا پیچھے روپ سیہائے کے ساتھ بیٹھ گئی۔ میں نے رتنا کے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

لئے پسنجر سیٹ والا دروازہ کھولا تھا۔ مگر سمترا کے کہنے پر وہ بھی پچھلی سیٹ پر روپ سیہائے کی دوسری طرف بیٹھ گئی۔ اس طرح روپ سیہائے ان دونوں کے درمیان سینڈوچ بن کر رہ گیا تھا۔

سمترا مجھے راستہ بتاتی رہی اور میں لینڈ کروزر کو شہر کی مختلف سڑکوں پر دوڑاتا رہا اور پھر شہر سے باہر جانے والی سڑک پر موڑتے ہی مجھے گاڑی کی رفتار کم کر لینی پڑی۔ سامنے سڑک پر بیریر لگا ہوا تھا اور پولیس کے چار آدمی رائفلیں اٹھائے کھڑے تھے۔ سڑک کے عین بیچ میں کھڑا ایک پولیس والا ہمیں رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ بیریر کے قریب پہنچ کر میں نے گاڑی روک لی اور پولیس والوں نے ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔

سڑک کے کنارے کرسی پر بیٹھا ہوا سب انسپکٹر اٹھ کر شاہانہ انداز میں چلتا ہوا قریب آ گیا۔ اس نے پہلے کار کے گرد ایک چکر لگایا اور پھر میری طرف آ کر کھڑا ہو گیا۔

''کہاں جانے کا ہے مہاشے سویرے سویرے؟'' اس نے جھک کر میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

''سیٹھ سے پوچھ لو، وہ جدھر بولے گا ہم تو ادھر کو جانے کا ہے۔'' میں نے بھی اسی کے لہجے میں جواب دیا۔

وہ پچھلی کھڑکی کی طرف چلا گیا۔ میرا خیال ہے پہلے اس نے صرف سمترا اور رتنا ہی کو دیکھا تھا۔ روپ سیہائے پر نظر نہیں پڑی تھی لیکن اب اس نے ان دونوں کے بیچ میں پھنسے ہوئے سیٹھ کو بھی دیکھ لیا۔

''اوہو... دو دو... سویرے سویرے۔'' وہ باری باری رتنا اور سمترا کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''کیا بکتے ہو...؟'' روپ سیہائے نے سیدھا ہو کر بیٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے سب انسپکٹر کو گھورا۔ ''جانتے نہیں کس سے بات کر رہے ہو۔ میں تمہاری پیٹی اتروا دوں گا۔''

''پیٹی اتروا دو گے تو میں ناڑا باندھ لوں گا، پر تم ہے کون بھایا، میری پیٹی اتروانے والا۔'' سب انسپکٹر بولا۔ وہ یقیناً روپ سیہائے کو نہیں پہچانتا تھا۔

ایک ہیڈ کانسٹیبل نے اس کے قریب پہنچ کر کان میں سرگوشی کی تو وہ ایک دم سنبھل گیا۔

''نمسکار سیٹھ جی۔'' وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر کھڑکی کے سامنے جھک گیا۔ ''برا نہیں ماننے کا سیٹھ جی، کیا کروں، ہم اپنا ڈیوٹی کر رہا ہوں۔ یہ پوچھنے کا ہوں کہ کہاں جانے کا ہے سویرے سویرے۔''

''میں اپنے فارم پر جا رہا ہوں بھیل پور...'' روپ سیہائے نے جواب دیا۔

''ضرور جاؤ سیٹھ جی۔ پر اپن رات سے یہاں پہ ڈیوٹی دیتا ہوں، ابھی ناشتہ بھی نہیں کیا اور...''

''شٹ اپ...!'' روپ سیہائے نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا ''اسے چائے پانی کے لئے پچاس روپے دے دو اور گاڑی آگے بڑھاؤ ہمیں دیر ہو رہی ہے۔''

میں نے جیب سے پچاس روپے نکال کر سب انسپکٹر کے ہاتھ میں تھما دیئے اور انجن اسٹارٹ کر دیا۔ سب انسپکٹر کے دانت نکل آئے۔ اس نے بیریر کے قریب کھڑے ہوئے کانسٹیبل کو اشارہ کیا۔ اس

نے لوہے کی زنجیر گرا دی۔ میں نے گاڑی کو آگے بڑھا دیا اور رفتہ رفتہ اس کی رفتار بڑھاتا گیا۔

''بھکاری۔'' روپ سیہائے بڑبڑایا۔ ''شہر میں قتل کی وارداتیں ہو رہی ہیں۔ دنیا کے سب سے خطرناک آتنک وادی موقع کی تلاش میں ہیں اور یہ سب انسپکٹر ایمانداری سے ڈیوٹی دینے کے بجائے لوگوں سے بھیک مانگ رہا ہے۔ ارے، اس طرح تو وہ دہشت گرد بھی رشوت دے کر نکل جائیں گے۔ میں واپس آ کر اس کے خلاف رپورٹ ضرور کروں گا۔''

''ایسے لوگوں کو تو بالکل نہیں چھوڑنا چاہئے۔'' میں نے لقمہ دیا۔

روپ سیہائے بڑبڑاتا رہا۔ پھر اس نے اپنا ایک بازو سمترا کی گردن میں حمائل کر دیا۔ سمترا نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ وہ اس کی رکھیل تھی اور اس ناتے اسے اعتراض کرنے کا کوئی حق بھی حاصل نہیں تھا۔ چند سیکنڈ بعد روپ سیہائے نے دوسرا بازو اٹھا کر دوسری طرف بیٹھی ہوئی رتنا کی گردن پر حمائل کر دیا۔ اس کی انگلیاں رتنا کی ہنسلی کی ہڈی سے ذرا نیچے اس کے جسم کو چھونے لگیں۔ رتنا اپنی جگہ پر کسمسا کر رہ گئی۔

میں نے سامنے لگے ہوئے عقبی منظر پیش کرنے والے آئینے کی طرف دیکھا رتنا میری طرف ہی دیکھ رہی تھی۔ میں نے اسے آنکھ مار دی۔ رتنا کے ہونٹوں پر بھی بہت خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

گاڑی شہر کی حدود سے بہت دور آ چکی تھی۔ اب آگے کھیت پھیلے ہوئے تھے کہیں کہیں بلند ٹیلے بھی ابھرے ہوئے تھے اور کھیتوں کے کناروں پر، پگڈنڈیوں پر درخت بھی دکھائی دے رہے تھے۔

پورے راجستھان میں شاید مرچوں کی فصل کا سیزن تھا۔ یہاں بھی سڑک کے دونوں طرف مرچوں ہی کے کھیت تھے۔

تقریباً پانچ میل تک تو پکی سڑک تھی اس سے آگے کا راستہ کچا تھا۔ اس راستے پر بیل گاڑیوں کی آمدورفت زیادہ تھی کیونکہ راستے پر بیل گاڑیوں کے پہیوں کے گہرے نشان بنے ہوئے تھے۔ بعض تو باقاعدہ گڑھوں کی صورت اختیار کر گئے تھے جن کی وجہ سے مجھے گاڑی چلانے میں خاصی دشواری پیش آ رہی تھی۔ رفتار بھی زیادہ نہیں تھی۔

آگے کھیتوں میں ایک سہ راہا سا بن گیا تھا میں ابھی اس سہ راہے سے دور ہی تھا کہ سمترا کی آواز سنائی دی اس نے مجھے گاڑی بائیں طرف موڑ لینے کو کہا تھا۔

اس راستے پر چند میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک اونچی جگہ پر درختوں کے جھنڈ دکھائی دینے لگے۔ انہی درختوں میں ایک عمارت بھی نظر آ رہی تھی جس کے گرد لمبی چوڑی چار دیواری تھی۔

آس پاس کھیتوں میں کچھ عورتیں اور مرد بھی کام کرتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ وہ ہماری گاڑی کی طرف دیکھتے اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو جاتے۔ اس گاڑی کو دیکھ کر وہ سمجھ گئے تھے کہ ان کا مالک آ گیا ہے۔

حویلی والے ٹیلے کے دامن میں راستے سے بیس پچیس گز ہٹ کر درختوں کے نیچے پانچ چھ جھونپڑے بنے ہوئے تھے جن کے سامنے چارپائیوں پر تین چار آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ درختوں کے نیچے چند مویشی بھی بندھے ہوئے تھے۔ روپ سیہائے کے کہنے پر میں نے گاڑی روک لی۔ وہ آدمی اٹھ کر تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے گاڑی کے قریب آ گئے اور دونوں نے ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا اور کن انکھیوں سے رتنا اور

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

سمترا کی طرف دیکھنے لگے۔ سمترا تو پہلے بھی یہاں رہ چکی تھی البتہ رتنا ان کے لئے نئی چیز تھی۔

"دھن راج کہاں ہے، اور کوئی ہے یا نہیں۔" روپ سیہائے نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"دھن راج تو کل رات کو شہر چلا گیا تھا مالک، اس کی لگائی بیمار ہے آج دوپہر تک آجائے گا۔" ان میں سے ایک نے جواب دیا۔ "اور حویلی میں کوئی ہے تو نہیں پر آپ حکم دیویں تو ہم اپنی کسی کو بھیج دیویں۔"

"بھیج دو..... ہمیں کھانا وغیرہ پکانے کے لئے اس کی ضرورت ہوگی۔" روپ سیہائے نے کہا اور مجھے گاڑی آگے بڑھانے کا اشارہ کیا۔

میں گاڑی کو حرکت میں لے آیا۔ ٹیلے پر جانے والا وہ راستہ آڑھا ترچھا سا تھا۔ چار دیواری میں لکڑی کی پھٹوں کا گیٹ بنا ہوا تھا۔ گاڑی ابھی دور ہی تھی کہ ایک کالا بھجنگ سا آدمی کسی طرف سے نمودار ہوا اور گیٹ کھول دیا۔ میں گاڑی کو اندر لیتا چلا گیا۔

بہت وسیع و عریض کمپاؤنڈ تھا جس میں لش گرین لان تھا جس کے گرد پھولوں کی کیاریاں تھیں اور چند ناریل کے درخت بھی تھے۔ سامنے تقریباً پچاس گز آگے شاندار حویلی تھی۔ میں نے گاڑی وسیع و عریض پورچ میں روک دی اور انجن بند کر دیا۔

نیچے اتر کر میں نے رتنا والی سائیڈ کا دروازہ کھول دیا۔ اس وقت روپ سیہائے کا بازو رتنا کی کمر کے گرد حمائل تھا۔ رتنا اس کی طرف لپک کر مسکراتی ہوئی نیچے اتر آئی۔ دوسری طرف سے سمترا بھی نیچے اتر چکی تھی۔ روپ سیہائے بھی اپنے آپ کو سیٹ پر گھسیٹتا ہوا رتنا والی سائیڈ سے نیچے اتر آیا۔

روپ سیہائے برآمدے سے گزر کر دروازے کے سامنے پہنچ کر رک گیا۔ دروازے پر ایک چھوٹا سا تالہ لگا ہوا تھا۔ روپ سیہائے نے مڑ کر ادھر ادھر دیکھا اور تقریباً اسی وقت وہی آدمی دوڑتا ہوا حویلی کے گیٹ میں داخل ہوا جس نے بتایا تھا کہ دھن راج شہر گیا ہوا ہے۔

وہ تقریباً دوڑتا ہوا ہی برآمدے میں پہنچا تھا۔

"دھن راج چابی کسی کو دے گیا تھا مالک، ابھی دروازہ کھولتا ہوں۔" وہ کہتے ہوئے آگے بڑھا اور ہاتھ میں پکڑی ہوئی چابی سے تالا کھولنے لگا۔

حویلی میں کئی کمرے تھے جو سب کے سب قیمتی ساز و سامان سے آراستہ تھے۔ اس حویلی کو دیکھ کر اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا کہ یہ کسی شہری آبادی سے میلوں دور ہے۔ یہاں ہر وہ آسائش موجود تھی جو کسی شہر میں دستیاب ہو سکتی ہے۔ شہر سے اس طرف آتے ہوئے میں نے بجلی کے کھمبوں کی ایک قطار بھی دیکھی تھی۔ بجلی کی تاروں کے علاوہ ٹیلی فون کی لائن بھی نظر آئی تھی۔ حویلی میں بجلی بھی تھی اور ٹیلی فون بھی۔

بڑے ہال کمرے میں رنگین ٹیلی ویژن سیٹ بھی رکھا ہوا تھا۔ دیواروں پر فینسی شیڈز والے بلب لگے ہوئے تھے اور چھت پر خوبصورت فانوس لٹکے ہوئے تھے۔

جس شخص نے تالا کھولا تھا وہ گاڑی سے ہمارا سامان بھی اٹھا کر اندر لے آیا۔ اس میں دو سوٹ کیس سمتری کے تھے ایک ہمارا اور ایک بڑا سوٹ کیس روپ سیہائے کا تھا۔ ان دونوں کے کپڑے اور

ضرورت کی چیزیں اسی ایک ہی سوٹ کیس میں تھیں۔

کمروں کے دروازے لاک نہیں تھے یونہی بھڑے ہوئے تھے۔ اس شخص نے یکے بعد دیگرے تمام کمروں کے دروازے کھول دیئے اور سمترا کے اشارے پر روپ سیہائے والا سوٹ کیس اٹھا کر ایک کمرے میں لے گیا۔

میں اور رتنا بھی سمترا کے ساتھ اس کمرے میں آ گئے۔ یہ بہت شاندار کمرہ تھا۔ ڈبل بیڈ بچھا ہوا تھا۔ ایک طرف بہت بڑی ڈریسنگ ٹیبل تھی اور دوسری طرف دیوار کے ساتھ شیشے کے درازوں والا وارڈ روب بنا ہوا تھا۔ سمترا کے کہنے پر اس شخص نے سوٹ کیس کھولا اور اس میں سے کپڑے نکال کر ہینگروں پر وارڈ روب میں ٹانگنے لگی۔

"لگتا ہے تم لوگ لمبا پروگرام بنا کر یہاں آئے ہو؟" میں نے سمترا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"روپ سیہائے پندرہ دن سے پہلے واپس جانے کا نہیں۔" سمترا نے جواب دیا۔ "لیکن میرا خیال ہے کہ اب وہ یہاں سے کبھی واپس نہیں جا سکے گا۔" آخری الفاظ کہتے ہوئے اس نے معنی خیز نگاہوں سے میری طرف دیکھا تھا۔

میں نے رتنا کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر بھی خفیف سی مسکراہٹ آ گئی تھی۔

میں رتنا اور سمترا کو اس کمرے میں چھوڑ کر باہر آ گیا۔ روپ سیہائے ادھر ادھر گھومتے ہوئے گھر کا جائزہ لے رہا تھا۔ میں بھی اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

روپ سیہائے اگرچہ دو مہینوں بعد یہاں آیا تھا مگر گھر کی ہر چیز صاف ستھری نظر آ رہی تھی۔ فرنیچر پر بھی گرد کا نام و نشان نہیں تھا جس کا مطلب تھا کہ اس کی عدم موجودگی میں گھر کی دیکھ بھال کرنے والوں سے ذرا بھی کوتاہی نہیں ہوئی تھی۔

"میرا خیال ہے تم لوگ یہ کمرہ لے لو۔" اس نے ایک کمرے میں پہنچ کر کہا۔ "یہاں سے وہ بستی نظر آتی ہے۔ بعض اوقات اس بستی میں بڑے دلچسپ منظر دیکھنے کو ملتے ہیں۔"

میں عقبی کھڑکی کے قریب پہنچ گیا اور پردہ ہٹا کر باہر دیکھنے لگا۔ اس طرف نشیب میں ڈیڑھ دو سو گھروں پر مشتمل ایک بستی تھی۔ اس بستی میں کوئی بھی پکا مکان نظر نہیں آ رہا تھا۔ بستی کے تمام مکان جھونپڑوں پر مشتمل تھے۔

"دلچسپ مناظر سے تمہاری کیا مراد ہے؟" میں نے مڑ کر سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تمہیں بہت کچھ دیکھنے کے کئی مواقع ملیں گے۔" روپ سیہائے نے جواب دیا۔

میں کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ یہاں بھی ڈبل بیڈ تھا اور ہر چیز بہت شاندار تھی۔ بیڈ کے عین سامنے ٹی وی سیٹ رکھا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ریموٹ کنٹرول بھی پڑا ہوا تھا۔ ایسا ہی ایک ٹی وی سیٹ میں نے سمترا والے کمرے میں بھی دیکھا تھا۔ ٹی وی کے نیچے ٹرالی میں ویڈیو کیسٹس بھی رکھے ہوئے تھے۔

روپ سیہائے کمرے سے باہر جا چکا تھا۔ میں کچھ دیر وہیں رکا۔ پھر باہر نکلا تو روپ سیہائے ایک عورت سے تحکمانہ لہجے میں باتیں کر رہا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk

اس عورت کی عمر پینتیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ دراز قامت بھرا بھرا سڈول جسم، موٹی موٹی سیاہ آنکھیں جن میں سرخی کے بہت ہلکے سے ڈورے تیر رہے تھے۔ اس کے بال لمبے اور بہت سیاہ تھے جو چوٹی کی صورت میں ناگن کی طرح کمر پر جھول رہے تھے۔

رنگت تانبے جیسی اور چہرے کے نقوش بڑے غضب کے تھے۔ اس نے خالص راجستھانی لباس پہن رکھا تھا۔ پھولدار کپڑے کا گھاگھرا اور چولی بہت مختصر تھی۔ اس کا اوپر کا بدن جیسے اس مختصر لباس سے پھٹا پڑ رہا تھا۔

وہ لکشمی تھی۔ روپ سیہائے کے اس کاشتکار کی بیوی جس نے حویلی کا دروازہ کھولا تھا۔

''ہم نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا ہے لکشمی.....!'' روپ سیہائے اس سے کہہ رہا تھا۔ ''دو دن پہلے میں نے دھن راج کو فون پر بتایا تھا کہ ہم آج یہاں آ رہے ہیں، وہ راشن وغیرہ لا کر رکھ دے۔ اگر وہ نہیں لایا ہے تو لکشمن کو شہر جانا پڑے گا۔''

''راشن تو دھن راج اسی روز شہر جا کر لے آیا تھا مالک!'' لکشمی نے جواب دیا۔ ''کل اس کا ہمسایہ آیا تھا اسے بلانے کے لئے، اس کی گھر والی بہت بیمار ہے۔ اس لئے اسے جانا پڑا۔ میں ناشتہ بناتی ہوں۔''

''کیا بیماری ہے اس کی بیوی کو، پرسوں فون پر تو اس نے کچھ نہیں بتایا تھا۔'' روپ سیہائے نے پوچھا۔

''وہ بچہ جننے والی ہے مالک۔'' لکشمی نے نظریں جھکا کر جواب دیا۔ ''اس کی حالت خراب ہوگئی تھی اس لئے اسے اسپتال میں داخل کرانا پڑا۔''

''دھن راج کی بیوی ہر سال ایک بچے کو جنم دیتی ہے اور تیری شادی کو پانچ سال ہوگئے تو نے ابھی تک ایک بچہ بھی پیدا نہیں کیا۔'' روپ سیہائے نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا کروں مالک، خرابی تو میرے بندے میں ہے۔'' لکشمی نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں ناشتہ بنانے جاتی ہوں۔'' وہ کچن کی طرف چلی گئی۔

''مجھے اب تک روپ سیہائے نے دیکھا اور نہ لکشمی نے لیکن ان کی باتوں سے اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ جب بھی یہاں آتا ہوگا لکشمی کے حسن و شباب سے مستفید ضرور ہوتا ہوگا۔ لکشمی نے اپنی زبان سے اعتراف کر لیا تھا کہ اس کا بندہ ناکارہ ہے اور روپ سیہائے کے بارے میں بھی جان چکا تھا کہ وہ اندر سے بالکل کھوکھلا ہے۔''

وہ ابھی تک کھڑا کچن کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میری آہٹ سنی تو چونک کر پیچھے مڑا۔

''اوہ تم.....!'' وہ بولا ''کہو! وہ کمرہ پسند آیا؟''

''ہاں ٹھیک ہے۔ میں اور رتنا اسی کمرے میں رہیں گے۔'' میں نے جواب دیا۔

اسی دوران لکشمن ایک ٹوکری میں انڈے وغیرہ لے کر اندر آیا تو روپ سیہائے نے اسے کہا۔

''انڈے لکشمی کو دے آؤ اور صاحب کا یہ سامان اٹھا کر اس کمرے میں رکھ دو۔''

لکشمن نے گھور کر میری طرف دیکھا، میرے جسم پر ڈرائیوروں والا لباس تھا اور وہ مجھے روپ

aazzamm@yahoo.com

سیہائے کا ڈرائیور ہی سمجھتا تھا لیکن روپ سیہائے نے مجھے ''صاحب'' کہا تو وہ چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

اس نے انڈوں والی باسکٹ کچن میں لکشمی کو دیدی اور ہمارے سوٹ کیس اٹھا کر کمرے میں رکھنے لگا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد ناشتہ ملا۔ روپ سیہائے ناشتہ کرنے کے بعد اپنے کارندوں سے ملاقات کے لئے چلا گیا اور میں رتنا اور سمترا کے ساتھ ہال کمرے میں بیٹھا آرام کرتا رہا۔

لکشمی کام میں مصروف تھی۔ قرب و جوار سے گزرتے ہوئے وہ بار بار کن انکھیوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اسے بھی شاید اس بات پر حیرت تھی کہ ایک ڈرائیور نے مالک کے ساتھ میز پر بیٹھ کر ناشتہ کیوں کیا تھا اور میرے لئے حویلی کے اندر رہنے کا اہتمام کیوں کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ بھی میں نے ایک بات نوٹ کی تھی وہ میرے اندر شاید کسی اور وجہ سے بھی دلچسپی لے رہی تھی۔

ہم کافی دیر حویلی میں بیٹھے رہے پھر سمترا ہمیں بستی دکھانے کے لئے لے گئی۔ حویلی والے ٹیلے کے پچھلی طرف وہ بستی زیادہ بڑی نہیں تھی۔ ڈیڑھ دو سو کے قریب جھونپڑے تھے جو چار گلیوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ درمیان میں ایک بہت بڑا چوراہا سا بن گیا تھا جس کے وسط میں ایک بڑا گول چبوترہ بنا ہوا تھا۔

اس بستی کے مرد خوبرو نہیں تھے۔ ان کی رنگت بھی سیاہی مائل تھی جبکہ تانبے کی رنگت جیسی عورتیں حسین اور پرکشش تھیں۔ یوں تو اس بستی کی ہر عورت حسین تھی لیکن لکشمی کو اس بستی کی ملکہ حسن کہا جا سکتا تھا۔ اس جیسی کوئی دوسری عورت مجھے نظر نہیں آئی۔

سمترا چونکہ پہلے بھی یہاں رہ کر جا چکی تھی اس لئے بستی کے سب ہی لوگ اسے جانتے تھے۔ ہم بستی کے وسط میں پہنچے تو بچے اور عورتیں ہمارے گرد جمع ہوگئے۔ وہ لوگ سمترا کو چھوٹی مالکن کہہ کر مخاطب کر رہے تھے۔ بہت سی عورتوں کو میں نے کن انکھیوں سے اپنی طرف دیکھتے ہوئے پایا تھا۔

تقریباً آدھا گھنٹہ اس بستی میں رکنے کے بعد ہم دوسری طرف چلے گئے۔ اس طرف بستی سے ذرا ہٹ کر ایک اونچا چبوترہ تھا۔ جس پر بارہ دری سی بنی ہوئی تھی۔ یہ اس بستی کا مندر تھا۔ چھت پر پیتل کی گھنٹیاں لٹکی ہوئی تھیں اور سامنے ایک چبوترے پر کالی دیوی کی مورتی رکھی ہوئی تھی جس کے سامنے پھول، ناریل اور اسی قسم کی چیزیں بکھری ہوئی تھیں۔

بستی کے دو آدمی ہمارے ساتھ ساتھ آئے تھے۔ ان میں ایک مندر کا پجاری تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ہم مندر میں جا کر کچھ چڑھاوا چڑھائیں گے لیکن اسے یہ دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی کہ ہم مندر کے قریب سے ایک پگڈنڈی پر آگے کھیتوں کی طرف نکل گئے تھے۔ ہم اپنے پیچھے مندر کی گھنٹیوں کی آواز سنتے رہے۔

آخر کار سمترا ایک جگہ رک گئی۔ اس طرف ایک کشادہ راستہ تھا جو کھیتوں میں بل کھاتا ہوا آگے نکل گیا تھا۔ کھیتوں کے اس پار بہت دور سرخ پہاڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔

''یہ راستہ آگے جا کر کوٹ پتلی کی طرف سے آنے والی پکی سڑک سے جا ملتا ہے۔'' سمترا ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بتا رہی تھی۔ ''وہ پختہ سڑک ایک چھوٹے قصبے سے ہوتی ہوئی جھنجھنو نامی بڑے قصبے سے جا ملتی ہے وہاں سے ہم چیورو، سردار شہر، ہنومان گڑھ اور گنگا نگر سے ہوتے ہوئے پنجاب میں داخل ہو سکتے ہیں۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

''تمہارا منصوبہ کیا ہے؟'' میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''میں ساری زندگی تو روپ سیہائے کی رکھیل بن کر نہیں رہ سکتی۔'' سمترا نے ایک بار پھر وہ بات دوہرائی جو کم از کم دو مرتبہ پہلے بھی کہہ چکی تھی۔ ''ان دولت مندوں کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ آج یہ مجھ پر فدا ہو رہا ہے تو کل اسے کوئی اور پسند آ جائے گی۔ میں اس کے دل سے اتر گئی تو میرا پرسان حال کوئی نہیں ہوگا۔ اتفاق سے تم لوگ مجھے مل گئے ہو اس لئے میں چاہتی ہوں کہ اس موقع سے فائدہ اٹھاؤں اور تم لوگوں کے ساتھ ہی یہاں سے نکل جاؤں۔''

''جب تک میں اسے اس کی مرضی کے مطابق خوش رکھے ہوئے ہوں یہ مجھے کہیں جانے کی اجازت نہیں دے گا۔'' سمترا نے کہا۔ ''رانا رنبیر سنگھ کے قتل کے بعد شہر میں تم لوگوں کے لئے خطرہ بڑھ گیا تھا۔ پولیس نے روپ سیہائے کے بنگلے کا راستہ بھی دیکھ لیا تھا۔ پولیس کے بار بار وہاں آنے سے میں بھی ان کی نظروں میں آ سکتی تھی۔ ہو سکتا ہے کوئی میرے بارے میں کچھ جان جاتا یا محض کسی قسم کا شبہ ہونے کی وجہ سے بھی کچھ پوچھ تاچھ کی جاتی۔ اسی لئے میں نے ہی روپ سیہائے کو یہاں آنے کا مشورہ دیا تھا اور اسے آمادہ بھی کر لیا تھا۔ اگرچہ پولیس رانا کے قتل کی تحقیقات کے سلسلے میں یہاں بھی آ سکتی ہے لیکن یہاں ہم کسی قدر محفوظ ہیں اور پھر ویسے بھی ہمیں یہاں زیادہ دن تو رہنا نہیں ہے۔''

''تمہارا منصوبہ کیا ہے؟'' میں نے ایک بار پھر سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ ''کیا روپ سیہائے کو قتل کر کے یہاں سے بھاگ نکلیں؟''

''ہاں ...!'' سمترا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''کسی کو موت کے گھاٹ اتارنا ہم میں سے کسی کے لئے نئی اور انوکھی بات نہیں ہوگی لیکن اس بستی میں اسے قتل کرنا خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔''

''پھر ...؟'' میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''یہاں سے تقریباً ایک میل آگے ایک ویران کنواں ہے۔'' سمترا نے سامنے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''ہم کسی بہانے روپ سیہائے کو اس طرف لے جائیں گے اور اسے کنویں میں دھکا دے دیں گے۔''

''کیا یہ اتنا آسان ہوگا۔'' میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ ''واپسی پر روپ سیہائے کو ہمارے ساتھ نہ پا کر بستی والوں کو ہم پر شبہ تو ہو جائے گا۔''

''تمہاری عقل گھاس چرنے چلی گئی ہے کیا؟'' سمترا نے مجھے گھورا پھر رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''دیدی ... تم اتنے عرصے سے اس کے ساتھ رہ رہی ہو۔ کیا کر دیا ہے اسے اس کا وہ سارا جوش و خروش اور تیزی و طراری کہاں رہ گئی۔''

رتنا نے فوری طور پر جواب دینے کے بجائے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

''یہ اب بھی اتنا ہی تیز و طرار اور پرجوش ہے جتنا پہلے تھا۔'' اس نے اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ''لیکن تم اپنی بات تو بتاؤ۔''

''پوری بات یہ ہے کہ تم لوگ یہاں سے واپس جانے کا پروگرام بناؤ گے۔ تم لوگوں کا سامان یعنی وہ تینوں سوٹ کیس گاڑی میں رکھوا دیے جائیں گے۔ میں اور روپ سیہائے تم لوگوں کو جھونک

چھوڑنے جائیں گے۔ یہاں سے آگے تم لوگ بس پر سفر کرو گے۔ جھنجھو یہاں سے کافی دور ہے اور ظاہر ہے کسی کو ہماری جلدی واپسی کی توقع نہیں ہوگی۔ روپ سیہائے چند گھنٹوں تک واپس نہ بھی پہنچے گا تو یہ سمجھ لیا جائے گا کہ ہم جھنجھو میں رک گئے ہیں۔''

اب بات میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ ہمارے اطراف میں دور دور تک کھیتوں میں کوئی نہیں تھا اس لئے ہم اطمینان سے وہاں ایک پگڈنڈی پر درخت کے نیچے بیٹھے پروگرام بناتے رہے۔

دوپہر ہو رہی تھی۔ ہم کھیتوں میں ایک طویل چکر کاٹتے ہوئے بستی کی طرف واپس آ گئے۔ مجھے بڑی شدت کی پیاس لگ رہی تھی۔ میں نے بستی کی ایک عورت سے پانی مانگا تو وہ ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کرنے لگی۔ میں نے دوبارہ پانی کے لئے کہا تو وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔

''مہاراج، ہم نیچی جاتی کے لوگ ...''

میں سمجھ گیا۔ یہ نیچ ذات کے لوگ تھے۔ اونچی ذات کے لوگوں کو بھگوان کا اوتار سمجھتے تھے۔ مجھے راجستھان میں رہتے ہوئے کئی مہینے گزر گئے تھے۔ یہاں ہندوستان میں ذات پات کا جو چکر دیکھنے میں آیا تھا اس کی مثال دنیا میں کہیں نہیں ملتی تھی۔

یوں تو انہیں گھٹیا ترین لوگ سمجھا جاتا تھا۔ کسی برہمن کو ان کی ہوا بھی چھو جائے تو وہ ناپاک ہو جاتا تھا لیکن دوسری طرف مختلف طریقوں سے ان کا خون چوسا جاتا تھا۔ میں بہت سے واقعات کا چشم دید گواہ تھا۔ نیچ اور نچلی ذات کی عورتوں کو یہ برہمن اپنی ہوس کا نشانہ تو بناتے تھے مگر عام زندگی میں انہیں انسان کا درجہ دینے کو بھی تیار نہیں تھے۔

روپ سیہائے کے بارے میں، میں پورے وثوق سے کہہ سکتا تھا کہ اس جیسے ہوس پرست شخص نے بستی کی کسی جوان عورت کو معاف نہیں کیا ہوگا۔ یہ الگ بات تھی کہ اس نے اپنے پاس کچھ نہیں رہا تھا مگر وہ حسین اور جوان عورتوں کو نظر انداز بھی نہیں کر سکتا تھا۔

بستی کے لوگ مجھے بھی روپ سیہائے کی ذات کا سمجھتے تھے اس لئے وہ عورت بھی مجھے اپنے گھر کا پانی پلانے کو تیار نہیں تھی اور اس نے نہایت واضح طور پر کہہ بھی دیا تھا کہ وہ نیچی ذات کے لوگ ہیں۔

میں نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا۔ ایک جھونپڑے کے ساتھ نیم کے درخت کے نیچے گھڑونچی پر پانی کا ایک مٹکا رکھا ہوا تھا۔ جس پر ایلومنیم کا ایک میلا سا گلاس بھی اوندھا پڑا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر مٹکے کا ڈھکنا اٹھا کر گلاس پانی سے بھرا اور وہیں کھڑے کھڑے غٹاغٹ پی لیا۔ سب لوگ حیرت سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔

ہم کافی دیر بان کی چارپائی پر بیٹھے بستی کے لوگوں سے باتیں کرتے رہے۔ اس دوران ایک ادھیڑ عمر عورت ہمت کر کے چائے بنا لائی تھی۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے چائے سے بھرے مٹی کے پیالے ہماری طرف بڑھائے تو سب سے پہلے میں نے ایک پیالہ لے لیا۔ رتنا اور سمترا نے بھی کسی جھجک کا مظاہرہ کئے بغیر ایک ایک پیالہ لے لیا۔

بستی سے واپس آتے ہوئے میری نظریں حویلی کی طرف اٹھ گئیں۔ چھت پر ڈش انٹینا دیکھ کر

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

میں چونکے بغیر نہیں رہا تھا۔ لیکن میرے خیال میں اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں تھی۔ شہر سے بیس میل دور بجلی اور ٹیلی فون کی لائن لائی جاسکتی تھی تو ڈش انٹینا لگانا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔

روپ سہائے ابھی تک حویلی میں واپس نہیں آیا تھا۔ لکشمی کچن میں دوپہر کے کھانے کی تیاری میں مصروف تھی۔ اس نے ہم سے پوچھے بغیر چائے بنا کر ہمارے سامنے رکھ دی جب وہ میرے سامنے کپ رکھنے کے لئے جھکی تو اس کی طرف دیکھ کر میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ وہ میری طرف دیکھ کر مسکرا دی۔

دوپہر کا کھانا ہم نے دو ڈھائی بجے کے قریب کھایا تھا۔ روپ سہائے بھی ہمارے ساتھ تھا۔

کھانے کے بعد مجھ پر تھکن سی طاری ہوگئی۔ میں اپنے کمرے میں آ کر لیٹا تو آنکھیں بند ہونے لگیں۔

سو کر اٹھا تو شام کے چھ بج رہے تھے۔ رتنا کمرے میں موجود نہیں تھی۔ میں بیڈ سے اٹھ کر ننگے پیر چلتا ہوا باہر آ گیا۔ ہال کمرے میں رتنا اور روپ سہائے بیٹھے تاش کھیل رہے تھے۔ رتنا کی ساڑھی کا پلو نیچے گرا ہوا تھا اور وہ قدرے آگے کو جھکی ہوئی تھی۔ روپ سہائے کی نظریں بار بار اس طرف اٹھ رہی تھیں۔ میں نے سمترا کے کمرے میں جھانک کر دیکھا تو وہ بیڈ پر آڑھی ترچھی پڑی سو رہی تھی اور میرا خیال ہے روپ سہائے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

مجھے دیکھ کر رتنا کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے ساڑھی کا پلو اپنے کندھے پر ڈال لیا۔ روپ سہائے نے مجھے دیکھ کر پتے پھینک دیئے۔

''بس بھئی ... اب تو بوریت ہونے لگی ہے۔''

میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ میں آ گیا تھا تو اسے تو بوریت محسوس ہونی ہی تھی۔

''تم لوگ بیٹھو بھئی میں ذرا باہر کا ایک چکر لگا کر آتا ہوں۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا ''اور ہاں ... آج پونم کی رات ہے بستی والے ہر پونم کی رات کو جشن مناتے ہیں۔ لکھیا نے تم لوگوں کو بلایا ہے۔''

''ضرور چلیں گے۔'' میں نے جواب دیا۔ روپ سہائے کے جانے کے بعد میں رتنا کے سامنے بیٹھ گیا۔ ''یہ کیا ڈرامہ ہو رہا تھا۔'' میں اسے گھورنے لگا۔

''وہ بڈھا اب مجھ پر ریشہ خطمی ہو رہا ہے۔'' رتنا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''سمترا نے ٹھیک کہا تھا۔ وہ اب اس کے دل سے اتر رہی ہے۔ اگر میں ذرا سی حوصلہ افزائی کروں تو وہ سمترا کو ٹھینگا دکھا کر میرے پیر چاٹنے لگے گا۔''

''وہ کسی کے بھی پیر چاٹے، ہمارا مقصد تو اسے قابو میں رکھنا ہے۔'' میں نے کہا ''ایک دو دن کی بات ہے اگر وہ سمترا سے دور ہٹ رہا ہے تو تم اسے اپنے جال میں جکڑے رہو۔ اس کی قسمت کا فیصلہ تو ہم کر ہی چکے ہیں۔ ایک دو دن خوش ہو لینے دو اسے۔''

''اور تم مجھے قربانی کا بکرا بنا رہے ہو۔'' رتنا مسکرائی۔

''بکری کہو...'' میں نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''تمہاری جنس ابھی نہیں بدلی ہے۔''

اسی دوران سمترا بھی وہاں آ گئی۔ رتنا مزے لے لے کر اسے روپ سہائے کے بارے میں بتانے لگی۔ وہ بھی مسکرائے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

''اب مجھے اس کی پروا نہیں کہ وہ کس کے قدموں پر جھکتا ہے۔'' اس نے کہا ''جب میں اکیلی تھی تو مجھے یہ خوف رہتا تھا کہ مجھ سے پناہ کا یہ سہارا بھی نہ چھن جائے۔ اب مجھے اس کی ذرا بھی پروا نہیں ہے۔''

ہم دیر تک روپ سہائے کے بارے میں باتیں کرتے رہے اور پھر اسے اندر داخل ہوتے دیکھ کر ہم نے موضوع بدل دیا۔ سمترا کو ہم بستی میں پونم کی رات جشن کے بارے میں بتا چکے تھے۔ وہ بات بدلتے ہوئے بولی ''پورے چاند کی رات کا یہ جشن بڑا دلچسپ ہوتا ہے۔'' وہ کہہ رہی تھی ''رقص و سرور کی محفل پو پھٹنے تک جاری رہتی ہے۔ تم یہ جشن دیکھ کر بہت خوش ہو گے۔''

''ہاں ... ایسا ڈانس تم نے کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔'' روپ سہائے نے کہا۔

اور پھر اس رات کھانے کے بعد ہم بستی میں پہنچ گئے۔ مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ روپ سہائے کی حویلی میں تو ٹیلی فون بھی تھا اور بجلی بھی لیکن بستی میں بجلی نہیں تھی۔ جھونپڑوں میں کیروسین لیمپ جل رہے تھے۔ کئی جھونپڑوں کے سامنے بھی جلتی ہوئی لالٹینیں رکھی ہوئی تھیں۔ وسطی چوک کے چبوترے پر مشعلیں روشن تھیں۔ ان مشعلوں میں شاید کسی جانور کی چربی استعمال کی جا رہی تھی۔ فضا میں ہلکی سی بو پھیلی ہوئی تھی۔

چبوترے کے سامنے چارپائیاں ڈال کر بیٹھنے کی جگہ بنائی گئی تھی۔ بستی والوں نے بڑی گرمجوشی سے ہمارا استقبال کیا۔

پورے چاند کی دودھیا روشنی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ بستی کا یہ وسطی چوک کچھ الگ ہی منظر پیش کر رہا تھا۔ بچے ادھر ادھر بھاگے پھر رہے تھے۔

مختلف دنوں کے حوالے سے ہندوؤں میں کئی تہوار منائے جاتے تھے۔ پورے چاند کی رات کو تو ہر ہفتہ کے ہندو شغل میلہ کرتے تھے۔ اس بستی کے لوگ کاشتکار تھے، مزارع تھے۔ مہینے میں ایک مرتبہ پونم کی رات کو اپنی دلچسپی کا سامان کر لیتے تھے۔

سب سے پہلے کچھ رسومات ادا کی گئیں۔ پجاری نے اپنی بھدی سی آواز میں ایک بھجن بھی گایا اور پھر اس کے بعد رقص کا پروگرام شروع ہو گیا۔

وہ گاؤں کی حسین ترین لڑکیاں تھیں جو اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ ان کے لباس بھی بہت بھڑکیلے تھے آج چونکہ ان کا مالک بھی اس محفل میں شریک تھا اور مہمان ''ہم'' بھی اس لئے ہر لڑکی نے اپنے آپ کو بنانے سنوارنے میں کچھ زیادہ ہی توجہ دی تھی۔

اس وقت شاید گیارہ بجے تھے۔ لکشمن نے آ کر روپ سہائے کے کان میں سرگوشی کی۔ روپ سہائے ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہو گیا۔

''تم لوگ بیٹھو، میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔'' روپ سہائے نے میری طرف جھکتے ہوئے کہا اور لکشمن کے ساتھ حویلی کی طرف چلا گیا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

اس کے ٹھیک پانچ منٹ بعد مجھے لکشمی دکھائی دی۔ وہ میرے بالکل سامنے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی میری طرف ہی دیکھ رہی تھی اور پھر یکا یک مجھے یوں لگا جیسے اس نے مجھے آنکھ سے کوئی اشارہ کیا ہو۔ میں نے توجہ نہیں دی۔ ایک منٹ بعد اس نے پھر اشارہ کیا۔ اس مرتبہ مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی۔ وہ مجھے آنکھ کے اشارے سے محفل سے باہر بلا رہی تھی۔

لکشمی اشارہ کر کے چلی گئی۔ میں وہیں بیٹھا رہا۔ اس وقت سامنے جو لڑکی رقص کر رہی تھی۔ وہ بڑے غضب کی شے تھی اور ایسے ایسے پوز بنا رہی تھی کہ ہر حرکت پر دم کھنچتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ میں وہاں سے اٹھنا نہیں چاہتا تھا لیکن دو منٹ بعد لکشمی ایک بار پھر دکھائی دی۔ اس مرتبہ وہ ایک عورت کے پیچھے کھڑی تھی اور اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے ہاتھ سے اشارہ کیا تھا۔ اس کے فوراً ہی بعد وہ وہاں سے غائب ہو گئی تھی۔

اس وقت میرے ایک طرف رتنا بیٹھی ہوئی تھی اور دوسری طرف سمترا میں نے باری باری دونوں کی طرف دیکھ کر بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی اٹھا دی اور اٹھ کر وہاں کھڑے ہوئے مردوں اور عورتوں کے بیچ میں سے گزرتا ہوا ایک طرف چلا گیا۔

میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ایک گلی کے موڑ پر پہنچ کر متجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس طرف اندھیرا تھا۔ لکشمی مجھے کہیں بھی دکھائی نہیں دی۔ اس وقت میرے ذہن میں خیال آیا کہ مجھے کوئی غلط فہمی تو نہیں ہوئی تھی۔ ہو سکتا ہے لکشمی کسی اور کو اشارہ کر رہی ہو اور میں خوش فہمی میں مبتلا ہو کر چلا آیا تھا۔

میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ ایک طرف سے نسوانی سرگوشی سنائی دی۔

''ادھر کو آ جا بابو، میں یہاں کھڑی ہوں۔''

میں نے چونک کر اس طرف دیکھا وہ لکشمی تھی جو ایک جھونپڑے کی آڑ میں کھڑی تھی۔ میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔

''ادھر کو آ جاؤ..... میرے ساتھ۔'' لکشمی نے بدستور سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

لکشمی گلی میں داخل ہو گئی۔ جب ہم یہاں سے گزرے تھے تو بعض جھونپڑوں کے سامنے جلتی ہوئی لالٹینیں رکھی ہوئی تھیں لیکن اب گلی میں تاریکی تھی۔ غالباً تمام لالٹینیں چوک میں پہنچا دی گئی تھیں۔ گلی میں تاریکی تھی اور کسی ذی روح کی موجودگی کے آثار بھی دکھائی نہیں دے رہے تھے۔''

لکشمی گلی کے وسط میں ایک جھونپڑے کے سامنے رک گئی۔

''بیتر کو آ جاؤ بابو.....'' اس نے کہتے ہوئے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

گداز ہاتھ کے لمس سے میرے پورے جسم میں سنسنی کی ایک لہری دوڑ گئی۔ میں صبح ہی سے محسوس کر رہا تھا کہ لکشمی بڑی لگاوٹ آمیز نظروں سے مجھے دیکھتی رہی تھی اور اس وقت وہ جس طرح مجھے اس جھونپڑے میں لے کر آئی تھی اس سے میں خوش فہمی میں مبتلا ہو گیا تھا۔

یہ جھونپڑا تین چھوٹے کمروں پر مشتمل تھا۔ سامنے والا کمرہ قدرے بڑا تھا۔ ایک کمرہ آگے دائیں طرف تھا اور ایک بائیں طرف۔ دونوں دروازوں کے سامنے ٹاٹ کے پردے پڑے ہوئے تھے۔

سامنے والے بڑے کمرے میں ایک لالٹین جل رہی تھی۔ لکشمی نے دائیں طرف والے کمرے

کا پردہ ہٹا دیا اور اندر داخل ہو کر مجھے اشارہ کیا۔ میں بھی اس کے پیچھے ہی کمرے میں داخل ہو گیا۔

''بیٹھ جاؤ بابو۔'' لکشمی نے اشارہ کیا۔

فرش پر چٹائی اور اس پر دری بچھی ہوئی تھی۔

میں نے بیٹھتے ہوئے لکشمی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ بھی میرے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔ لالٹین کی بہت مدھم سی روشنی یہاں بھی پہنچ رہی تھی۔ وہ میرے سامنے ٹانگیں پیچھے کو موڑ کر قدرے آگے کو جھکی بیٹھی تھی۔ میری نظریں اس کے جسم پر رینگ رہی تھیں۔

''یہ کس کا جھونپڑا ہے۔ یہاں کسی کے آنے کا اندیشہ تو نہیں۔'' میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ میری سانس بے ربط ہونے لگی تھی۔

''یہاں کسی کے آنے کا ڈر نہیں ہے۔ لیکن میں تمہیں اس مقصد کے لئے یہاں نہیں لائی ہوں جو تم سمجھ رہے ہو۔'' لکشمی نے بڑی آہستگی سے اپنا ہاتھ چھڑواتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب؟'' میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''شہر سے پولیس آئی ہے۔''

''کیا.....؟'' میں اچھل پڑا۔

''ہاں.....'' لکشمی نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''ایک انسپکٹر ہے، وہ رانا رنبیر سنگھ کے قتل کے سلسلے میں مالک سے ملنے آیا ہے۔ اسے مالک کے شہر والے بنگلے سے کچھ چیزیں ملی ہیں اور وہ مالک کو اپنے ساتھ شہر لے جانا چاہتا ہے۔''

''لیکن یہ بات تم مجھے کیوں بتا رہی ہو اور اس کے لئے اتنی راز داری کی کیا ضرورت تھی؟'' میں نے اسے گھورا۔

''کیا تم مجھے بے وقوف سمجھتے ہو بابو؟'' لکشمی بولی۔ ''انسپکٹر کا کہنا ہے کہ اسے ایک مرد اور ایک عورت کی بھی تلاش ہے جو پولیس سے بھاگے ہوئے ہیں۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ ''سمترا دیوی پہلے بھی یہاں آ چکی ہیں، تم اور رتنا دیوی مالک کے ساتھ پہلی مرتبہ آئے ہو۔ صبح تم نے ڈرائیور کا بھیس پہنا ہوا تھا اور کوئی مالک اپنے ڈرائیور کو اس طرح اپنی حویلی میں نہیں ٹھہراتا۔ تمہارے ساتھ اس کا رویہ بھی بہت مختلف ہے اور پھر تمہاری پتنی۔'' اس نے خاموش ہو کر میری طرف دیکھا اور بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ ''وہ آج دن بھر روپ سہائے کے ساتھ تاش کھیلتی رہی ہے، شرط لگا کر.....''

''شرط لگا کر.....'' میں چونک گیا۔ ''کیا وہ جوا کھیل رہے تھے؟''

''بازی پیسوں کی نہیں، کسی اور چیز کی تھی۔''

''کھل کر بات کرو.....!'' میں نے اسے گھورا۔

''ان میں شرط لگی ہوئی تھی کہ جو بازی ہارے گا وہ جیتنے والے کو کس (Kiss) دے گا۔ ان میں تین بازیاں ہوئی تھیں اور تینوں بار تمہاری پتنی ہاری تھی۔''

لکشمی کی نظریں بدستور میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ ''کیا وہ واقعی تیری پتنی ہے؟''

تاش کی شرط والی بات میرے لئے ایک دلچسپ انکشاف تھا۔ رتنا اسے اس طرح قابو میں رکھنے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

کی کوشش کررہی تھی۔

''کیا وہ واقعی تمہاری پتنی ہے؟'' لکشمی نے اپنا سوال دہرایا۔

''نہیں۔'' میں نے صاف گوئی سے کام لیا۔ ''ہم دونوں دوست ہیں۔''

''اور وہ مرد اور عورت جن کی تلاش پولیس کو ہے؟'' اس نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

''بات یہ ہے لکشمی۔'' میں نے جواب دیا۔ ''میں اور رتنا پڑھے لکھے ہیں مگر ہمیں کہیں نوکری نہیں ملی۔ رتنا کو کہیں نوکری ملی بھی تو اسے مال غنیمت سمجھ کر اس کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ ایسے ہی ایک موقع پر میری اس سے ملاقات ہوگئی۔ میں نے اسے ایک سیٹھ کی ہوس کا شکار ہونے سے بچایا تھا۔ ہماری دوستی ہوگئی۔ ہم دونوں نوکری کے لئے مارے مارے پھرتے رہے اور پھر ہم نے روٹی کمانے کا وہ طریقہ اپنایا جو اگرچہ قابل تعریف نہیں لیکن اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا۔''

''کیسا طریقہ.....؟'' لکشمی نے پوچھا۔

''رتنا کو تم دیکھ چکی ہو وہ کتنی حسین ہے۔'' میں نے کہا۔ ''مرد اسے دیکھتے ہی ٹھنڈی آہیں بھرنے لگتے ہیں۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ رتنا کے حسن و شباب سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اس لئے.....'' میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ''ہم مختلف شہروں میں گھومتے رہتے ہیں۔ رتنا ہوس پرست لوگوں کو پھانستی ہے، ہم ان کی جیبیں خالی کروا کر آگے نکل جاتے ہیں۔ تو ہمیں فریبی اور دھوکے باز کہہ سکتی ہے لیکن ہم نے کبھی کوئی سنگین جرم نہیں کیا۔ میں جانتا ہوں کسی کو دھوکہ دینا بھی ایک جرم ہے مگر ہم نے کبھی کسی کو مجبور نہیں کیا۔ لوگ خود ہی رتنا کے حسن کے جال میں پھنس جاتے ہیں تو اس میں ہمارا کیا قصور؟ پولیس اسے جرم سمجھتی ہے اور اسی لئے ہمیں تلاش کیا جارہا ہے۔''

میں خاموش ہو کر لکشمی کی طرف دیکھتا رہا۔ مجھے یقین تھا کہ اسے میری اس کہانی پر یقین نہیں آیا تھا۔ میں اسے سیدھی سادھی دیہاتی عورت سمجھا تھا لیکن وہ بہت چالاک ثابت ہوئی تھی۔ اس نے ایک ہی دن میں ہمارے بارے میں بہت صحیح رائے قائم کرلی تھی۔ اگر پولیس انسپکٹر یہاں نہ آتا تو شاید وہ کچھ مغالطے میں رہتی لیکن انسپکٹر کی آمد نے گڑبڑ کردی تھی اور مجھے اس معاملے کو سنبھالنا تھا۔

وہ الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے ایک بار پھر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے ہولے ہولے سہلانے لگا۔ اس مرتبہ اس نے ہاتھ نہیں چھڑایا تھا۔ میں یہ جان چکا تھا کہ اس کی شادی کو پانچ سال ہو چکے ہیں۔ وہ اپنے مرد کو بھی ناکارہ قرار دے چکی تھی۔ اگر وہ روپ سہائے کے ہتھے بھی چڑھی ہوتی تو پیاسی ہی رہی ہوگی۔ میں ایسی عورتوں کی نفسیات سے واقف تھا۔

قصور کی رضیہ میری زندگی میں آنے والی پہلی عورت تھی۔ اس کا خاوند بظاہر بہت بنا کٹا اور لحیم شحیم تھا مگر اندر سے کھوکھلا تھا جبکہ رضیہ کی جوانی پھٹی پڑ رہی تھی اور اس نے موقع پا کر مجھ پر ہاتھ صاف کیا تھا۔ لکشمی بھی ایسی ہی عورت تھی۔ پیاسی اور ترسی ہوئی۔

میری کہانی کا اس نے یقین کیا تھا یا نہیں مگر میرے ہاتھوں نے اپنا کام کر دکھایا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سرخی کے ڈورے تیر گئے اور سانس بے ربط ہونے لگی۔ مجھے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی تھی۔ وہ

پکے ہوئے پھلے کی طرح میری آغوش میں گر گئی۔

طوفان آیا اور گزر گیا۔ لکشمی بے سدھ سی میری آغوش میں پڑی تھی۔ میں بھی گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔

باہر والے کمرے میں قدموں کی آہٹ سن کر میں چونک گیا۔ اس سے پہلے کہ ہم دونوں میں سے کوئی سنبھلتا۔ ایک عورت کمرے میں داخل ہوئی اور ہم دونوں سن ہو کر رہ گئے۔

''ہوں۔'' وہ عورت دونوں ہاتھ کمر پر رکھتے ہوئے غرائی۔ ''تو یہ گل کھلائے جارہے ہیں یہاں..... میں ابھی سب کو بلا کر لاتی ہوں اور دکھاتی ہوں تمہارے کرتوت۔''

وہ عورت جیسے ہی مڑی لکشمی نے لپک کر اسے پکڑ لیا۔

''نہیں رنجنا۔'' وہ منت بھرے لہجے میں بولی۔ ''تم کسی کو کچھ نہیں بتاؤ گی۔ میں نے اس بابو کو کسی اور کام سے یہاں بلایا تھا۔ لیکن جذبات میں بہہ کر یہ غلطی ہوگئی ہم سے۔ اگر تم نے کسی کو بتایا تو میں پوری بستی میں بدنام ہو جاؤں گی۔''

''ارے پہلے کون سی تمہاری نیک نامی ہے۔'' رنجنا تنک کر بولی۔ ''سارے بستی والے جانتے ہیں کہ تو مالک کے ساتھ اس کے بستر پر سوتی ہے۔ وہ تیرا خسم لکشمن ہی ہے جس نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ بستی والے تو سب ہی جانتے ہیں۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ ''اسی لئے تم نے میرے گھر کا دروازہ کھلا رکھوایا تھا۔ اری پھٹکار ہو تجھ پر، آج ہی تو یہ مہمان آیا ہے اور تم نے اسے پھانس لیا۔ نہیں میں خاموش نہیں رہ سکتی، میں ابھی سب کو بلاتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔ جا..... تو سب کو بلا لا، لیکن ان سب کے سامنے تمہیں یہ بھی بتانا ہوگا کہ کل دوپہر الوپرشاد کے ساتھ اس کے گھر میں کیا کررہی تھی۔ تم نہیں بتاؤ گی تو سارا کچا چٹھا کھولوں گی تمہارا۔'' لکشمی نے دھمکی دی۔

رنجنا کا چہرہ دھواں ہوگیا۔ اس کی اکڑی ہوئی گردن ایک دم ڈھیلی پڑ گئی۔

''ارے میں تو مذاق کررہی تھی لکشمی۔'' رنجنا کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ ''لیکن سوچ ذرا میری جگہ کوئی اور یہاں آ جاتا تو کتنی بے عزتی ہوتی تمہاری۔ ویسے تم ہو بہت چنٹ، مالک کے اس مہمان کو آتے ہی پھانس لیا تم نے.....''

''کہا نا کہ بس ذرا سی غلطی ہوگئی۔'' لکشمی بھی مسکرا دی اور جلدی جلدی کپڑے پہننے لگی۔

اور پھر وہ رنجنا کو لے کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ میں نے بھی جلدی سے اٹھ کر کپڑے پہنے اور ان دونوں کو جھونپڑے میں چھوڑ کر باہر نکل آیا۔ میں گلی کے دوسری طرف سے ہوتا ہوا بستی سے باہر نکل گیا اور طویل چکر کاٹ کر رتنا اور سمترا کے پاس آ گیا جو بڑی دلچسپی سے رقص دیکھ رہی تھیں۔ رتنا نے مجھے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی تھی۔

اس کے بعد میں زیادہ دیر تک وہاں نہیں بیٹھ سکا۔ میں نے رتنا اور سمترا کو اشارہ کیا اور ہم تینوں اٹھ گئے۔ گاؤں کا مکھیا اور بستی کے کچھ لوگ ہمیں لالٹینوں کی روشنی میں بستی کے باہر تک چھوڑنے آئے تھے پھر ایک شخص ہمارے ساتھ رہ گیا۔ وہ لالٹین لئے ہمارے آگے آگے چلتا رہا۔ حویلی کے قریب پہنچ کر وہ بھی

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

واپس چلا گیا۔

میرا خیال تھا کہ وہ پولیس انسپکٹر ابھی تک حویلی میں موجود ہوگا۔ میں یہ پروگرام بنا کر بستی سے واپس آیا تھا کہ سمترا کو اندر بھیج دوں گا اور خود رتنا کے ساتھ ادھر ادھر گھوم پھر کر وقت گزار دوں گا۔ لیکن حویلی میں نہ تو پولیس کی جیپ نظر آئی اور نہ ہی روپ سیہائے کی لینڈ کروزر..... لکشمن برآمدے میں بیٹھا ہوا تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہو گیا۔

''روپ سیہائے کہاں ہے لکشمن.....'' میں نے قریب پہنچ کر پوچھا۔

''وہ تو تھانیدار کے ساتھ شہر گیو ہے سرکار، صبح واپس آویں گے۔'' لکشمن نے جواب دیا۔

میری بھویں سکڑ گئیں۔ یہ تو مجھے لکشمی ہی نے بتا دیا تھا کہ پولیس انسپکٹر روپ سیہائے کو ساتھ لے جانا چاہتا ہے لیکن روپ سیہائے ہمیں بتائے بغیر چلا گیا تھا جس کا مطلب تھا کہ معاملہ کچھ زیادہ ہی سنگین تھا۔

ہمارے وہاں آنے کے تقریباً آدھے گھنٹے بعد لکشمی بھی آ گئی۔ اس نے دزدیدہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور پھر کچن میں گھس گئی۔ اس کے پیچھے ہی لکشمن بھی کچن میں چلا گیا۔ ہم ہال کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ دونوں کچن میں کھسر پھسر کر رہے تھے۔ تقریباً بیس منٹ بعد لکشمی ہمارے لئے چائے بنا کر لے آئی۔ وہ سمجھ دار عورت تھی اور جانتی تھی کہ گھر آئے ہوئے مہمانوں کو کس وقت کس چیز کی ضرورت ہو سکتی تھی۔ ہمارے سامنے چائے رکھتے ہوئے اس نے ایک بار پھر کن انکھیوں سے میری طرف دیکھا اور باہر چلی گئی۔ لکشمن کچن ہی میں بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ بھی باہر آ گیا۔

''میں باہر بیٹھا ہوں سرکار.....!'' وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''میری ضرورت ہو تو آواز دے لیو۔''

میں نے سر ہلا دیا اور خاموشی سے چائے پیتا رہا۔ میں لکشمی کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ ہم تو اس کے لئے اجنبی تھے لیکن اسے ہم سے اتنی ہمدردی کیوں ہو گئی تھی اور مجھے بھری محفل سے اٹھا کر حویلی میں پولیس انسپکٹر کی آمد کے بارے میں کیوں بتایا تھا۔ جھونپڑے میں وہ بڑے آرام سے میرے جال میں آ گئی تھی اور جب ہم رنگے ہاتھوں پکڑے گئے تھے تو اس نے رنجنا نامی اس عورت کو کسی لالو پرشاد کے نام کی دھمکی دے کر خاموش کر دیا تھا۔

دو بج چکے تھے۔ بستی کی طرف سے موسیقی اور شور کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ رقص و موسیقی کا پروگرام رات بھر جاری رہنے والا تھا۔

رتنا اور سمترا کو یہ پتہ چل گیا تھا کہ یہاں کوئی پولیس آفیسر آیا تھا جو روپ سیہائے کو اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ لیکن انہیں ابھی تک وہ بات معلوم نہیں ہو سکی تھی جو لکشمی نے مجھے بتائی تھی۔

دو بجے کے بعد سمترا اپنے کمرے میں جا کر سو گئی۔ اس کے جاتے ہی رتنا میری طرف مڑ گئی اور مجھے اوپر سے نیچے تک گھورتے ہوئے بولی۔

''بستی میں تم مجھے چھوٹی انگلی دکھا کر گئے تھے۔ واپسی میں زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ لگنے چاہئیں تھے مگر تم پورے ایک گھنٹہ غائب رہے تھے، کہاں گئے تھے.....؟''

''لکشمی کے ساتھ ایک جھونپڑے میں۔'' میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے جواب دیا۔ اسے میں نے سب کچھ بتانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

''کیا مطلب؟'' رتنا نے کھا جانے والی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

''لکشمی نے مجھے اشارہ کر کے بلایا تھا۔'' میں نے کہا ''وہ مجھے ایک جھونپڑے میں لے گئی تھی۔''

چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر اسے لکشمی سے معلوم ہونے والی باتوں کے بارے میں آگاہ کرنے لگا۔ آخر میں کہہ رہا تھا۔ ''اسے ہم پر شبہ ہو گیا ہے کہ ہم وہی ہو سکتے ہیں جنہیں ملک بھر کی پولیس پوری سرگرمی سے تلاش کرتی پھر رہی ہے۔ میں نے اسے اپنے اور تمہارے بارے میں ایک فرضی کہانی سنا ڈالی تھی لیکن مجھے یقین ہے کہ اسے میری کہانی پر یقین نہیں آیا اور پھر اس کی زبان بند رکھنے کے لئے مجھے دوسرا طریقہ اختیار کرنا پڑا۔''

''تمہاری حالت دیکھ کر میں سمجھ رہی ہوں کہ تم نے کون سا طریقہ اختیار کیا ہوگا۔ لیکن وہ اتنی آسانی سے۔''

''بات دراصل یہ ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''میں صبح ہی سے محسوس کر رہا تھا کہ وہ کن انکھیوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی وجہ بالکل واضح ہے۔'' بات کرتے ہوئے میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ ''اس کی شادی کو پانچ سال ہو چکے ہیں۔ اس کا شوہر بالکل ناکارہ آدمی ہے۔ ان پانچ برسوں میں وہ اسے ایک بچہ تو کیا جنسی تسکین بھی نہیں دے سکا۔ وہ روپ سیہائے کے ساتھ بھی وقت گزارتی رہی ہے لیکن اس کے پاس بھی کچھ نہیں ہے۔ مجھے دیکھ کر شاید وہ اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکی تھی۔''

''تم کلفام ہو نا کہ ہر خوبصورت لڑکی اور عورت تمہیں دیکھتے ہی ریشہ خطمی ہو جاتی ہے۔'' رتنا نے مجھے گھورا۔

''اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟'' میں نے بدستور مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''ویسے تم بھی کسی اپسرا سے کم نہیں ہو۔ ہم دونوں مل جل کر ہی کام نکالتے رہے ہیں۔ کہیں تم اپنا کام دکھاتی ہو اور کبھی مجھے موقع مل جاتا ہے اور آج تو ہم دونوں اپنا اپنا کام بڑی خوبی سے کر رہے ہیں۔''

''دونوں سے کیا مطلب ہے تمہارا؟'' رتنا نے مجھے گھورا۔

''آج دن میں تم روپ سیہائے کے ساتھ تاش کھیل رہی تھیں اور تم بار بار بازی ہارتی رہیں۔'' میں نے کہا ''اس طرح تم نے شرط ہار کر تین مرتبہ اس پڈھے کو کس (Kiss) کرنے کا موقع دیا۔''

''اوہ۔'' رتنا اچھل پڑی۔ ''یہ بات تمہیں لکشمی ہی نے بتائی ہوگی۔''

''ہاں۔!'' میں نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ ''لیکن اب تم اس کی گردن مت دبوچ لینا۔ ہمیں صرف ایک آدھ دن یہاں رہنا ہے اور لکشمی ہمارے کام آ سکتی ہے۔ ویسے ہمیں یہ بھی پتہ نہیں کہ ہمیں کس قسم کی صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا۔''

''اگر روپ سیہائے کے ساتھ پولیس آ گئی تو ہمیں یہاں سے بھاگنے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔ رتنا نے کہا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

''ہمیں جو کچھ بھی کرنا ہوگا، موقع محل کے مطابق ہی کرنا ہوگا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''پولیس روپ سیہائے کو رانا رنبیر سنگھ کے سلسلے میں لے کر گئی ہے۔ اس پر قتل کا شبہ تو نہیں کیا جاسکتا ممکن ہے پولیس والے اس سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتے ہوں۔ لیکن لکشمی نے مفرور عورت اور مرد والی جو بات کہی تھی اس سے مجھے الجھن ہو رہی ہے۔''

''اب جیسی بھی صورت حال ہو اس کا سامنا تو کرنا ہی پڑے گا۔'' رتنا نے جواب دیا۔

میں نے دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھا۔ تین بج چکے تھے۔ لیکن میری آنکھوں میں نیند کا نام و نشان تک نہیں تھا اور یوں لگتا تھا جیسے رتنا نے بھی رات بھر جاگنے کا پروگرام بنا رکھا ہو۔ بستی کی طرف سے شور اور موسیقی کی آوازیں بدستور سنائی دے رہی تھیں۔

ایک گھنٹہ اور گزر گیا اب رتنا اونگھنے لگی تھی۔ میں نے اسے کمرے میں بھیج دیا لیکن خود وہیں بیٹھا رہا۔ مجھے واقعی نیند نہیں آرہی تھی۔ میرے ذہن میں ایک اندیشہ یہ بھی تھا کہ ایسا نہ ہو کہ پولیس کسی وقت یہاں پہنچ جائے اور ہم سوتے ہی دھر لئے جائیں۔

دن کا اجالا پھیلنے لگا تھا مگر میری آنکھوں میں نیند اب بھی نہیں تھی اور اس وقت میں سونا بھی نہیں چاہتا تھا۔ مجھے چائے کی طلب ہو رہی تھی۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر کچن کی طرف بڑھا ہی تھا کہ باہر والا دروازہ کھلا اور لکشمی اندر داخل ہوئی۔ اس کے بدن پر وہی رات والا لباس تھا۔ مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

''تم سوئے نہیں بابو۔'' وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''تمہاری آنکھوں کی سرخی بتا رہی ہے کہ تم رات بھر جاگتے رہے ہو۔''

''ہاں مجھے نیند نہیں آرہی تھی اور اس وقت میں چائے بنانے جا رہا تھا۔'' میں نے کہا۔

''تم بیٹھ جاؤ میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' لکشمی نے کہا۔ ''مجھے معلوم ہے شہر کے لوگ صبح آنکھ کھلتے ہی چائے پیتے ہیں۔ اس لئے میں سویرے ہی سویرے آ گئی ہوں۔''

میں صوفے پر بیٹھ گیا اور لکشمی کچن کی طرف چلی گئی۔ میں اسے دیکھتا رہا۔ اس نے جسم کے بالائی حصے پر جو چولی پہن رکھی تھی اس میں کپڑا صرف سامنے کی طرف تھا۔ پیچھے ڈوریاں سی تھیں۔ اس کی پشت برہنہ تھی۔ تانبے جیسی رنگت اور.....

میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ میں اپنے آپ پر قابو نہ پا سکا اور اٹھ کر کچن میں چلا آیا۔ لکشمی گیس کے چولہے پر چائے کا پانی چڑھا رہی تھی۔ میں دروازے میں کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ وہ ایک مرتبہ میری طرف دیکھ کر مسکرائی تھی پھر اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کے برہنہ شانوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔ اس نے گردن گھما دی۔ ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی اور آنکھوں میں سرخی کے ڈورے ناچنے لگے۔ میں نے اسے پوری طرح اپنی طرف گھمایا۔ وہ میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں سرخی بڑھتی جا رہی تھی۔ حویلی کے باہر کسی گاڑی کے انجن کی آواز سن کر میں ایک دم سیدھا ہوگیا۔ لکشمی بھی سنبھل گئی۔ اب اس کی آنکھوں میں وحشت سی ابھر آئی تھی۔

لکشمی مجھ سے الگ ہو کر کھڑکی سے جھانکنے لگی۔ میں بھی اس کے قریب پہنچ گیا۔ لکشمن کسی

طرف سے نکل کر گیٹ کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے گیٹ کھولا تو باہر روپ سیہائے کی لینڈ کروزر کھڑی نظر آئی۔ اس کے ساتھ اگلی سیٹ پر ایک اور آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ حلئے سے وہ کٹر ہندو لگتا تھا۔ گنجے سر پر وسط میں بالوں کی چٹیا تھی جو دائیں طرف لٹک کر کان کو چھو رہی تھی۔ ماتھ پر کشکا اور مونچھیں خاصی بڑی تھیں، شیو بنایا ہوا تھا اس نے سرمئی رنگ کا کرتا پہن رکھا تھا اور ظاہر ہے اس کرتے کے ساتھ اس نے دھوتی پہن رکھی ہوگی جو گاڑی میں بیٹھے ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آ رہی تھی۔

''مالک آ گیا ہے، اس کے ساتھ دھن راج بھی ہے۔'' لکشمی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

تو یہ دھن راج تھا جو روپ سیہائے کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ گیٹ کھل چکا تھا۔ روپ سیہائے گاڑی کو اندر لے آیا۔

میں نے لکشمی کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر مایوسی چھا گئی تھی اور ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ تھی۔ میرے اندر انگڑائی لے کر بیدار ہونے والے حیوانی جذبات بھی سرد پڑ چکے تھے۔ میں نے لکشمی کے شانے کو ہولے سے تھپتھپایا اور کچن سے نکل کر ہال کمرے میں صوفے پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ میں روپ سیہائے کو یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ سو رہا ہوں۔

گاڑی پورچ میں رک گئی۔ دروازے کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنائی دی اور پھر روپ سیہائے اندر آ گیا۔ غالباً دھن راج اور لکشمن بھی اس کے ساتھ تھے۔ ان کی باتوں کی آواز سن کر میں ''بیدار'' ہوگیا۔

روپ سیہائے میری طرف توجہ دیئے بغیر دھن راج سے باتیں کر رہا تھا پھر دھن راج میری طرف دیکھتا ہوا باہر چلا گیا۔

''لکشمی کہاں ہے اسے بلا کر لاؤ..... ہمارے لئے ناشتہ تیار کرے۔'' روپ سیہائے نے لکشمن سے کہا۔

''لکشمی رسوئی میں ہے سرکار.....'' لکشمن نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے، اس سے کہو پہلے ہمارے لئے چائے بنائے اور پھر ناشتہ تیار کرے اور تم باہر جا کر گاڑی صاف کرو، ایک گھنٹے بعد ہمیں یہاں سے جانا ہے۔'' روپ سیہائے نے کہا۔

میں آنکھیں کھول چکا تھا۔ اب اٹھ کر بیٹھ گیا۔ روپ سیہائے میری طرف دیکھتا ہوا سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر تھکن اور آنکھوں میں گہری سرخی تھی۔ لگتا تھا وہ بھی رات بھر جاگتا رہا ہے۔

''کیا معاملہ ہے روپ سیہائے.....؟'' میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''پولیس تمہیں کیوں لے کر گئی تھی؟''

''وہی رانا والا معاملہ ہے۔'' روپ سیہائے نے جواب دیا۔ ''وہ کم بخت بھی میرا غدار نکلا۔'' اس کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ ''مجھ سے وہ ایک ہفتہ کی چھٹی لے کر گیا تھا۔ اپنی بہن سے ملنے کے لئے لیکن وہ ماؤنٹ آبو پہنچ گیا جہاں کسی عورت کے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہا اور یہاں واپس آتے ہی کسی کے ہاتھوں مارا گیا۔''

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

''کسی عورت کے بارے میں معلومات!'' میں نے تعجب کا اظہار کیا۔ ''کون تھی وہ عورت۔ اور پولیس کو یہ سب کیسے معلوم ہوا؟''

''یہ پولیس والے تو گڑے مردے اکھاڑ لیتے ہیں۔'' روپ سیہائے نے جواب دیا۔ ''میں نے پولیس کو بتایا تھا کہ رانا اپنی بہن سے ملنے جے پور گیا تھا لیکن وہ اپنی بہن کے پاس نہیں گیا۔ یہاں سے وہ جے پور پہنچا اور وہاں سے کرائے کی کار لے کر کوٹ آبو پہنچ گیا جہاں پریم نواس ریسٹورنٹ میں رتنا نامی کسی عورت کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا اور رتنا وہی عورت ہے جس نے پاکستانی دہشت گرد کے ساتھ مل کر تباہی مچا رکھی ہے۔ پولیس کو شبہ ہے کہ رانا کا بھی ان دہشت گردوں سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے اور وہ دہشت گرد اس وقت کوٹ پتلی میں موجود ہیں۔ پولیس کے بعض اعلیٰ افسران جے پور سے یہاں آئے ہوئے ہیں۔ وہ مجھ سے رانا کی سرگرمیوں کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''رانا بڑا بے ایمان نکلا۔ میں اسے بہت شریف آدمی اور اپنا وفادار سمجھتا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ آتنک وادیوں سے ملا ہوا تھا۔''

''سنا ہے پولیس انسپکٹر تم سے کسی عورت اور مرد کے بارے میں بھی پوچھ رہا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں۔'' وہ ایک بار پھر گہرا سانس لیتے ہوئے بولا۔ ''پولیس کو پتہ چل گیا ہے کہ ایک عورت اور ایک مرد میرے بنگلے پر بھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ میں نے انہیں بتایا کہ وہ میرا ایک دوست تھا جو اپنی پتنی کے ساتھ دہلی سے آیا ہوا تھا جو چند روز رہ کر واپس چلا گیا لیکن میرا خیال ہے پولیس میرے اس بیان سے مطمئن نہیں ہوئی۔ انہوں نے مجھے آج شام پانچ بجے پھر بلایا ہے۔ را کا ایک آفیسر مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔''

''میرا خیال ہے تمہیں غلط بیانی کی ضرورت نہیں تھی۔'' میں نے کہا۔ ''تم ہمیں پولیس کے سامنے پیش کر دیتے۔ اس طرح پولیس بھی مطمئن ہو جاتی اور تمہیں بھی پریشانی نہ ہوتی۔''

''میں راجپوت ہوں۔'' روپ سیہائے نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ہماری کچھ روایات ہیں۔ مہمانوں کو ہم گھر کی برکت سمجھتے ہیں بھگوان کی دیا۔ میں اپنے مہمانوں کو پولیس کے حوالے کیسے کر دیتا۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ پولیس آسانی سے میرا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔''

''گویا تمہیں مسلسل پریشان کیا جاتا رہے گا۔'' میں نے کہا۔

''لیکن میں نے اس کا حل تلاش کر لیا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''وہ کیا؟'' میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''میں تم لوگوں کو جھنجھنو لے جا رہا ہوں۔'' وہ بولا۔

''یہاں سے تیس چالیس میل کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ وہاں میرے دوست کا بہت بڑا مکان ہے۔ تم لوگوں کو وہاں چھوڑ کر میں کوٹ پتلی چلا جاؤں گا۔ ایک دو دن بعد میں خود بھی آ جاؤں گا۔''

''ہماری وجہ سے اتنی پریشانیاں کیوں اٹھا رہے ہو۔'' میں نے کہا۔

''تم لوگ سمترا کے رشتے دار اور میرے مہمان ہو۔'' اس نے جواب دیا۔ ''میں یہ برداشت

نہیں کر سکتا کہ پولیس تم لوگوں کو پریشان کرے۔''

میں دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ روپ سیہائے نے ابھی کچھ دیر پہلے راجپوتی روایات کی بات کی تھی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ راجپوت اپنی روایات اور آن بان پر مر مٹنے والے ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں معاملہ کچھ اور تھا۔ روپ سیہائے ایسا آدمی ہرگز نہیں تھا جسے روایات کا احساس ہو۔ وہ ایک عیاش آدمی تھا۔ سمترا کو اس نے اپنی رکھیل بنا کر رکھا ہوا تھا اور اب اس کی نظریں رتنا پر لگی ہوئی تھیں۔ رتنا، سمترا سے زیادہ حسین تھی۔ وہ رتنا کو زیر کرنا چاہتا تھا۔

عورت ہمیشہ فساد کا باعث رہی ہے۔ خود راجپوتوں کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ عورت کے لئے اس خطے میں بڑی بڑی جنگیں لڑی گئی ہیں اور رتنا تو ایسی عورت تھی کہ اس کے لئے بھی بڑی سے بڑی جنگ لڑی جا سکتی تھی اور روپ سیہائے جیسا شخص تو رتنا کے لئے بہت کچھ کر سکتا تھا۔

لکشمی کو اپنی طرف آتے دیکھ کر روپ سیہائے خاموش ہو گیا۔ لکشمی نے ہمارے سامنے چائے رکھ دی۔ معنی خیز نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور زیر لب مسکراتی ہوئی واپس چلی گئی۔

ہم چائے پی رہے تھے کہ رتنا بھی آ گئی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے اور آنکھوں میں نیند کا خمار تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے روپ سیہائے کی طرف دیکھا اور اس کے سامنے والے صوفے پر اس طرح بیٹھ گئی کہ ساڑھی کا پلو ڈھلک کر نیچے گر گیا اور بدن کے نشیب و فراز واضح ہونے لگے۔ روپ سیہائے نے اس کی طرف دیکھا اور پہلو بدل کر بیٹھ گیا۔

سمترا کو بھی جگا دو اور تم دونوں تیار ہو جاؤ۔ ہم لوگ ایک گھنٹے بعد یہاں سے جا رہے ہیں۔'' میں نے رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''کہاں......؟'' رتنا نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

''جھنجھنو۔'' میں نے جواب دیا اور اسے روپ سیہائے کی بتائی ہوئی باتیں بتانے لگا۔

''ٹھیک ہے، میں سمترا کو جگا دیتی ہوں۔'' رتنا اٹھ کر کمرے میں چلی گئی۔ میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ گزشتہ رات ہم نے یہاں سے جانے کا پروگرام بنایا تھا۔ اس کے لئے روپ سیہائے نے خود ہی ہماری ساری پریشانیاں دور کر دی تھیں۔

ڈیڑھ گھنٹے بعد ہم تیار ہو چکے تھے۔ سامان لینڈ کروزر میں رکھ دیا گیا اور پھر یہ جان کر میں کچھ پریشان ہو گیا کہ دھن راج بھی ہمارے ساتھ جا رہا ہے۔ سمترا نے بھی اس الجھن کو تاڑ لیا۔ وہ روپ سیہائے کو ایک طرف لے گئی اور تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ واپس آئے تو روپ سیہائے نے اعلان کر دیا کہ دھن راج ہمارے ساتھ نہیں جا رہا۔

میں نے حسب معمول ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ روپ سیہائے رتنا اور سمترا کے بیچ میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ میں نے انجن اسٹارٹ کر کے چند قدم دور کھڑی ہوئی لکشمی کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔

میں گاڑی کو حویلی سے باہر لے آیا اور اس کا رخ حویلی کے پچھلی طرف بستی کی طرف موڑ دیا۔ وہ راستہ بستی کے قریب سے ہو کر گزرتا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

''بس اسی راستے پر چلتے رہو۔'' روپ سہائے نے کہا۔ ''چند میل آگے پکی سڑک ہے۔ وہاں میں تمہیں بتادوں گا کس طرف مڑنا ہے۔''

کھیتوں کے درمیان راستہ کچا اور غیر ہموار تھا۔ گاڑی کو ہچکولے لگ رہے تھے۔ رفتار دس پندرہ میل سے زیادہ نہیں رکھی جاسکتی تھی۔ میں وقفے وقفے سے سامنے لگے ہوئے آئینے کی طرف بھی دیکھ رہا تھا۔ روپ سہائے نے دونوں بازو دائیں بائیں پھیلا کر رتنا اور سمترا کے کندھوں پر رکھے ہوئے تھے۔ رتنا لطیفے سنا رہی تھی اور روپ سہائے قہقہے لگا رہا تھا۔

ہم کھیتوں میں تقریباً نصف میل کا فاصلہ طے کر چکے تھے۔ سامنے اس راستے سے ذرا ہٹ کر درختوں کا ایک جھنڈ سا نظر آرہا تھا۔

''ارے، گاڑی کو ذرا اس طرف موڑنا، ان درختوں کی طرف۔'' سمترا نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''کیوں۔ ادھر کیا ہے؟'' روپ سہائے بول پڑا۔

''بھول گئے کیا۔'' سمترا نے جواب دیا۔ ''وہ کنواں بھول گئے جس کے اندر دیوار میں ایک پودا اگا ہوا ہے۔ تم نے بتایا تھا کہ وہ پودا رام کی نشانی ہے۔ میں جاتے ہوئے نیک شگون کے طور پر اس پودے کے درشن کرنا چاہتی ہوں اور ویسے بھی تمہیں یاد ہونا چاہئے کہ اس کنویں کے پاس ہم نے کچھ بہت اچھا وقت گزارا تھا۔''

''ٹھیک ہے بھئی۔ موڑ لو گاڑی اس طرف۔'' روپ سہائے بولا۔

میں نے اس سے پہلے ہی گاڑی اس طرف موڑ لی تھی لیکن اسے زیادہ آگے نہیں لے جاسکا۔

ہم گاڑی سے اتر کر اس کنویں کے قریب آ گئے اور پھر ہم باری باری کنویں میں جھانک کر دیکھنے لگے۔ روپ سہائے منڈیر پر جھک کر کنویں کے اندر جھانک رہا تھا۔ سمترا نے مجھے اشارہ کیا۔

میں نے روپ سہائے کو دھکا دے دیا۔ وہ کنویں میں گرا مگر اس نے منڈیر کو پکڑ لیا اور بری طرح چیخنے لگا۔

''ارے ارے۔ یہ کیا کر رہے ہو۔ نکالو مجھے، میرا ہاتھ پکڑو..... مجھے باہر نکالو۔'' وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

''یہ تمہارا آخری ٹھکانہ ہے روپ سہائے۔'' سمترا نے چیخ کر کہا۔

''اپنے بھگوان کو یاد کرلو۔ بہت عیش کرلئے تم نے زندگی میں۔''

رتنا منڈیر سے روپ سہائے کے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی اور روپ سہائے بری طرح چیخ رہا تھا۔

''اوئے۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔''

ایک آواز سن کر میں اچھل پڑا۔ وہ روپ سہائے کا ایک کارندہ تھا جو نجانے کہاں سے نکل کر وہاں پہنچ گیا تھا۔ اسے دیکھ کر مجھے اپنا دل کنپٹیوں میں دھڑکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ میں نے جیب سے پستول نکال کر گولی چلادی۔ لیکن نشانہ خطا گیا۔ وہ آدمی پلٹ کر کھیتوں کی طرف بھاگ نکلا۔

''تم لوگ اسے سنبھالو۔ یہ بچنے نہ پائے، میں اسے دیکھتا ہوں۔'' میں رتنا اور سمترا کی طرف دیکھ کر چیخا اور اس آدمی کے پیچھے دوڑ لگادی۔

میں نے دو گولیاں اور چلائیں مگر وہ آدمی بچ نکلا۔ تیسری گولی اس کے بازو پر لگی۔ وہ چیختا ہوا گرا لیکن فوراً ہی سنبھل کر بھاگ کھڑا ہوا۔ میں اس کے پیچھے دوڑتا رہا۔ میں جانتا تھا کہ اگر وہ بچ کر نکل گیا تو ہماری زندگیوں کی بھی کوئی ضمانت نہیں ہوسکتی تھی۔

وہ شخص کھیتوں میں دوڑتا رہا۔ میں نے بھی اس کا پیچھا جاری رکھا لیکن ہمارے درمیان فاصلہ بڑھتا گیا اور پھر وہ شخص اچانک ہی میری نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔ پہلے تو وہ پگڈنڈیوں پر دوڑتا رہا تھا لیکن اب قدآدم فصل میں گھس کر غائب ہوگیا تھا۔

میں ایک پگڈنڈی پر کھڑا ادھر ادھر دیکھتا رہا لیکن اس کا کوئی نام و نشان دکھائی نہیں دیا۔ پودے بھی پرسکون تھے۔ کسی طرف کوئی ہلچل دکھائی نہیں دے رہی تھی جس سے اندازہ لگایا جاسکتا کہ وہ کس طرف گیا ہوگا۔

میرے دل کی دھڑکن تیز تر ہوتی جارہی تھی اگر وہ بستی تک پہنچ گیا تو ہمارے لئے بڑی مصیبتیں کھڑی ہوسکتی تھیں لیکن وہ کھیتوں میں غائب ہو چکا تھا اور اسے روک لینا میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ ویسے یہ اندازہ لگانا بھی مشکل تھا کہ اب تک وہ کتنی دور نکل چکا ہوگا۔

دفعتاً ایک نسوانی چیخ کی آواز سن کر میں اچھل پڑا۔ یہ رتنا یا سمترا کی چیخ تھی۔ میں پلٹ کر کنویں کی طرف دوڑ پڑا۔ اب مجھے احساس ہوا کہ میں اس شخص کا پیچھا کرتا ہوا وہاں سے تقریباً دو سو گز دور نکل آیا تھا۔

میں پگڈنڈیوں پر دوڑتا رہا۔ کئی مرتبہ میں گرتے گرتے بچا تھا اور جب میں کھیت سے نکل کر کنویں کے قریب پہنچا تو ایک بڑا ہی سنسنی خیز منظر میری نگاہوں کا منتظر تھا۔

روپ سہائے، رتنا اور سمترا کو زمین پر رگید رہا تھا اور وہ دونوں اسے قابو کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ مجھے یہ سب کچھ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ اس کمبخت بوڑھے میں اتنی طاقت تھی کہ ان دونوں کے قابو میں نہیں آرہا تھا۔ سب سے زیادہ حیرت تو اس بات پر تھی کہ وہ کنویں سے نکلا کیسے تھا میں جب اس شخص کے پیچھے دوڑا تھا تو روپ سہائے کنویں کے اندر لٹکا ہوا تھا اور رتنا اور سمترا اس کی گرفت چھڑانے کی کوشش کر رہی تھیں لیکن اب سب کچھ اس کے برعکس نظر آرہا تھا۔ وہ نہ صرف کنویں سے باہر آ گیا تھا بلکہ ان دونوں کو رگید رہا تھا۔

میں دوڑتا ہوا ان کے قریب پہنچ گیا اور جاتے ہی ایک بھرپور ٹھوکر روپ سہائے کے سر پر رسید کر دی۔ وہ بلبلاتا ہوا ایک طرف الٹ گیا۔ رتنا نے بڑی پھرتی سے اپنے آپ کو اس سے الگ کیا اور اس کی ٹانگ پکڑ کر گھسیٹنے لگی۔ سمترا بھی سنبھل گئی۔ اس نے دوسری ٹانگ پکڑ لی اور میں نے روپ سہائے کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے اوپر اٹھالیا۔ وہ بری طرح چیخ رہا تھا لیکن ہم تینوں نے اسے مضبوطی سے جکڑے رکھا اور ڈنڈا ڈولی کرتے ہوئے اسے کنویں کی منڈیر کے قریب لے گئے اور ایک دو جھونٹے دے کر اسے کنویں میں اچھال دیا۔ روپ سہائے کی آخری چیخ کنویں میں گونجتی ہوئی محسوس ہوئی اور پھر شراپ کی زوردار

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

آواز کے ساتھ ہی اس کی چیخ نے دم توڑ دیا۔

''گاڑی میں بیٹھو جلدی کرو۔'' میں نے رتنا اور سمترا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''وہ شخص نکل جانے میں کامیاب ہوگیا ہے۔ اگر وہ بستی میں پہنچ گیا تو وہ لوگ ہمارا تعاقب شروع کردیں گے۔ میں نے حویلی کے دوسری طرف ایک پک اپ کھڑی دیکھی تھی۔ ایسا نہ ہو ہم پکی سڑک تک پہنچنے سے پہلے کھیتوں ہی میں دھر لئے جائیں۔''

''اوہ۔ یہ بہت برا ہوا۔'' سمترا کہتے ہوئے گاڑی کی طرف لپکی۔

میں نے بھی لینڈ کروزر کی طرف دوڑ لگا دی اور ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھتے ہی انجن اسٹارٹ کردیا۔ سمترا پسنجرز سائیڈ پر اور رتنا پچھلی سیٹ پر بیٹھ چکی تھی۔

میں نے گاڑی کو کچھ دور تک ریورس میں لیا اور پھر اس کا رخ اس راستے کی طرف موڑ دیا جو کھیتوں میں بل کھاتا ہوا پکی سڑک کی طرف چلا گیا تھا۔ راستہ اگرچہ ناہموار تھا مگر میں گاڑی کی رفتار بڑھاتا چلا گیا۔ یہ لینڈ کروزر ریگستانی اور پہاڑی علاقوں کے لئے بنائی گئی تھی۔ اس لئے اس میں کسی گڑبڑ کا اندیشہ نہیں تھا۔ دھچکے اگرچہ زوردار لگ رہے تھے مگر میں بے فکر ہوکر رفتار بڑھاتا چلا گیا۔ ''کون تھا وہ..... اور کیسے بچ کر نکل گیا؟'' پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی رتنا نے قدرے آگے جھکتے ہوئے پوچھا۔ اس کا سانس اب بھی پھولا ہوا تھا۔

''میرا خیال ہے وہ روپ سیہائے کا کوئی کارندہ ہی تھا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''کھیتوں میں غائب ہوگیا۔ اگر میں اس کا پیچھا کرتا تو ہمیں یہاں سے نکلنے کا موقع نہ ملتا۔ ویسے میری گولی اس کے بازو پر لگی تھی لیکن اس سے شاید کوئی فرق نہ پڑے۔ وہ اب تک بستی کے قریب پہنچ چکا ہوگا۔''

''بھگوان کرے وہ راستے ہی میں ختم ہوجائے۔'' سمترا بولی۔

''بازو پر گولی لگنے سے کوئی نہیں مرتا۔'' میں نے کہا۔ ''تمہاری دعا قبول ہونے کا ایک فیصد امکان بھی نہیں ہے۔ ویسے پکی سڑک یہاں سے کتنی دور ہے۔''

''ہمیں وہاں تک پہنچنے میں کم سے کم ایک گھنٹا لگے گا۔'' سمترا نے جواب دیا۔

''ایک گھنٹہ!'' میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ ''اور اس پکی سڑک سے کوٹ پتلی کتنی دور ہے؟''

''وہاں سے کوٹ پتلی کا راستہ بھی تقریباً ایک گھنٹے کا ہے۔ ویسے تم کیوں پوچھ رہے ہو۔ اس طرف جانے کا ارادہ ہے کیا؟'' سمترا نے کہا۔

''نہیں، میں کچھ اور سوچ رہا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''اگر ان لوگوں نے حویلی سے ٹیلی فون پر کوٹ پتلی پولیس کو اطلاع دے دی تو پولیس کو اس طرف پہنچنے میں کتنی دیر لگے گی۔''

''ہاں۔ یہ اندیشہ تو ہے۔'' سمترا نے جواب دیا۔

''دوسری طرف نکلنے کا کوئی اور راستہ بھی نہیں ہے۔ دھن راج بہت حرامی آدمی ہے۔ وہ فوراً معاملے کی تہہ تک پہنچ جائے گا کہ تم دونوں کون ہو۔ وہ فون پر پولیس کو اطلاع دینے میں ایک لمحہ کی تاخیر بھی

نہیں کرے گا۔''

''پولیس سے بچنے کا بس ایک ہی طریقہ ہے۔'' میں نے کہا۔ ''گاڑی کی رفتار زیادہ سے زیادہ تیز رکھی جائے تاکہ اطلاع پاکر اگر پولیس اس طرف آئے بھی تو ہم اس سے پہلے ہی وہاں سے نکل چکے ہوں۔'' میں ایک لمحہ کو خاموش ہوا اور پھر رتنا کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ ''رتنا۔ پیچھے کا خیال رکھنا، میرا خیال ہے وہ پک اپ پر ہمارا تعاقب ضرور کریں گے۔''

''میں بار بار پیچھے دیکھ رہی ہوں۔'' رتنا نے جواب دیا۔ ''ابھی تک کوئی آثار دکھائی نہیں دیئے۔''

میں رفتار بڑھاتا چلا گیا۔ اس کچے راستے پر بیل گاڑیاں اور پک اپس ہی چلتی رہی تھیں جس وجہ سے گڑھے سے بن گئے تھے اور لینڈ کروزر بری طرح اچھل رہی تھی۔

جب ہم حویلی سے روانہ ہوئے تھے تو دھوپ نکل رہی تھی۔ اب اگرچہ دھوپ کچھ تیز ہوگئی تھی لیکن آسمان پر بادل بھی نظر آنے لگے تھے۔ میں دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ کہیں بادل جم نہ جائیں۔ یہاں کا موسم بھی ہندوؤں کی طرح قابل بھروسہ نہیں تھا۔ اگر بارش شروع ہوگئی تو ہمارے لئے بڑی مصیبت ہوجائے گی۔

ہمیں کنویں کے پاس سے روانہ ہوئے تقریباً آدھا گھنٹہ ہوچکا تھا۔ ابھی کم سے کم آدھے گھنٹے کا فاصلہ باقی تھا۔ میرے ذہن میں یہ اندیشہ بدستور موجود تھا کہ اگر حویلی سے فون پر کوٹ پتلی کو اطلاع دے دی گئی ہو تو پولیس ہم سے پہلے پکی سڑک پر پہنچ کر ناکہ بندی کرلے گی۔

ہمارے چاروں طرف اگرچہ کھیت تھے۔ اونچی فصلوں کی وجہ سے دور سے ہماری گاڑی کو نہیں دیکھا جاسکتا تھا لیکن کچے راستے پر ہماری گاڑی سے اڑتی ہوئی دھول بڑی آسانی سے ہماری نشان دہی کرسکتی تھی اور ہم آسانی سے گھیرے میں آسکتے تھے۔

''وہ لوگ آرہے ہیں۔''

رتنا کی چیختی ہوئی آواز سن کر میں اچھل پڑا۔ چند گز آگے راستہ قدرے بائیں طرف مڑ گیا تھا۔ میں نے گاڑی تیزی سے اس طرف گھما دی اس طرح مجھے پیچھے دیکھنے کا موقع مل گیا۔ بہت دور دھول اڑتی ہوئی نظر آرہی تھی۔ وہ یقیناً پک اپ تھی جو ہمارے تعاقب میں آرہی تھی۔

میں نے گاڑی کی رفتار کچھ اور بڑھا دی۔ آگے چند گھروں پر مشتمل ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ یہ راستہ اس بستی کے قریب سے گزرتا تھا۔ کچھ بچے بستی کے سامنے راستے کے عین بیچ میں بیٹھے کھیل رہے تھے۔ میں نے دور ہی سے ہارن بجانا شروع کردیا۔ تمام بچے ادھر ادھر ہٹ گئے مگر سال ڈیڑھ سال کی عمر کا ایک ننگ دھڑنگ بچہ اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ کسی اور بچے نے بھی اسے ہٹانے کی کوشش نہیں کی۔ مجبوراً مجھے اس بچے سے چند گز دور ہی گاڑی روک لینی پڑی۔

سمترا دروازہ کھول کر نیچے اتری اور بچے کی طرف دوڑتی چلی گئی۔ وہ بچے کے قریب پہنچی ہی تھی کہ بستی کے سامنے والے مکان سے ایک عورت نکل کر دوڑتی ہوئی اس طرف چلی آئی۔

اس کی عمر بیس بائیس سال کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ تانبے جیسے رنگت پشت پر بکھرے ہوئے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

لمبے سیاہ بال، وہ پیروں سے برہنہ تھی اور بدن پر لباس بھی ناکافی تھا۔ اس نے لپک کر بچے کو سمترا سے لے لیا۔

"پیدا کیا ہے تو سنبھال کر رکھا بھی کرو۔" سمترا نے اسے ڈانٹ کر کہا اور دوبارہ گاڑی میں آ گئی۔

میں نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ عورت نے گھور کر ہماری طرف دیکھا تھا۔

"ابھی کتنا فاصلہ ہے؟" میں نے سمترا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میرا خیال ہے ہم پانچ دس منٹ میں پکی سڑک پر پہنچنے ہی والے ہیں۔" سمترا نے جواب دیا۔

پانچ منٹ بعد ایک راستہ کھیتوں میں بائیں طرف مڑ گیا جو قدرے کم کشادہ تھا جبکہ ایک راستہ سامنے ایک سرسبز ٹیلے کی طرف چلا گیا تھا۔ سمترا کے اشارے پر میں نے گاڑی اس ٹیلے والے راستے پر ڈال دی۔

یہ ٹیلا تقریباً دو سو فٹ بلند تھا اور دور تک پھیلا ہوا تھا اس کے اوپر پہنچتے ہی میں نے گاڑی روک لی۔ سامنے نشیب میں کھیتوں کے دوسری طرف تقریباً تین سو گز کے فاصلے پر وہ پختہ سڑک تھی جو کوٹ پتلی سے نمسکا تھانہ، تھتمین سے ہوتی ہوئی جھنجھنو کی طرف چلی گئی تھی۔ سڑک پر بسوں وغیرہ کی آمد و رفت بھی نظر آ رہی تھی۔ میرے رکنے کی وجہ نیلے رنگ کی وہ دو گاڑیاں تھیں جو اس کچے راستے کے اختتام پر سڑک پر کھڑی تھیں اور چند لوگ بھی آس پاس دکھائی دے رہے تھے۔ فاصلہ زیادہ ہونے کے باوجود میں نے پولیس کی ان گاڑیوں کو پہچان لیا تھا اور ان کے آس پاس ٹہلنے والے یقیناً پولیس والے ہی ہو سکتے تھے۔

"میرا بدترین اندیشہ درست نکلا۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "پولیس نے ناکہ بندی کر رکھی ہے۔"

"وہ راستہ کہاں جاتا ہے؟" میں نے گاڑی گھماتے ہوئے پوچھا۔

"نمسکا تھانہ اور تھتمین کے بیچ میں کسی جگہ پختہ سڑک سے جا ملتا ہے" سمترا نے جواب دیا۔ "اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ پیچھے سے وہ لوگ بھی آ رہے ہیں۔ اگر ہم گھیرے میں آ گئے تو نکلنا مشکل ہو جائے گا۔"

"گھر تو ہم چکے ہیں۔" میں نے جواب دیا اور گاڑی کو واپسی کے راستے پر ڈال دیا۔

وہ راستہ زیادہ کشادہ نہیں تھا۔ دو ڈھائی میل آگے چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں نظر آ رہی تھیں اور میرا خیال تھا کہ یہ راستہ انہی پہاڑیوں میں سے ہو کر کسی طرف نکلتا ہوگا۔

پک اپ ابھی کھیتوں میں بہت دور تھی اور میرا خیال تھا کہ سڑک پر پولیس والوں نے بھی ہمیں گاڑی موڑتے ہوئے دیکھ لیا ہوگا۔ ان کے پاس دو گاڑیاں تھیں۔ ممکن ہے ایک گاڑی ہمارے تعاقب میں آ جائے اور دوسری آگے جا کر دوبارہ ناکہ بندی کی کوشش کرے۔

میں گاڑی کو کھیتوں میں اس تنگ سے راستے پر تیزی سے بھگاتا رہا۔ میرا اندازہ درست نکلا۔ پولیس کی ایک گاڑی کو میں نے ٹیلے پر دیکھ لیا۔ ہمارے درمیان اگرچہ فاصلہ بہت زیادہ تھا مگر پولیس نے

غالباً ہمیں ہراساں کرنے کے لئے فائرنگ شروع کر دی۔ رتنا نے پستول سمترا کے حوالے کر دیا حالانکہ میں جانتا تھا کہ پولیس کی لا… پستول کوئی معنی نہیں رکھتے تھے۔

راستہ مزید تنگ ہو گیا تھا۔ گاڑی بار بار کھیتوں کی منڈ… ہو رہا تھا۔ …زیادہ دور نہیں رہ گئی تھیں۔ سرخ پتھروں کی وہ پہاڑیاں کسی قلعے کی… پھیلی ہوئی تھیں اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر ہم ان پہاڑیوں تک پہنچ… کر سکتے تھے۔

پہاڑی اب نصف فرلانگ سے زیادہ دور نہیں رہ گئی تھی لیکن آگے راستہ بند ہو گیا تھا۔ پتھر کی ایک دو فٹ اونچی دیواری تھی ا… میں نے گاڑی روک لی اور متجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ کسی… نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ پولیس کی گاڑی بھی تقریباً تین سو گز پیچھے رہ گئی تھی۔ …بڑی تھی اس لئے وہ اس تنگ راستے پر زیادہ آگے نہیں آ سکی تھی۔

وہ آٹھ پولیس والے تھے جو گاڑی سے اتر کر پوزیشن لے رہے تھے۔

"نیچے اترو۔ جلدی کرو۔" میں نے رتنا اور سمترا کی طرف دیکھتے ہوئے … پہاڑیوں ہی میں پناہ مل سکتی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔"

رتنا پیچھے مڑ کر اپنا سوٹ کیس اٹھانے کی کوشش کرنے لگی۔

"سوٹ کیس کو چھوڑ دو۔ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔" میں نے چیخ کر کہا۔

"مگر یہ……"

"اگر مگر مت کرو۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اگر اس سوٹ کیس کے چکر میں رہیں تو اپنا جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھو گی۔"

میں انجن چلتا چھوڑ کر نیچے اتر آیا۔ اس لمحہ پولیس والوں نے فائر کھول دیا۔ فائرنگ کی آواز کے ساتھ ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ ایک گولی گاڑی کے پچھلے ٹائر میں لگی تھی۔ رتنا اور سمترا بیک وقت چیخ اٹھیں۔

"سمترا۔ یہ پستول مجھے دے دو اور تم دونوں ان پتھروں کی آڑ لیتی ہوئی پہاڑی کی طرف چلی جاؤ۔" میں نے چیخ کر کہا اور سمترا کے ہاتھ سے پستول لے لیا۔

سمترا اور رتنا گاڑی سے اتر کر پہاڑی کے دامن میں بکھرے ہوئے بڑے بڑے پتھروں کی طرف دوڑنے لگیں۔ رتنا کے ہاتھ میں سوٹ کیس دیکھ کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ وہ گاڑی سے اترتے ہوئے اپنا سوٹ کیس لے جانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

حویلی کی طرف سے آنے والی پک اپ بھی پولیس کی گاڑی کے پیچھے رک چکی تھی۔ چار آدمی چھلانگ لگا کر پک اپ سے اتر آئے۔ ان چاروں کے پاس ڈبل بیرل بندوقیں تھیں۔ پولیس والوں نے

"میں پتھر کے اس طرف سے اکا دکا فائر…
…کر سمترا کے پاس پہنچنے کی کوشش کرو۔"
…ں کی طرف دیکھا۔ ہم لوگ اس وقت موت
…کرنے لگا۔ میرا اندازہ درست نکلا۔ پولیس
…لگ رہی تھیں اور پتھر کے چھوٹے چھوٹے
…یا۔ وہ سوٹ کیس سنبھالے دوسری طرف
…تے ہی میں تھی کہ کسی پتھر سے ٹھوکر کھا کر
…اور سوٹ کیس اٹھانے کے لئے واپس
…گولیاں اس کے آس پاس زمین
…دوڑی۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

Scan
Azam
aazzamm@yahoo
aleeraza@hotmai

ور

ا تھا۔ پولیس کی فائرنگ سے گاڑی کا دوسرا پچھلا ٹائر بھی ایک
ر رکھا بھی چکنا چور ہو چکی تھی۔ گولیوں نے گاڑی کے پچھلے حصے کو چکنا

دی۔ اور سمترا پتھروں کی آڑ لیتی ہوئی کافی دور نکل چکی تھیں۔
ل سنہ آگے بڑھنے لگے تھے۔ میں نے ایک فائر جھونک دیا۔ پولیس
ئک بدستور جاری رہی۔ میں نے ایک اور فائر کر دیا اور مڑ کر پہاڑی کی

لجتن لئے گاڑی پر فائرنگ کرتے رہے لیکن جب انہیں احساس ہوا کہ
رتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ ایک گولی گاڑی کے فیول ٹینک میں
ن ایک عظیم الجثہ شعلے کی طرح ہوا میں اچھلی اور بکھر گئی۔ جلتے ہوئے
... سمترا کے دونوں سوٹ کیس گاڑی میں ہی تھے۔ ان میں بھرے ہوئے
لی۔ سامنے نشیب میں کھیتوں اور سونے کی مورتیاں بھی انگاروں کی طرح چاروں طرف بکھر گئی تھیں۔
سے نمسکا تھانہ، کھنچے والوں کی پیش قدمی ایک بار پھر رک گئی تھی۔ میں نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا
آ رہی پتھروں کی آڑ میں دوڑتا ہوا رتنا اور سمترا کے قریب پہنچ گیا۔

رتنا کے ایک ہاتھ میں سوٹ کیس تھا اور دوسرے میں پستول۔ میں نے ان کے قریب پہنچ کر ایک لمحہ کو ادھر ادھر دیکھا اور پھر ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے چیخا۔

”اس طرف......اس چٹان کے پیچھے۔“

رتنا اور سمترا آگے تھیں اور میں پیچھے۔ مجھے یقین تھا کہ اس چٹان کے پیچھے کوئی ایسا راستہ ضرور ہوگا جو ہمیں ان پولیس والوں سے دور لے جا سکے گا۔

پولیس والے اب پھیل کر فائرنگ کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ ہم اس چٹان کے پیچھے پہنچ گئے لیکن میرا اندازہ غلط نکلا۔ اس چٹان کے دوسری طرف بھی دور تک بڑے بڑے پتھر پھیلے ہوئے تھے۔ ہم ان پتھروں کے پیچھے دوڑتے رہے۔

پولیس والے چٹان کے قریب پہنچ چکے تھے۔ وہ بدستور فائرنگ کرتے ہوئے اپنا ایمونیشن ضائع کر رہے تھے۔ گولیاں پتھروں پر لگ رہی تھیں اور پتھر ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہے تھے۔

آگے مسلسل چڑھائی تھی۔ ہمارے دوڑنے کی رفتار کم ہو گئی تھی۔ رتنا اور سمترا تو بری طرح ہانپ رہی تھیں۔ رفتار کم ہونے کی وجہ سے پولیس کے درمیان ہمارا فاصلہ کم ہو گیا تھا۔

اس وقت ہم تینوں ایک ہی پتھر کے پیچھے پناہ لئے ہوئے تھے۔ ہمارے چاروں طرف گولیاں برس رہی تھیں۔ دوسرا بڑا پتھر ہم سے تقریباً پندرہ فٹ آگے تھا۔ میں نے محتاط انداز میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سمترا کو اس پتھر کی طرف دوڑا دیا۔ گولیاں اس کا تعاقب کرتی رہیں لیکن وہ خیریت سے اپنی منزل پر پہنچ گئی۔

”رتنا۔“ میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میں پتھر کے اس طرف سے اکا دکا فائر کر کے انہیں اپنی طرف متوجہ رکھتا ہوں اور تم اس طرف سے دوڑ کر سمترا کے پاس پہنچنے کی کوشش کرو۔“

رتنا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ ہم لوگ اس وقت موت کے حصار میں تھے۔ رتنا کا چہرہ اس وقت خوف سے بالکل سفید ہو رہا تھا۔

میں دوسری طرف آ کر پتھر کی آڑ سے اکا دکا فائر کرنے لگا۔ میرا اندازہ درست نکلا۔ پولیس والوں کی فائرنگ کا رخ اب میری طرف ہو گیا تھا۔ گولیاں پتھر پر لگ رہی تھیں اور پتھر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرچیوں کی طرح اڑ رہے تھے۔ میں نے رتنا کو اشارہ کیا۔ وہ سوٹ کیس سنبھالے دوسری طرف بھاگ کھڑی ہوئی۔ ابھی وہ دونوں پتھروں کے درمیان آدھے راستے ہی میں تھی کہ کسی پتھر سے ٹھوکر کھا کر لڑکھڑا گئی اور سوٹ کیس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا۔

وہ تین چار قدم آگے نکل چکی تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے رکی اور سوٹ کیس اٹھانے کے لئے واپس پلٹی۔

رتنا نے جھک کر سوٹ کیس کے ہینڈل پر ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ کئی گولیاں اس کے آس پاس زمین پر لگیں۔ سرخ دھول کا غبار سا اٹھا اور ہوا کے دوش پر پھیلتا چلا گیا۔

”رتنا بھاگ۔“ میں پھیپھڑوں کی پوری قوت سے چیخا۔

دوسری طرف سے سمترا بھی چیخ رہی تھی۔ رتنا بڑی تیزی سے مڑی اور سمترا کی طرف دوڑی۔ ابھی اس نے دو ہی قدم اٹھائے تھے کہ فضا اس کی خوفناک چیخ سے گونج اٹھی۔ سوٹ کیس اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ وہ کھڑے کھڑے لہرانے لگی۔ میں نے اس کے جسم پر کم از کم تین جگہوں سے خون کے فوارے چھوٹتے ہوئے دیکھے۔

وہ لہراتے ہوئے سنبھل گئی۔ اس نے پستول کو دونوں ہاتھوں میں پکڑا اور ٹرائیگر دباتی چلی گئی۔ اس کے پستول نے یکے بعد دیگرے تین شعلے اگلے اور دوسری طرف سے کسی پولیس والے کی خوفناک چیخ سنائی دی۔ کم از کم ایک پولیس والا رتنا کے ہاتھوں مارا گیا تھا مگر رتنا کو بھی اس کے بعد ٹرائیگر دبانے کا موقع نہیں مل سکا۔ پہلی تین گولیاں اس کے پیٹ میں لگی تھیں۔ جن سے خون کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ وہ پھر لڑکھڑانے لگی۔ مخالف سمت سے آنے والی اگلی باڑ نے اس کا سینہ چھلنی کر دیا۔ کچھ گولیاں اس کی ٹانگوں پر بھی لگی تھیں۔ اس کے جسم پر اب کئی جگہوں سے خون کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ وہ آخری مرتبہ لہرائی اور دھڑام سے نیچے گری۔ اس کا ایک ہاتھ سوٹ کیس کے اوپر تھا۔

میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔ ایک لمحہ کو میرے حواس مختل ہو گئے۔ میں سر کو زور زور سے جھٹکے دینے لگا۔ آنکھوں کے سامنے چھا جانے والی دھند چھٹنے لگی۔ وہ خوفناک ترین منظر میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ خاک میں اٹی ہوئی رتنا کے جسم پر کئی جگہوں سے خون بہہ رہا تھا وہ بے حس و حرکت ہو چکی تھی۔ وہ میری آنکھوں کے سامنے چھلنی ہو کر دم توڑ چکی تھی اور میں اس کے لئے کچھ نہیں کر سکا تھا۔

میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ دل کنپٹیوں میں دھڑکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس وقت دل تو یہ چاہ رہا تھا کہ پتھر کی آڑ سے نکل کر اندھا دھند فائرنگ کرتے ہوئے رتنا کے قاتلوں کو موت کے گھاٹ اتار

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

دوں لیکن میں نے بڑی مشکل سے اپنی اس خواہش پر قابو پالیا۔ یہ وقت جوش وجنون کے اظہار کا نہیں ہوش سے کام لینے کا تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ میں جوش میں سامنے آ کر فائرنگ کرتے ہوئے ایک آدھ پولیس والے کو موت کی نیند سلا دیتا مگر میرا اپنا حشر رتنا سے بھی زیادہ برا ہوتا۔ وقت کا تقاضا یہ تھا کہ میں ہوش وحواس قائم رکھوں اور یہاں سے نکلنے کی کوشش کروں۔

میں نے سامنے دیکھا۔ سمترا دوسرے پتھر سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ اس کا چہرہ ڈھلے ہوئے لٹھے کی طرح سفید ہورہا تھا۔ میں نے اسے بے حرکت رہنے کا اشارہ کیا اور بہت محتاط انداز میں پتھر کی آڑ سے جھانک کر دیکھنے لگا۔ سامنے کوئی نظر نہیں آیا۔ ظاہر ہے پولیس والے بھی پتھروں کے پیچھے پوزیشن لئے بیٹھے ہوں گے۔

میرے پستول میں دو تین گولیاں ہی باقی رہ گئی تھیں اور میں انہیں بہت زیادہ سنگین صورت حال کے لئے استعمال کرنا چاہتا تھا۔

میں نے رتنا کی لاش اور اس کے بازو کے نیچے دبے ہوئے سوٹ کیس کا جائزہ لیا اور پتھر کے دوسرے کنارے کی طرف آ گیا۔ یہاں میں نے جھک کر تیتس کی گیند کے برابر ایک پتھر اٹھایا چند لمحے اسے ہاتھ میں تولتا رہا پھر اسے پوری قوت سے مخالف سمت میں اچھال دیا۔

پتھر کے گرنے کی آواز سے پہلے یہ فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونج اٹھی۔ میں نے پلٹ کر دوسری طرف دوڑ لگادی۔ رتنا کی لاش کے قریب جھکتے ہوئے میں نے سوٹ کیس کے ہینڈل پر ہاتھ ڈال دیا اور رکے بغیر دوڑتا چلا گیا۔ سوٹ کیس میرے ہاتھ میں آ گیا تھا۔

ابھی میں سمترا والے پتھر سے چند فٹ دور ہی تھا کہ فائرنگ کا رخ میری طرف ہوگیا۔ کئی گولیاں میرے آس پاس سے گزریں۔ ایک گولی سوٹ کیس پر لگی۔ میرے ہاتھ کو زوردار جھٹکا لگا مگر سوٹ کیس میرے ہاتھ میں ہی رہا۔

دوسرے پتھر کے پیچھے پہنچ کر میں نے اپنا پستول والا ہاتھ سمترا کے ہاتھ میں دے دیا اور رکے بغیر اسے ساتھ لئے دوڑتا رہا۔ آگے بے شمار بڑے بڑے پتھر پھیلے ہوئے تھے۔ ہم ان کے گرد چکراتے ہوئے دوڑتے رہے۔ فائرنگ اسی طرف ہورہی تھی جہاں رتنا کی لاش پڑی تھی۔ پولیس والے شاید یہی سمجھ رہے تھے کہ ہم دوسرے پتھر کے پیچھے پناہ لئے کھڑے ہیں۔

ہم پتھروں کے پیچھے دوڑتے رہے۔ سمترا بری طرح ہانپ رہی تھی لیکن میں نے اسے رکنے نہیں دیا۔ اس طرح ہم اس جگہ سے تقریباً نصف میل دور نکل گئے اور پھر شاید پولیس والوں کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ وہ بھی پہاڑی کی طرف بڑھنے لگے۔ ان کے زور زور سے چیخنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اس پرتی کا انچارج چیخ چیخ کر احکامات جاری کررہا تھا۔ ہر طرف بھاری جوتوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

یہ بات ہمارے لئے خوش آئند تھی کہ پولیس والے سیدھے پہاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے جبکہ ہمارے دائیں طرف بنتے ہوئے نشیب کی طرف جارہے تھے۔ کسی جگہ رکنا خودکشی کے مترادف تھا لیکن سمترا اب بار بار گر رہی تھی۔ میں نے اطراف کا جائزہ لیا اور ایک پتھر کے قریب رک گیا۔ سمترا بے دم

سی ہوکر زمین پر گر گئی۔ اس کے منہ سے کف بہہ رہا تھا اور سانس جیسے قابو میں نہیں رہا تھا۔

وہ زمین پر نڈھال سی پڑی رہی۔ میں نے سوٹ کیس اس کے قریب رکھ دیا اور گہرے گہرے سانس لیتا ہوا اطراف میں دیکھنے لگا۔ پولیس والوں کی آوازیں اب پہاڑی کی طرف دور ہوتی جارہی تھیں۔ پہاڑی کی طرف کبھی اکا دکا فائر کی آواز بھی گونج اٹھتی۔

پانچ منٹ گزر گئے۔ میں نے سوٹ کیس اٹھالیا۔ اس کے نچلے کونے کے قریب گولی لگی تھی جس سے اس جگہ سوراخ ہوگیا تھا۔ میں نے دوسرا ہاتھ سمترا کی طرف بڑھادیا۔ اس نے عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا اور کچھ کہے بغیر میرا ہاتھ پکڑ کر اٹھ گئی۔

ہم ایک بار پھر پتھروں کے جنگل کی پناہ میں چل پڑے۔ سمترا کی حالت اس وقت کافی بہتر تھی۔ ہم پہاڑی کے ساتھ ساتھ مسلسل ڈھلان کی طرف جارہے تھے۔ ہمارے اور پولیس والوں کے درمیان بہت فاصلہ بڑھ گیا تھا۔

اور پھر میں ٹھٹک کر رک گیا۔ میرا خیال تھا کہ ہم پہاڑی کے ساتھ ساتھ کسی اور طرف نکل آئے ہوں گے لیکن پتھروں کے جنگل سے نکل کر پہاڑی کے دامن سے تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر کھیت دیکھ کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ پہاڑی اور کھیتوں کے درمیان خاردار اونچی جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ میں نے آخری پتھر کی آڑ سے جھانک کر دیکھا۔ بائیں طرف بہت دور کھیتوں میں پولیس کی گاڑی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے پیچھے وہ پک اپ بھی کھڑی تھی۔ لیکن آس پاس کوئی آدمی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ جس کا مطلب تھا کہ پک اپ پر آنے والے روپ سیہائے کے آدمی بھی ہماری تلاش میں پہاڑی کی طرف جاچکے تھے۔

''پہاڑی کی طرف جانا اب ہمارے لئے ممکن نہیں۔'' میں نے سمترا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ہم اتفاق سے کھیتوں کی طرف نکل آئے ہیں اور میرا خیال ہے کہ یہ کھیت ہمارے لئے بہترین پناہ گاہ ثابت ہوسکتے ہیں۔''

''اگر وہ ہمیں تلاش کرتے ہوئے اس طرف آ گئے تو؟'' سمترا نے رک رک کر کہا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔

''وہ ہمیں پہاڑی کی طرف ہی تلاش کریں گے۔ یہ تو وہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ ہم دوبارہ کھیتوں کی طرف آ گئے ہوں گے۔'' میں نے کہا۔

''لیکن وہ سامنے پولیس کی گاڑی کھڑی ہے۔ وہاں کوئی نہ کوئی موجود ہوگا اگر ہمیں دیکھ لیا گیا تو؟'' سمترا بولی۔

''وہ گاڑی بہت دور ہے۔ آس پاس کوئی بھی دکھائی نہیں دے رہا۔ میرا خیال ہے کہ پک اپ پر آنے والے روپ سیہائے کے کارندے بھی ہماری تلاش میں پہاڑی کی طرف جاچکے ہیں۔ ویسے ہم ان جھاڑیوں کی آڑ لے کر چلیں تو ہمیں دیکھ لیے جانے کا امکان نہیں ہوگا۔''

''تو چلو۔'' سمترا نے آمادگی ظاہر کردی۔

میں نے ایک بار پھر محتاط انداز میں پولیس کی گاڑی کی طرف دیکھا اور سمترا کو اشارہ کیا۔ ہم

www.pdfbooksfree.pk

دونوں پتھر کی آڑ سے نکل کر جھاڑیوں میں جھک کر چلنے لگے۔

سمترا نے بھی ساڑھی پہن رکھی تھی اور مجھے حیرت تھی کہ وہ اب تک ساڑھی کو کیسے سنبھالے ہوئے تھی۔ اب اس کی ساڑھی بار بار جھاڑیوں میں الجھ رہی تھی۔ پچاس گز کا فاصلہ سمترا کے لئے قیامت بن گیا لیکن وہ کسی نہ کسی طرح ساڑھی کو سنبھالے رہی۔

یہ باجرے کی فصل تھی جو ہمارے قد سے اونچی تھی۔ کھیت میں پہنچ کر ہم نے اطمینان کا سانس لیا۔ سمترا کی ساڑھی جھاڑیوں میں الجھ کر کئی جگہوں سے پھٹ گئی تھی۔ کانٹے دار جھاڑیوں کی کئی شاخیں اب بھی الجھی ہوئی تھیں جنہیں چھڑانے میں، میں اس کی مدد کرنے لگا۔

ہمیں وہاں دس منٹ لگ گئے اور پھر ہم بہت محتاط انداز میں اس کھیت میں آگے چلنے لگے۔ اب ہمیں دیکھ لئے جانے کا امکان نہیں تھا۔ پودوں کی حرکت ہماری نشاندہی کر سکتی تھی۔ اس لئے ہم اس طرح چل رہے تھے کہ اوپر سے پودے کم سے کم حرکت کریں۔

ہم کھیتوں میں چلتے رہے۔ اس دوران پہاڑیوں کی طرف سے ایک آدھ مرتبہ فائرنگ کی آواز سنائی دی تھی لیکن یہ آوازیں مدھم تھیں جس کا مطلب تھا کہ ہم وہاں سے بہت دور نکل چکے تھے۔

آسمان پر بادلوں کے پرے کے پرے جم رہے تھے۔ دھوپ کا نام و نشان نہیں تھا لیکن کھیتوں میں حبس کی سی کیفیت تھی۔ میری شرٹ پسینے سے تر ہو چکی تھی۔ گردن پر بھی کیچوے سے رینگتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ سمترا کی حالت مجھ سے زیادہ ابتر تھی۔ اس کی ساڑھی کا پلو پیچھے لٹکا ہوا پودوں میں اٹکتا ہوا آ رہا تھا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں وحشت سی بھری ہوئی تھی۔ گردن اور گلے پر بہنے والے پسینے کی دھاریں سینے کے گداز ابھاروں پر رینگتی ہوئی بلاؤز کو تر کر رہی تھیں۔ مسلسل چلتے رہنے سے وہ کچھ نڈھال سی ہو گئی تھی۔ اس نے کئی مرتبہ رکنے کو کہا تھا۔ مگر کسی کھیت کے عین بیچ میں رکنا حماقت کے سوا کچھ نہ ہوتا۔ پودوں میں لاکھوں قسم کے حشرات الارض تھے جو ہمارا حشر بگاڑ دیتے۔ مجھے ایسی جگہ کی تلاش تھی جہاں ہم سکون سے کچھ دیر بیٹھ سکیں۔

مسلسل ایک گھنٹہ چلتے رہنے کے بعد آخر کار مجھے اپنی پسند کی جگہ نظر آ گئی۔ ہم جس کھیت میں اس وقت چل رہے تھے اس کے اختتام پر ایک ندی بہہ رہی تھی جس کا پاٹ چار فٹ سے زیادہ نہیں تھا اور گہرائی بھی ایک ڈیڑھ فٹ سے زیادہ نہیں تھی۔ اس ندی کے دوسری طرف نیم کے چار پانچ درختوں کا ایک جھنڈ سا تھا۔ اس جھنڈ کے آس پاس تقریباً ایک کھیت کی جگہ خالی تھی اور اس سے آگے مرچوں کے کھیت تھے۔

مرچوں کے پودے زیادہ اونچے نہیں تھے۔ ان میں چھپنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے میں نے نیم کے درختوں کے اس جھنڈ میں رکنے کا فیصلہ کر لیا۔

کھیت سے نکل کر میں نے محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا اور سمترا کو لے کر باہر آ گیا۔ سمترا ندی کے کنارے گر سی گئی۔ چند لمحے وہ گہرے گہرے سانس لیتی رہی پھر چلو بھر بھر کر پانی پینے لگی۔ میں نے بھی سوٹ کیس زمین پر رکھ کر دوسرے ہاتھ میں پکڑا ہوا پستول اس کے اوپر رکھ دیا اور پانی پینے لگا۔ پانی اگرچہ گدلا تھا۔ ہر گھونٹ کے ساتھ مٹی ہمارے پیٹ میں جا رہی تھی مگر اس سے ہماری پیاس بھی بجھ رہی

aazzamm@yahoo.com

تھی۔

ہم نے شکم سیر ہو کر پانی پیا۔ پھر میں نے اٹھ کر سوٹ کیس اٹھا لیا۔ پستول کو جیب میں ڈالا اور سمترا کا ہاتھ پکڑ کر ندی میں اتر گیا۔ سمترا نے ساڑھی اور پیٹی کوٹ دوسرے ہاتھ سے اوپر اٹھا لیا تھا۔

ندی کے دوسرے کنارے پر پہنچ کر بھی اس نے پیٹی کوٹ کو پکڑے رکھا۔ میری نظریں غیر ارادی طور پر اس کی طرف اٹھ گئیں۔ گھٹنوں سے ذرا اوپر تک اس کی ٹانگیں برہنہ ہو رہی تھیں۔ میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اور جسم پر چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ سمترا نے میری اس کیفیت کو بھانپ کر پیٹی کوٹ چھوڑ دیا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی خفیف سی مسکراہٹ آ گئی تھی۔

ہم نیم کے درختوں کے جھنڈ کی طرف آ گئے۔ چاروں طرف گھاس کی طرح ملائم پتیوں والی جھاڑیاں تھیں جو دو فٹ سے زیادہ بلند نہیں تھیں۔ ان جھاڑیوں میں سے گزرتے ہوئے ہم جیسے ہی جھنڈ میں داخل ہوئے میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔

گنجان پتیوں والے چار پانچ درخت تھے جو ایک گول دائرے کی شکل میں اگے ہوئے تھے۔ ان کی گنجان شاخیں اطراف میں بھی اور اوپر سے آپس میں اس طرح ملی ہوئی تھیں کہ جھنڈ کے اندر ایک کشادہ کمرا سا بن گیا تھا۔ اس پورے کمرے میں چھ سات انچ اونچا مٹی کا چبوترہ سا بنا ہوا تھا جس پر گوبر کی لپائی کی ہوئی تھی اور کھجور کے پتوں کی ایک چٹائی بچھی ہوئی تھی۔ جس پر خشک پتے اور نمکولیاں بکھری ہوئی تھیں۔

ایک درخت کی شاخ سے ایک لالٹین بھی ٹنگی ہوئی تھی۔ اس کے قریب ہی شاخوں پر گھی یا تیل کا ایک ڈبہ بھی پھنسا ہوا تھا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ نیم کے یہ پودے باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت اس طرح لگائے گئے تھے کہ جب یہ بڑے ہوئے تو ان کی گنجان شاخوں نے مل کر اندر کی طرف ایک کمرہ بنا دیا تھا۔ فرش پر بچھی ہوئی چٹائی اور درخت کی شاخ سے ٹنگی ہوئی لالٹین دیکھ کر ہی میں سمجھ گیا کہ یہ جگہ کسی کی رہائش کے لئے استعمال ہوتی رہتی ہے لیکن چٹائی پر بکھرے ہوئے خشک پتے اور نمکولیاں دیکھ کر یہ اندازہ بھی لگایا جا سکتا تھا کہ کئی روز سے کسی نے اس طرف کا رخ نہیں کیا۔

ہم دونوں نے معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ سمترا کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی تھی لیکن دوسرے ہی لمحہ اس کی آنکھوں میں تشویش ابھر آئی۔

''یہ سب کچھ دیکھ کر لگتا ہے یہاں کوئی رہتا بھی ہے۔'' وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''اگر کوئی اس طرف آ گیا تو.....؟''

''فی الحال کسی کے آنے کی امید نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''یہ چٹائی دیکھ رہی ہو۔ خشک پتوں اور نمکولیوں سے بھری پڑی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ کئی روز سے یہاں کوئی نہیں آیا۔'' میں نے خاموش ہو کر ادھر ادھر دیکھا پھر بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ فصل پکنے کے دنوں میں کھیتوں کی حفاظت کے لئے کوئی یہاں رہتا ہوگا ممکن ہے بیچ میں بھی کبھار کوئی یہاں آ جاتا ہو، لیکن فی الحال کسی کے آنے کا امکان نہیں ہے۔''

''وہ دیکھو۔ وہ کیا ٹنگا ہوا ہے شاخوں میں۔'' سمترا نے ایک طرف اشارہ کیا۔

میں نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا۔ ایک درخت کی شاخوں میں کوئی بڑا سا کپڑا پھنسا ہوا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

میں نے ہاتھ بڑھا کر اسے کھینچ لیا۔ وہ ایک بہت میلا سا تکیہ تھا جس میں اگرچہ روئی بہت کم تھی مگر تکیے کا کام دے سکتا تھا۔

میں نے وہ تکیہ جھاڑ کر سمترا کے حوالے کر دیا اور چٹائی اٹھا کر جھاڑنے لگا۔

''لو بھئی۔ اب ہم یہاں آرام کر سکتے ہیں۔'' میں نے چٹائی بچھا دی۔

سمترا نے تکیہ چٹائی پر ایک طرف رکھ دیا اور نورا ہی آڑھی ترچھی ہو کر لیٹ گئی۔ تکیے کو دوہرا کر کے اس نے سر کے نیچے رکھ لیا۔ میں سوٹ کیس سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گیا۔

کھیتوں میں بے پناہ حبس تھا جس سے ہر لمحہ ہمیں اپنا سانس گھٹتا ہوا محسوس ہوتا رہا تھا مگر یہاں نیم کے درختوں کے نیچے کسی قدر ٹھنڈک تھی۔ ہم دونوں کچھ دیر تک خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے پھر سمترا ہی نے سکوت توڑتے ہوئے کہا۔

''اگر وہ لوگ ہماری تلاش میں اس طرف آ گئے تو کیا ہوگا۔'' اس کے لہجے میں خوف کی جھلک نمایاں تھی۔

''اس کا امکان نہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''وہ لوگ ہمیں پہاڑیوں کی طرف تلاش کر رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے ہماری تلاش میں پہاڑیوں کے دوسری طرف تو نکل جائیں مگر اس طرف آنے کی توقع نہیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ ہم جس طرف سے بھاگے ہیں دوبارہ اس طرف بھی آ سکتے ہیں۔''

''لیکن ہم کب تک یہاں چھپے رہیں گے؟'' سمترا نے دوسرا سوال کیا۔

''کم از کم آج کا دن۔'' میں نے کہا۔ ''آج کا دن تو ہماری تلاش جاری رہے گی۔ ہوسکتا ہے کہ پہاڑیوں میں اور ان کے دوسری طرف مین ہنٹ کے لئے مزید فورس طلب کر لی جائے لیکن شام کے بعد ان کی تلاش کا یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا اور اس کے بعد ہی ہم یہاں سے نکلنے کی سوچیں گے۔''

''بے چاری رتنا۔'' سمترا نے اچانک ہی موضوع بدل دیا۔ اس کے لہجے میں بے پناہ کرب تھا۔ ''مجھے اس کی موت کا بے حد دکھ ہے۔ میں اس خوف ناک منظر کو مدتوں نہیں بھلا سکوں گی۔''

''رتنا کی موت کا دکھ مجھے بھی ہے لیکن غلطی اس کی تھی۔'' میں نے افسردہ سے لہجے میں جواب دیا۔ ''اگر وہ سوٹ کیس کے لئے واپس نہ مڑتی تو اس وقت ہمارے ساتھ بیٹھی ہوتی لیکن۔'' میں نے ایک گہرا سانس لیا۔ ''لیکن شاید قصور اس کا بھی نہیں۔ یہی سوٹ کیس اس کا زندگی بھر کا سرمایہ تھا جسے وہ اپنے سے جدا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اور یہی دولت اس کی اندوہناک موت کا باعث بن گئی۔'' میں ایک بار پھر خاموش ہو گیا۔ چند لمحے گہرے گہرے سانس لیتا رہا پھر بولا۔ ''رتنا مجھے زندگی کے آخری لمحوں تک یاد رہے گی۔ اس نے میرا بہت ساتھ دیا۔ قدم قدم پر موت سے پنجہ آزمائی کی۔ اگر وہ میرا ساتھ نہ دیتی تو میں اس وقت تمہارے ساتھ نہ بیٹھا ہوتا بلکہ ماؤنٹ آبو ہی میں کہیں مارا گیا ہوتا۔ اس کی وجہ سے بھی میرا حوصلہ بہت بلند رہا۔ وہ میری ڈھال بنی رہی اور آخر کار اس نے میری خاطر جان دے دی۔ میں اسے کبھی نہیں بھول سکوں گا۔''

''ہاں..... وہ مجھے بھی ہمیشہ یاد رہے گی۔'' سمترا نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

ہم دیر تک رتنا کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ رتنا کے ذکر سے فضا سوگوار ہو گئی اور پھر

میں نے بھی موضوع بدل دیا۔

کچھ دیر بعد میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور سوٹ کیس کا جائزہ لینے لگا سوٹ کیس کے نیچے کی طرف دائیں کونے کے پاس گولی لگی تھی۔ میرا خیال تھا کہ اس جگہ کرنسی نوٹ ہوئے تو گولی لگنے سے ضائع ہو گئے ہوں گے۔

سوٹ کیس مقفل تھا اور اس کی چابی رتنا ہی کے پاس تھی۔ لیکن تھوڑی سی کوشش کے بعد میں سوٹ کیس کے دونوں تالے کھولنے میں کامیاب ہو گیا۔ کرنسی نوٹ محفوظ رہے تھے۔ اس طرف کچھ زیور وغیرہ تھے جنہیں گولی سے کچھ نقصان پہنچا تھا۔

بے چاری رتنا تو ان سے فائدہ نہ اٹھا سکی۔ اب یہ ہمارے کام آئیں گے۔'' میں نے سوٹ کیس بند کرتے ہوئے کہا۔

''اور میری تو ساری محنت ضائع ہو گئی۔'' سمترا نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

میں اس کا مطلب سمجھ گیا۔ وہ ماؤنٹ آبو میں پنڈت بھیرو کے بنگلے سے دو سوٹ کیسوں میں دولت بھر کر لائی تھی۔ اس میں کرنسی نوٹوں کے بنڈل بھی تھے اور طلائی زیورات اور سونے کی مورتیاں بھی۔ پہاڑی کے قریب کھیتوں کے آخری سرے پر پولیس مقابلے کے دوران ایک گولی لینڈ کروزر کے فیول ٹینک میں لگی تھی جس سے لینڈ کروزر آگ کے بہت بڑے گولے کی طرح اچھل کر پھٹ گئی تھی اور اس میں موجود دونوں سوٹ کیسوں میں بھرے ہوئے کرنسی نوٹ، طلائی زیورات اور سونے کی مورتیاں بھی آگ کے شعلوں کی طرح بکھر گئی تھیں اور اس طرح سمترا اپنی زندگی بھر کی پونجی سے محروم ہو گئی تھی۔

میں نے سوٹ کیس پہلے کی طرح تکیہ بنا کر رکھا اور اس سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ میرا رخ سمترا کی طرف تھا۔ سمترا بھی میری طرف کروٹ لئے لیٹی ہوئی تھی۔ ساڑھی چٹائی پر پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے بالائی بدن پر صرف مختصر سا بلاؤز تھا۔ اس کا کسا ہوا بدن بلاؤز کی قید سے آزاد ہونے کو بے چین ہو رہا تھا۔

میں ماؤنٹ آبو میں اکال شوالی مندر سے ملحق پنڈت بھیرو کے بنگلے میں ڈھائی تین مہینے رہا تھا پنڈت بھیرو نے اپنی دو داسیاں میری سیوا کے لئے مجھے دے دی تھیں۔ شیلپا میرے زیادہ قریب ہو گئی تھی اور میں اس کے حسن و شباب سے لطف اندوز ہوتا رہا تھا مگر سمترا پر ہاتھ صاف کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ مندر کی تباہی کے بعد پنڈت بھیرو کے دوسرے بنگلے میں بھی کئی روز تک ہم ساتھ رہے تھے لیکن رتنا ہمارے ساتھ تھی اور سمترا کے بارے میں خواہش ہونے کے باوجود میں پیاسا ہی رہا تھا اور پھر میں رتنا کو لے کر ماؤنٹ آبو سے نکل گیا۔

چند روز پہلے محض اتفاق سے کوٹ پتلی میں سمترا سے ملاقات ہو گئی۔ روپ سہانے والے بنگلے پر رہائش کے دوران ایک روز مجھے سمترا کے ساتھ دوسرے بنگلے میں جانے کا موقع ملا تو وہاں میری وہ خواہش بھی پوری ہو گئی لیکن میری پیاس نہیں بجھی تھی۔ رتنا کی وجہ سے میں سمترا پر زیادہ توجہ نہیں دے سکا تھا اور اب رتنا ہمارے درمیان نہیں تھی لیکن اس کی یاد نے میرے ذہن پر سوگواری سی طاری کر رکھی تھی۔ اس لئے بھی میں ایسی کوئی حرکت نہیں کرنا چاہتا تھا جس سے سمترا کو بھی کوئی بات کرنے کا موقع ملتا۔

باتیں کرتے ہوئے کئی مرتبہ میری اور سمترا کی نظریں چار ہوئی تھیں۔ میں اس کی نظروں کا پیغام

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

پڑھ سکتا تھا لیکن جان بوجھ کر اسے نظر انداز کرتا رہا۔ سمترا بھی شاید میرے موڈ کو سمجھ گئی تھی اس نے اشارے بازی ترک کر دی۔

ہم ایک دوسرے کے قریب لیٹے سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے اور پھر سمترا کی آنکھیں بند ہونے لگیں وہ بھاگ دوڑ کرتے ہوئے بری طرح تھک گئی تھی اور اب نیند اس پر غالب آ رہی تھی۔ میں نے دوسری طرف کروٹ بدل لی اور اب تک کی صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد سوچنے لگا کہ ہم اس جہنم سے کس طرح نکل سکیں گے۔ میں نے اگرچہ سمترا کو تسلی دے دی تھی اس طرف کسی کے آنے کا خطرہ نہیں ہے لیکن اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اگر پولیس کو شبہ ہو گیا کہ ہم پہاڑیوں کے دوسری طرف جانے کے بجائے کھیتوں میں واپس آ گئے ہیں تو اس طرف بھی ہماری تلاش شروع ہو جائے گی۔ کھیتوں میں ہمیں تلاش کر لینا آسان کام نہیں تھا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ ہم کب تک بھوکے پیاسے یہاں چھپے رہ سکتے تھے۔

میرے اندازے کے مطابق ابھی دن کے گیارہ بجے تھے پورا دن باقی تھا۔ دن کی روشنی میں ہم کھیتوں سے نہیں نکل سکتے تھے ممکن ہے یہ رات بھی ہمیں کھیتوں ہی میں گزارنی پڑے اور اگر یہاں سے نکلتے ہی پولیس سے آمنا سامنا ہو گیا تو ہم کیا کر سکیں گے۔ ہمارے پاس اب صرف ایک پستول رہ گیا تھا جس میں دو تین گولیاں بچی تھیں۔ دوسرا پستول رتنا کے پاس تھا جو اس کی لاش کے قریب ہی پڑا رہ گیا تھا۔

میرا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ یہ سب کچھ سوچتے ہوئے الجھنیں کچھ اور گھمبیر ہونے لگیں۔ میں نے تمام خیالات ذہن سے نکال دیئے اور خالی الذہنی کی کیفیت میں آنکھیں بند کر لیں۔

پچھلی رات بھی میں نے جاگ کر گزاری تھی۔ صبح سات بجے کے قریب ہم روپ سہائے کی حویلی سے نکلے تھے اور اس کے بعد کی بھاگ دوڑ نے مجھے بھی بری طرح تھکا دیا تھا۔ آنکھیں بند کرتے ہی نیند نے حملہ کر دیا۔ میں نے آنکھیں کھول دیں مگر نیند مجھے پچھاڑنے پر تلی ہوئی تھی اور آخر کار ایک طویل جدوجہد کے بعد میرے اعصاب جواب دے گئے اور نیند سے شکست کھا گیا۔

میں پتا نہیں کتنی دیر سویا تھا کہ سینے پر بوجھ محسوس کر کے میری آنکھ کھل گئی۔ سمترا میرے اوپر لدی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ میرے چہرے کے بالکل قریب تھا اور اس کے گرم گرم سانس میرے گال سے ٹکرا رہے تھے۔ میں نے پوری طرح آنکھیں کھول دیں اور تب اس وحشت ناک حقیقت کا انکشاف ہوا کہ سمترا کے جسم پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔

آسمان پر اس وقت بھی گہرے بادل تھے اور درختوں کے اس جھنڈ پر گہرا سا اندھیرا تھا۔ میں سمترا کی اس جرات پر حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ دن کا وقت تھا اور ہم اس وقت ایسی جگہ پر تھے جہاں کسی بھی وقت کوئی کاشتکار آ سکتا تھا۔ کہاں تو سمترا اس قدر خوف زدہ تھی اور کہاں وہ اس قدر بے باک ہو گئی تھی کہ ہر خوف کو ذہن سے نکال کر شیطانی خواہش کی تکمیل میں جت گئی تھی۔

اور پھر میں نے بھی سارے خوف ذہن سے نکال دیئے۔ مجھے بھی اپنا ہوش نہیں رہا۔ چند منٹ بعد ہم دونوں بے سدھ پڑے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے اور پھر ایک مانوس سی آواز سن کر میں چونک گیا۔ میں نے اٹھ کر جھنڈ سے باہر دیکھا۔ بارش کی موٹی موٹی بوندیں گر رہی تھیں۔ وہ آواز درختوں کے پتوں پر بارش کی بوندوں کے گرنے کی تھی۔

میری آنکھوں میں تشویش لہرا گئی۔ جب سے آسمان پر بادلوں کے پرے جمنا شروع ہوئے تھے مجھے یہی اندیشہ تھا کہ اگر بارش شروع ہو گئی تو کیا ہوگا۔

میں نے مڑ کر دیکھا تو سمترا بھی گھٹنے اور دونوں ہاتھ زمین پر ٹکائے باہر دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر بھی تشویش کے تاثرات صاف نظر آ رہے تھے۔

''اب کیا ہوگا؟'' وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بکری کی طرح ممیائی۔

''میں اپنے خدا سے دعا کرتا ہوں اور تم اپنے بھگوان سے پرارتھنا کرو کہ بارش رک جائے۔'' میں نے کہا۔ ''اگر بارش ہلکی رہی تو ان درختوں کی گنجان شاخوں اور پتوں کی وجہ سے کچھ بچت ہو سکتی ہے۔ مزید بچاؤ کے لئے ہم یہ چٹائی اپنے اوپر ڈال لیں گے۔''

سمترا سمٹ کر پیچھے ہٹ گئی۔ میں چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر درختوں کے جھنڈ سے نکل کر ندی میں اتر گیا۔ گہرے بادلوں اور بونداباندی کی وجہ سے موسم میں خاصی خنکی آ گئی تھی۔ میں چند غوطے لگانے کے بعد ندی سے نکل آیا اور جھنڈ میں آ کر کپڑے پہن لئے۔ سمترا بھی اس دوران اپنے کپڑے پہن چکی تھی۔ اس نے سردی سے بچنے کے لئے ساڑھی کو اپنے جسم پر اچھی طرح لپیٹ لیا تھا۔

میں دل ہی دل میں بارش تھم جانے کی دعائیں مانگتا رہا اور مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ خدا نے اپنے اس گناہ گار بندے کی دعا قبول کر لی۔ آسمان سے پانی کی بوندیں گرنا بند ہو گئیں۔ بے شک میرا اللہ بڑا رحیم و کریم ہے۔ گناہ گاروں کی بھی سنتا ہے۔

آسمان پر گہرے بادلوں کی وجہ سے فضا میں اندھیرا سا ہو رہا تھا۔ مجھے وقت کا اندازہ نہیں تھا لیکن یہ بات ضرور کہہ سکتا تھا کہ دن کے گیارہ بجے میں نیند کی وادی میں اترا تھا اور کافی دیر سویا تھا۔ کیونکہ آنکھ کھلنے کے بعد میرے دماغ پر نیند کا خمار نہیں تھا جس کا مطلب تھا کہ کئی گھنٹے سویا تھا جس سے میری نیند پوری ہو چکی تھی اور میرے خیال میں اب شام ہونے کے قریب تھی۔

اس خیال سے ہی مجھ پر ہول سا طاری ہو رہا تھا کہ اگر رات کو کسی وقت پھر بارش شروع ہو گئی تو ہم اپنا بچاؤ کیسے کریں گے۔ میرے ذہن میں ایک خیال یہ بھی تھا کہ ابھی دن کی روشنی باقی تھی، رات کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے پہلے ہمیں کوئی مناسب پناہ گاہ تلاش کر لینی چاہئے تھی لیکن اس خیال کو میں نے ذہن سے جھٹک دیا۔ پناہ ہمیں کسی بستی ہی میں مل سکتی تھی اور ظاہر ہے ہم کسی بستی کا رخ نہیں کر سکتے تھے۔

سمترا کافی دیر خاموش بیٹھی رہی اور جب اس نے زبان کھولی تو اس قسم کے خدشات کا اظہار کیا۔

''فی الحال تو یہی جگہ ہمارے لئے غنیمت ہے۔'' میں نے کہا۔ ''کسی بستی کا رخ کر کے خطرات مول لینے سے بہتر ہے کہ ہم رات اسی پناہ گاہ میں گزار دیں۔ اس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی چارہ نہیں ہے۔''

سمترا گہرا سانس لے کر رہ گئی۔ ہم دونوں خاموش بیٹھے ایک دوسرے کی طرف تکتے رہے اور پھر اندھیرا گہرا ہوتا چلا گیا۔

''میں نے شاخوں میں پھنسے ہوئے اس ڈبے میں ماچس رکھی ہوئی دیکھی تھی۔'' سمترا نے کہا۔ ''لالٹین جلا دو۔ اندھیرے میں وحشت سی ہو رہی ہے۔''

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

"لالٹین کی روشنی یہاں ہماری موجودگی کی نشاندہی کر دے گی۔" میں نے جواب دیا۔ "اندھیرے میں ہم زیادہ محفوظ ہیں۔"

سمترا گہرا سانس لے کر رہ گئی۔ میں بھی خاموش بیٹھا تاریکی میں گھورتا رہا۔ تاریکی اس قدر گہری ہوگئی تھی کہ مجھے اپنے قریب بیٹھی ہوئی سمترا بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ گھورانـدھیرے میں حشرات الارض کی آوازیں واقعی وحشت سی طاری کر رہی تھیں۔

کھیتوں میں کہیں کسی بھیڑیے کے رونے کی آواز سنائی دی اور سمترا اچھل کر میرے ساتھ لپٹ گئی۔

"مم...... مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" وہ ہکلائی۔ اس کی آواز میں خوف نمایاں تھا۔

"ڈرنے کی کیا بات ہے۔ آس پاس کوئی نہیں ہے۔ ہم لوگ یہاں پر محفوظ ہیں۔" میں نے اسے تسلی دی اور بازو اس کی کمر پر لپیٹ دیا۔

سمترا میرے ساتھ کچھ اور جڑ گئی۔ میں اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا مگر کامیاب نہ ہو سکا اور ہم دونوں اس سیلاب میں بہتے رہے۔ رات کے تاریک لمحات دھیرے دھیرے بیتتے رہے۔ بارش اگرچہ نہیں ہوئی مگر سردی بڑھ گئی تھی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے جسم کی حرارت جذب کر کے سردی سے بچنے کی کوشش کرتے رہے۔

تھوڑی تھوڑی دیر بعد ہمارے اطراف میں بھیڑیوں کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ سمترا میری آغوش میں سر رکھے زیادہ تر سوئی رہی تھی آنکھ کھلتی تو بھیڑیوں کی خوفناک آواز سن کر سہم جاتی۔

خدا خدا کر کے رات اپنے اختتام کے قریب پہنچنے لگی اور پھر وہ آوازیں سن کر میں اچھل پڑا۔ وہ دو آدمی تھے جو زور زور سے باتیں کر رہے تھے۔ زبان راجستھانی تھی۔ میں پوری توجہ سے وہ آوازیں سننے کی کوشش کرتا رہا۔ ان سے مجھے یہ اندازہ ہوا کہ وہ کاشت کار تھے۔

میں نے سمترا کا سر اپنے گھٹنے سے ہٹا کر آہستگی سے تکیے پر رکھ دیا اور اٹھ کر جھنڈ سے باہر آ گیا۔ میرے سامنے مرچوں کے کھیت تھے۔ دور دور تک کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ بائیں طرف اونچی فصلیں تھیں اور وہ آوازیں اس طرف سے آ رہی تھیں۔ میں کھیت میں گھس گیا اور محتاط انداز میں پودوں میں چلتا رہا۔

یہ کھیت خاصا بڑا تھا۔ اس کے دوسرے کنارے پر پہنچ کر میں رک گیا اور پھر میری آنکھوں میں چمک سی ابھری۔ اس کھیت سے آگے مویشیوں کے چارے کے تین چار کھیت تھے اور ان کے پرلی طرف جھونپڑا نما ایک مکان بنا ہوا تھا جس کے سامنے دو تین بکریاں بندھی ہوئی تھیں اور ان کے قریب ہی چھوٹے پہیوں والی ایک بیل گاڑی بھی کھڑی تھی لیکن کوئی بیل وغیرہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

دو آدمی کھیت میں بیٹھے چارہ کاٹ رہے تھے۔ پہلے تو میں یہی سمجھا کہ وہ اپنی بکریوں کے لئے چارہ کاٹ رہے ہیں لیکن کٹے ہوئے چارے کی چھوٹی چھوٹی ڈھیریاں دیکھ کر مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ چارہ منڈی لے جائیں گے۔

مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ ان کا جھونپڑا ہم سے صرف ایک کھیت کے فاصلے پر تھا اور ہم رات بھر

نیم کے درختوں کے جھنڈ میں پڑے سردی سے ٹھٹھرتے رہے تھے۔ کل اگر ہمیں درختوں کا یہ جھنڈ نظر نہ آتا تو ہم اس مکان تک پہنچ چکے ہوتے۔

میں کبھی چارہ کاٹتے ہوئے ان کاشت کاروں کو دیکھتا اور کبھی اس جھونپڑا نما مکان کی طرف دیکھنے لگتا۔ اس مکان کے آس پاس کوئی فرد نظر نہیں آیا تھا۔ میں ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ آگے بڑھ کر ان کاشت کاروں سے رابطہ کرنا چاہئے یا نہیں۔

میں ابھی یہ سب کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ ایک نسوانی چیخ کی آواز سن کر چونک گیا۔ چیخ کی یہ آواز درختوں کے جھنڈ کی طرف سے آئی تھی اور ظاہر ہے چیخنے کی وہ آواز سمترا کے علاوہ اور کس کی ہو سکتی تھی۔

وہ دونوں کاشت کار بھی اپنا کام چھوڑ کر اس طرف دیکھنے لگے۔ اسی لمحے چیخنے کی آواز دوبارہ سنائی دی۔ وہ دونوں اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ دونوں کے ہاتھوں میں لمبی لمبی خم کھائی ہوئی درانتیاں تھیں۔

میں نے مڑ کر جھنڈ کی طرف دوڑ لگا دی۔ پودوں کو ادھر ادھر ہٹاتا ہوا تیزی سے دوڑتا رہا۔ میرے دل میں طرح طرح کے وسوسے ابھر رہے تھے۔ کیا پولیس اس طرف پہنچ گئی تھی؟ لیکن پھر یہ خیال ذہن سے جھٹک دیا اگر پولیس والے ہوتے تو اس قدر خاموشی نہ ہوتی فائرنگ سے علاقہ گونج اٹھا ہوتا۔ ہو سکتا ہے کوئی اور آدمی اس طرف نکل آیا ہو جس نے سمترا کو مال غنیمت سمجھ کر اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کی ہو۔

میں کھیت سے نکل کر نیم کے درختوں کے جھنڈ کے سامنے پہنچ گیا۔ جھنڈ کے اندر سے ایسی آوازیں سنائی دے رہی تھیں جیسے دو آدمی ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو رہے تھے۔ بلی جیسی غراہٹوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

پستول میرے ہاتھ میں تھا۔ میں جھاڑیاں پھلانگتا ہوا جھنڈ میں داخل ہو گیا اور پھر مجھے ذہنی طور پر بھی ایک زوردار جھٹکا لگا۔

وہ ایک لمبی تڑنگی عورت تھی جس نے سمترا کو دبوچ رکھا تھا۔ سمترا ویسے بھی دھان پان سی عورت تھی۔ اس عورت کے مقابلے میں تو وہ بہت کمتر لگ رہی تھی۔

اس عورت نے بھی راجستھانی لباس پہن رکھا تھا مگر دھینگا مشتی کی وجہ سے دونوں کے لباس بے ترتیب ہو رہے تھے اور وہ برہنہ ہو رہی تھیں۔

اس عورت نے سمترا کو بالوں سے جکڑ رکھا تھا جبکہ اس کے بال بھی سمترا کی گرفت میں تھے۔ ان دونوں کی ٹانگیں بھی ایک دوسرے میں الجھی ہوئی تھیں۔

"اے..... کون ہو تم۔ چھوڑ دو اسے۔" میں نے چیخ کر کہا اور سمترا کو اس کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔

کھیتوں کی طرف سے ان دونوں کسانوں کے شور مچانے کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ وہ بھی کسی لمحہ یہاں پہنچنے والے تھے۔

سمترا کے بالوں پر اس عورت کی گرفت مضبوط تھی۔ وہ زور زور سے جھٹکے بھی دے رہی تھی اور سمترا ہولے ہولے چیخ رہی تھی۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

یہ تو میں سمجھ گیا تھا کہ یہ عورت بھی ان کسانوں ہی کی ساتھی تھی۔ میں اس پر سختی نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ میں ان لوگوں سے کام لینا چاہتا تھا۔ اس لئے میں اس پر ہاتھ اٹھانے کی بجائے نرمی سے کام لیتے ہوئے سمترا کو اس سے الگ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سن کر میں جھنڈ سے باہر آ گیا۔ وہ دونوں کاشت کار کھیت سے نکل کر دوڑتے ہوئے اس طرف آ رہے تھے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں درانتیاں تھیں۔ ان میں سے ایک کسی عورت کا نام لے کر چیختے ہوئے کچھ کہہ رہا تھا۔

وہ جیسے ہی قریب پہنچے میں سامنے آ گیا اور پستول والا ہاتھ ان کی طرف اٹھا دیا۔ وہ دونوں ایک جھٹکے سے رک گئے۔ ان کے چہروں پر وحشت سی ابھر آئی تھی۔

''دیکھو۔'' میں نے باری باری ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''وہ یقیناً تمہاری عورت ہے وہ کسی غلط فہمی کی وجہ سے میری پتنی کو مار رہی ہے۔ اسے چھڑاؤ..... ہم بعد میں بات کریں گے۔''

''تم کون ہو بھایا۔'' ان میں سے ایک نے کہا۔

''ہم پردیسی ہیں۔ دوست سمجھو ہمیں۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن اگر دشمنی کرو گے تو گھاٹے میں رہو گے۔''

وہ دونوں چند لمحے میری طرف دیکھتے رہے پھر ان میں سے ایک دوڑتا ہوا جھنڈ میں گھس گیا اور سمترا کو اس عورت کے شکنجے سے چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کی چیختی ہوئی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ وہ لتا کا نام لے لے کر کچھ چیخ رہا تھا۔ مجھے پتا چل گیا کہ اس عورت کا نام لتا تھا۔

میں جھونپڑے میں داخل ہوا تو سمترا کو اس عورت سے نجات مل چکی تھی۔ وہ بے حد خوف زدہ تھی دھینگا مشتی میں اس کا بلاؤز بھی پھٹ گیا تھا۔ وہ دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی تھی۔ دوسرے آدمی نے لتا کو سنبھال لیا۔ وہ اب بھی چیخ رہی تھی۔ اس کا مرد اسے بڑی مشکل سے ٹھنڈا کر سکا تھا اور پھر یہ دلچسپ انکشاف ہوا کہ لتا گھومتی ہوئی اس طرف آ گئی تھی۔ اس نے جھنڈ میں ایک عورت کو سوتے ہوئے دیکھا تو اسے کندھے سے پکڑ کر جگانے لگی۔ سمترا گڑبڑا کر اٹھ گئی۔ وہ نجانے کیا سمجھی اس نے لتا کو زوردار تھپڑ رسید کر دیا اور پھر لتا نے بھی اس پر ہاتھ اٹھا دیا۔ اس طرح ان دونوں میں باقاعدہ جنگ چھڑ گئی۔

''تم کون ہو بھایا..... کہاں سے آئے ہو اور اس جگہ کیسے پہنچ گئے۔'' لتا کے پتی سنگرام نے پوچھا۔

''ہم پردیسی ہیں، کھتین سے کوٹ پتلی کی طرف جا رہے تھے۔ بھول کر کچے راستے پر نکل آئے مگر ہمیں ڈاکوؤں نے گھیر لیا۔ ہم بڑی مشکل سے جان بچا کر وہاں سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ رات کو ہم یہاں پہنچ گئے۔ رات ہم سردی میں ٹھٹھرتے رہے۔'' میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ''یقین کرو ہم اچھے لوگ ہیں۔ تمہارے دوست ہیں۔ اگر تم ہماری مدد کرو تو ہم تمہیں معقول معاوضہ دیں گے۔''

وہ لوگ ہمیں اپنے مکان میں لے آئے۔ سمترا سے دھینگا مشتی میں لتا کے کپڑے بھی پھٹ گئے تھے اس کا راجستھانی لباس ویسے بھی مختصر تھا۔ کپڑے پھٹ جانے سے اس کا بدن کچھ اور نمایاں ہو گیا۔ ہما

راستہ چلتے ہوئے کن انکھیوں سے بار بار اس کی طرف دیکھتا رہا۔

لتا کی عمر پینتیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ دراز قامت، گداز جسم اور رنگت اگرچہ کسی قدر سانولی تھی لیکن چہرے کے نقوش بڑے غضب کے تھے۔

مکان پر پہنچ کر لتا نے اپنے کپڑوں کا ایک جوڑا سمترا کو بھی دے دیا تھا۔ یہ کپڑے سمترا کے جسم پر اگرچہ خاصے ڈھیلے تھے لیکن پھٹے ہوئے بلاؤز اور ساڑھی سے تو نجات مل گئی تھی۔

انہوں نے سب سے پہلے ہمیں کھانا کھلایا اور پھر بکری کے دودھ کی چائے بنا کر دی۔ میں مختلف طریقوں سے اس سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا اور یہ بات میرے لئے اطمینان بخش ثابت ہوئی کہ وہ لوگ گزشتہ روز پولیس کی کارروائی کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔ دراصل وہ جگہ یہاں سے بہت دور تھی۔ گزشتہ روز انہوں نے فائرنگ کی ہلکی سی آوازیں تو سنی تھیں لیکن انہیں اس سلسلے میں زیادہ تجسس نہیں تھا کیونکہ اس علاقے میں ڈاکو وارداتیں کرتے رہتے تھے۔

وہاں قریب میں کوئی بستی بھی نہیں تھی اور یہ بات میرے لئے امید افزا تھی کہ یہاں کسی کی مداخلت کا اندیشہ نہیں تھا۔

سنگرام اور وجے دونوں بھائی تھے۔ لتا سنگرام کی پتنی تھی۔ بیز مین انہوں نے ٹھیکے پر لے رکھی تھی اور ان کی رہائش بھی اسی مکان میں تھی۔ سنگرام مویشیوں کا چارہ کاٹ کر کھتین کی منڈی میں لے جانے والا تھا۔

انہوں نے میری کہانی پر یقین کر لیا تھا۔ لتا اور سمترا میں بھی دوستی ہو گئی تھی۔ میں نے کچھ نوٹ سنگرام کے ہاتھ میں تھما دیئے تھے اور وہ خوش ہو گیا تھا اور پھر وہ دونوں بھائی ہماری تجویز پر عمل کرنے کو بھی تیار ہو گئے۔

میری تجویز کے مطابق بیل گاڑی میں لکڑیاں پھنسا کر اتنی جگہ بنائی گئی کہ میں اور سمترا آرام سے اس میں لیٹ سکتے تھے۔ اس کے اوپر اور چاروں طرف چارے کے گٹھے رکھ دیئے جاتے تو ہم مکمل طور پر چھپ جاتے۔

سنگرام سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی چارہ لے کر روانہ ہو جایا کرتا تھا۔ آج ہماری وجہ سے دیر ہو گئی تھی۔ ہم جب روانہ ہوئے تو سورج طلوع ہو رہا تھا۔ ہم چارے کے گٹھوں کے نیچے اطمینان سے لیٹے رہے اور بیل گاڑی چلتی رہی۔ گاڑی میں اگرچہ ایک ہی بیل جتا ہوا تھا مگر اس کی رفتار خاصی تیز تھی۔

پکی سڑک وہاں سے تقریباً ایک میل دور تھی اور کھتین تقریباً پندرہ میل کے فاصلے پر۔ پکی سڑک پر پہنچتے ہی بیل گاڑی کی رفتار کچھ اور تیز ہو گئی۔

پکی سڑک پر بیل گاڑی کو کم از کم تین مرتبہ روکا گیا تھا۔ پولیس جگہ جگہ چیک کر رہی تھی۔ میں نے سنگرام کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا چیکنگ کے وقت ہم چارے کے گٹھوں کے اندر سے پولیس والوں کو دیکھ تو نہیں سکتے تھے البتہ ان کی آوازیں سنائی دیتی رہی تھیں۔ سنگرام بہت ہوشیاری سے معاملے کو سنبھالے ہوئے تھا۔

تقریباً دو گھنٹوں بعد بیل گاڑی رک گئی۔ اس مرتبہ سنگرام کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

''میں نے بیل گاڑی گھاس منڈی کے ایک کونے میں روک لی ہے میں اوپر سے گٹھے اٹھا رہا ہوں۔ آس پاس کوئی نہیں ہے۔ تم لوگ جلدی سے باہر نکل آنا۔''

اور پھر اوپر والے گٹھے اٹھائے جانے لگے۔ دو گھنٹے اس طرح بند رہنے سے سانس گھٹنے لگی تھی۔ گرمی سے ہم دونوں کے جسم پسینے سے تر ہو رہے تھے۔ تازہ ہوا ملتے ہی ہم گہرے گہرے سانس لینے لگے اور پھر سنگرام کا اشارہ پاتے ہی ہم بیل گاڑی کے پچھلی طرف نیچے اتر گئے۔ میں نے چند نوٹ سنگرام کے ہاتھ میں تھما دیئے۔

اسی وقت دو آدمی اس طرف آتے ہوئے نظر آئے۔ وہ بیوپاری تھے مگر ہم وہاں نہیں رکے۔ میں نے سنگرام کا شکریہ ادا کیا اور سمترا کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف چل پڑا۔ میرے دوسرے ہاتھ میں سوٹ کیس تھا۔

گھاس منڈی سے نکل کر ہم ایک تنگ سے بازار میں آ گئے۔ دھوپ اور بارش وغیرہ سے بچنے کے لئے پورے بازار پر ٹاٹ اور ترپال کے سائبان تنے ہوئے تھے۔ دکانداروں نے اپنا سامان سڑک تک پھیلا رکھا تھا جس سے راستہ مزید تنگ ہو گیا تھا۔ پیدل چلنے والے ہی بڑی مشکل سے اپنا راستہ بنا رہے تھے۔ ستم یہ کہ گدھا گاڑیاں بھی دکھائی دے رہی تھیں۔

تھین کا یہ بازار دیکھ کر مجھے لاہور کا اکبری منڈی والا بازار یاد آ گیا۔ وہاں بھی کچھ ایسی ہی صورتحال ہوا کرتی تھی۔ اگر کوئی فرق تھا تو صرف لوگوں کا اور ان کے لباس کا۔ یہ سب راجستھانی تھے۔ عورتوں نے زیادہ تر لہنگے اور چولیاں پہن رکھی تھیں اور مرد اپنے روایتی لباس میں تھے۔ سروں پر رنگ برنگی پگڑیاں کچھ عجیب منظر پیش کر رہی تھیں۔

یہ اناج کا بازار تھا۔ ہر دکان کے سامنے اجناس کے انبار لگے ہوئے تھے۔ گاہکوں کی بھرمار تھی اور سودوں کا لین دین ہو رہا تھا۔

اس طویل اناج بازار سے نکل کر ہم ایک اور قدرے کھلے بازار میں آ گئے۔ یہاں سلیقے کی دکانیں تھیں۔ مارواڑی قسم کے ہوٹل بھی تھے۔ اکا دکا قدرے بہتر ریسٹورنٹس بھی نظر آئے۔

اس بازار میں زیادہ تر جنرل اسٹور تھے اور گاہکوں کی نوعیت بھی مختلف تھی۔ یوں تو ہم نے بہت سی عورتوں کو ساڑھیاں پہنے ہوئے دیکھا لیکن کچھ ایسی عورتیں بھی نظر آئیں جنہیں واقعی ساڑھی پہننے کا سلیقہ آتا تھا۔

سمترا کے جسم پر راجستھانی لباس تھا۔ لہنگے اور ڈھیلی ڈھالی چولی میں وہ اگرچہ راجستھانی ہی لگتی تھی مگر اس کی گوری چٹی رنگت اس کی قومیت کے بارے میں چغلی کھا رہی تھی۔ میں نے جینز کی پتلون اور نئی شرٹ پہن رکھی تھی۔ شیو کئی دن کا بڑھا ہوا تھا۔ میرے ہاتھ میں سوٹ کیس بھی تھا جو ہمیں اس شہر میں اجنبی ثابت کر رہا تھا۔

مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ کون سا راستہ کس طرف جاتا ہے۔ یونہی آوارہ مویشیوں کی طرح گھومتے رہنا بھی خطرناک تھا۔ ہمیں روپ سیہائے کی حویلی سے فرار ہوئے اگرچہ دو دن ہو چکے تھے مگر ہماری تلاش اب بھی جاری ہوگی۔ ہم کوئی معمولی مجرم تو تھے نہیں ''مجھے بھوک لگ رہی ہے۔''

اپنے ساتھ چلتی ہوئی سمترا کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ ہم نے صبح چھ بجے کے قریب ناشتہ کیا تھا۔ اس وقت گیارہ بج رہے تھے۔ مجھے بھی بھوک لگ رہی تھی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا۔

سامنے ہی ایک تھرڈ کلاس ریسٹورنٹ تھا جہاں گاہکوں میں تین چار عورتیں بھی نظر آ رہی تھیں۔ ہوٹل کے سامنے تھڑے پر پوریاں اور کچوریاں وغیرہ بھی تلی جا رہی تھیں۔ میں سمترا کو اشارہ کرتا ہوا ہوٹل میں داخل ہو کر کونے کی ایک میز پر بیٹھ گیا۔

ہماری ساتھ والی میز پر دو عورتیں اور ایک مرد بیٹھا ہوا تھا۔ وہ راجستھانی لباس میں تھے اور صاف لگتا تھا کہ کسی قریبی دیہی بستی سے آئے ہوئے تھے۔ مرد کی عمر ساٹھ کے لگ بھگ تھی۔ گول داڑھی اور مونچھیں اوپر سے اندر کی طرف چھلے کی طرح مڑی ہوئی تھیں۔ ایک عورت کی عمر پچاس کے لگ بھگ تھی جبکہ دوسری پچیس چھبیس سے زیادہ کی نہیں لگتی تھی۔ وہ بھرے بھرے جسم کی مالک اور بے حد حسین تھی۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ بڑھیا اور بوڑھا میاں بیوی تھے اور وہ لڑکی ان کی بیٹی تھی۔

میں نے ہوٹل کے ملازم لڑکے کو بلا کر پوریاں اور کچوریاں لانے کا آرڈر دے دیا۔

چند منٹ بعد ہی ہماری مطلوبہ چیزیں ہماری میز پر موجود تھیں۔ اس کے ساتھ آلو چنے کی ترکاری اور اچار بھی تھا۔ گرم گرم کچوریاں اور پوریاں اس وقت واقعی مزہ دے گئیں اور اس کے بعد چائے سے تو لطف اور بھی دوبالا ہو گیا۔

لڑکا برتن اٹھانے کے لئے آیا تو میں نے اسے روک لیا۔

''لاری اڈہ کس طرف ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''کوٹ پتلی جانا ہے تو اس بازار سے نکل کر الٹے ہاتھ چلے جاؤ اور اگر جھنجھنو جانا چاہتے ہو تو اس بازار میں پیچھے کی طرف جا کر شاہی بازار کی طرف مڑ جاؤ۔ اس کے اختتام پر سیدھے ہاتھ مڑ جانا۔ سیدھے لاری اڈے پر پہنچ جاؤ گے۔''

میں نے لڑکے کا شکریہ ادا کیا اور ہم خود بھی اٹھ گئے۔ ہوٹل سے نکل کر ہم بازار میں اس طرف چلے دیئے جس طرف سے آئے تھے اور پھر شاہی بازار تک پہنچنے میں ہمیں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔

یہ بازار دراصل ایک تنگ سی رہائشی گلی تھی۔ پرانی طرز کے دو منزلہ مکان تھے جن کے نچلے حصوں میں دکانیں بنا دی گئی تھیں۔ دونوں طرف چھوٹی چھوٹی لاتعداد دکانیں تھیں۔

بازار میں کھوے سے کھوا چھل رہا تھا۔ لگتا تھا شہر کی ساری آبادی یہیں چلی آئی ہو۔ گاہکوں میں نوے فیصد تعداد عورتوں کی تھی۔ یہ تنگ سی گلی شیطان کی آنت کی طرح لمبی تھی۔

اسے شعبہ جاتی بازار کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ ایک حصہ کپڑے کی دکانوں پر مشتمل تھا دوسرا کاسمیٹکس، تیسرا ریڈی میڈ گارمنٹس پر، ایک حصہ چوڑیوں کی دکانوں پر مشتمل تھا۔ گویا ہر شعبہ الگ الگ تھا اور ہر جگہ بے پناہ رش تھا۔

میں چوڑیوں کی ایک دکان کے سامنے رک گیا۔ یہاں شیشے کے علاوہ پلاسٹک کی چوڑی چوڑیاں بھی تھیں۔ میں نے بہت سی عورتوں کو اس قسم کی چوڑیاں بازو بھر کر پہنے دیکھا تھا۔ اس دکان پر بھی اگرچہ رش تھا مگر دکان کا ایک ملازم فوراً ہی ہماری طرف متوجہ ہو گیا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

میں نے سمترا کے لئے پلاسٹک کی کالی اور سفید چوڑیاں پسند کیں اور پھر میں چوڑیاں پہناتے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

چوڑی کا ایک لمبا لچھا سا تھا جو وہ آدمی سمترا کے بازو پر لپیٹتا چلا گیا۔ دونوں بانہوں میں کلائیوں سے کندھوں تک اس قسم کی چوڑیاں پہنا دی گئی تھیں۔ ان میں سفید بھی تھیں اور کالی بھی۔

شیطان کی آنت کی طرح اس طویل بازار کے اختتام پر کچھ دکانیں ایسی بھی تھیں جہاں مختلف دیویوں اور دیوتاؤں کی مورتیاں سجی ہوئی تھیں لیکن ان دکانوں پر کوئی گاہک نظر نہیں آیا۔ دنیا کے ہر خطے میں مذہب کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ بھگوان اور خدا مصیبت پڑنے پر ہی یاد آتے ہیں۔ زندگی میں سکون اور خوشحالی ہو تو کوئی بھولے سے بھی بھگوان اور خدا کو یاد نہیں کرتا۔

میں نے ایک دکان سے ریڈی میڈ پگڑی خرید کر سر پر جمالی۔ سندھی اجرک سے ملتی جلتی ایک چادر بھی خریدی۔ سوٹ کیس کو اس میں لپیٹا اور دونوں پلو پکڑ کر سوٹ کیس کو اپنی پشت پر لٹکا لیا۔ میں نے کئی لوگوں کو اس طرح سامان اٹھائے دیکھا تھا۔

شاہی بازار کے اختتام پر ہم سیدھے ہاتھ کی طرف مڑ گئے۔ دوسرا بازار زیادہ طویل ثابت نہیں ہوا۔ لاری اڈہ اس بازار کے اختتام پر ہی تھا۔ ایک چھوٹا سا میدان تھا جہاں چند بسیں بے ترتیبی سے کھڑی تھیں۔

ہاکر چیخ چیخ کر آوازیں لگاتے ہوئے مسافروں کو اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ ایک مرتبہ رتنا نے مجھے بتایا تھا کہ ہم اگر ہنومان گڑھ یا گنگا نگر پہنچ جائیں تو وہاں سے نہایت آسانی سے پنجاب پہنچا جا سکتا ہے۔

بس کا وہ ہاکر ہمیں کھینچ کر چھورو کی بس کی طرف لے جانا چاہتا تھا جبکہ میں نے ہنومان گڑھ کی بس بھی دیکھ لی تھی۔ میں ہاکر سے ہاتھ چھڑا کر اس طرف چل پڑا۔

میں نے ایک چھوٹی سی میز پر بیٹھے ہوئے کلرک سے ہنومان گڑھ کے ٹکٹ خریدے اور بس کی طرف آ گیا۔

بس میں اگرچہ چند سیٹیں خالی تھیں مگر ایسی کوئی سیٹ نظر نہیں آئی جس پر ہم دونوں بیٹھ سکتے۔ سمترا ایک عورت کے ساتھ بیٹھ گئی اور میں دو سیٹ پیچھے ایک بوڑھے کے ساتھ۔ کنڈیکٹر نے میرا سوٹ کیس لے کر بس کی چھت پر رکھ دیا تھا۔

مسافر آہستہ آہستہ بس میں بھر رہے تھے۔ میرے ساتھ بیٹھا ہوا بوڑھا باتوں کے موڈ میں تھا مگر میں نے اپنا سر سیٹ کی پشت سے لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد کسی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر جھنجھوڑ دیا۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ وہ پولیس والا تھا۔ بھاری بھرکم، طویل قامت اس کی بیلٹ میں ریوالور اڑسا ہوا تھا۔ ہاتھ میں تقریباً تین فٹ لمبی چھڑی تھی۔

اس کے چہرے کے نقوش بڑے خوفناک تھے۔ موٹی موٹی آنکھوں میں خون جیسی سرخی تھی۔ بڑی بڑی مونچھوں نے اس کے چہرے کو کچھ اور بھی خوفناک بنا دیا تھا۔

''اوئے..... اٹھ کر کھڑا ہو۔ کہاں جانا ہے۔'' اس پولیس والے کی آواز بھی اس کے چہرے کی طرح خوفناک تھی۔

''ہنومان گڑھ جا رہا ہوں حکم۔ ہنومان مندر کی یاترا کے لئے۔'' میں نے سیٹ پر بیٹھے بیٹھے جواب دیا۔

''تیرے کو کہا ہے اٹھ کر کھڑا ہو۔'' اس کے حلق سے غراہٹ سی نکلی۔ اس وقت اس کی بیلٹ میں اڑسے ہوئے ریوالور کا دستہ میرے چہرے کے عین سامنے تھا۔ میرا دل چاہا کہ ریوالور کھینچ کر اس کی ساری گولیاں اس کی توند میں اتار دوں۔ لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ بہت سی خواہشیں ایسی ہوتی ہیں جو ہمارے اختیار میں ہوتی ہیں لیکن ہم چاہنے کے باوجود انہیں پورا نہیں کر سکتے۔

میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میرے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔ اس وقت میں نے پستول اپنی کمر پر پتلون کی بیلٹ میں اڑس رکھا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ میری تلاشی لینا چاہتا ہے۔ اگر اس کا ہاتھ میرے پستول کو چھو گیا تو میں چوہے کی موت مارا جاؤں گا۔ بس کے باہر دروازے کے سامنے بھی میں ایک پولیس والے کو کھڑا دیکھ چکا تھا۔ فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ البتہ یہ ہو سکتا تھا کہ اس سے گتھم گتھا ہو جاؤں اور مرنے سے پہلے اسے مار ڈالوں۔

اس نے میرے پہلو تھپتھپائے پھر پتلون کی جیبوں پر ہاتھ مارا اور جھک کر پنڈلیاں تک تھپتھپانے لگا اور پھر سیدھا ہو گیا۔

''تمہارے ساتھ اور کون ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''کوئی نہیں۔ اکیلا ہوں حکم۔'' میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''کہاں کے رہنے والے ہو؟'' سپاہی نے پوچھا۔

''یہیں کا حکم۔ رام گلی میں مکان ہے اپنا۔'' میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ ہم نے جس ہوٹل میں بیٹھ کر پوریاں کچوریاں کھائی تھیں اس گلی کے موڑ پر رام گلی کے نام کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ اس لئے میں نے اطمینان سے یہ نام لے دیا تھا۔

''کام کیا کرتے ہو؟'' اس نے دوسرا سوال کیا۔

''رام گلی کے نکڑ پر ایک چھوٹا سا ڈھابا ہے حکم۔'' میں نے جواب دیا۔

وہ چند لمحے سرتاپا مجھے گھورتا رہا پھر آگے بڑھ گیا۔ اس نے بس کے بوڑھے مسافروں سے کوئی پوچھ گچھ نہیں کی تھی البتہ مجھ جیسے جوان آدمیوں سے الٹے سیدھے سوال کرتا رہا۔ اس نے سمترا سے بھی جرح کی تھی۔ یہ سوال اس نے سمترا سے بھی کیا تھا کہ اس کے ساتھ اور کون ہے۔ سمترا نے پہلے میری باتیں سن لی تھیں۔ اس لئے اس نے بھی یہی جواب دیا کہ وہ اکیلی ہے۔

بس کا ڈرائیور اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ چکا تھا اس نے انجن اسٹارٹ کر دیا اور پولیس والے کے نیچے اترنے کا انتظار کرنے لگا۔ کنڈیکٹر بھی بس میں آ چکا تھا۔

''ذرا جلدی کرو حکم۔ ہمارا ٹیم ہو گیا ہے۔'' کنڈیکٹر نے پولیس والے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

پولیس والے نے مسافروں پر ایک آخری نظر ڈالی اور نیچے اتر گیا۔ کنڈیکٹر نے سیٹی بجادی اور بس حرکت میں آ گئی۔

بس اڈے سے نکل کر مختلف سڑکوں پر گھومتی ہوئی جیسے ہی شہر سے باہر جانے والی سڑک پر پہنچی پولیس کی ایک پارٹی نے بس کو روک لیا۔ وہ چار پولیس والے تھے جن میں ایک سب انسپکٹر تھا۔ وہ بس میں گھس آیا۔ وہ چند لمحے دروازے میں کھڑا مسافروں کو گھورتا رہا پھر اندر آ گیا۔ ایک دو مسافروں سے سوال جواب کئے۔ مجھ سے بھی دو تین الٹے سیدھے سوال کئے اور پھر سب سے پیچھے والی سیٹ پر بیٹھے ہوئے ایک جوان آدمی کو پکڑ کر نیچے لے گیا۔ وہ چیختا چلاتا رہا مگر سب انسپکٹر نے اسے بس سے اتار ہی لیا اور ڈرائیور کو بس لے جانے کا اشارہ کیا۔

جھنو جانے والے ہائی وے پر آ کر بس تیز رفتاری سے دوڑنے لگی۔

میں نے اپنا سر اگلی سیٹ کی پشت سے ٹکا لیا اور آس پاس کی سیٹوں پر بیٹھے ہوئے لوگوں کی باتیں سننے لگا۔ سب لوگ اونچی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ موضوع وہی آتنک وادی تھا جس نے تباہی پھیلا رکھی تھی۔

''ایک ناری تو پرسوں ماری گئی۔'' ایک آدمی کہہ رہا تھا۔ ''ایک بندہ اور ایک ناری بھاگن میں کامیاب ہو گئے۔ پولیس انہی دونوں کی تلاش کر رہی ہے۔''

''ہے تو وہ آتنک وادی پر ہے بڑا جی دار۔'' دوسرے آدمی نے کہا۔ ''پولیس کے گھیرے کو توڑ توڑ کر بھاگ رہا ہے۔ پر ابھی تلک پکڑائی نہ دیا۔''

''کب تلک بھاگ رہے گا۔'' تیسرے آدمی کی آواز سنائی دی۔

''پولیس تو پولیس ہی ہووے نا۔ پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالے گی اسے۔ ایک تو آخر ماری گئی نا۔ وہ بھی مارے جاویں گے۔''

میں سیٹ کی پشت گاہ سے سر ٹکائے ان کی باتیں سنتا رہا۔ اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ ہماری تلاش زوروں پر تھی اور راستے میں بھی بس کو چیک کیا جائے گا۔

میرا اندازہ درست نکلا۔ جھنو پہنچنے تک کم سے کم دو جگہوں پر بس کو روکا گیا اور ہم ان مرحلوں سے بھی خیریت سے گزر گئے۔ میں اور سمترا بالکل ایک دوسرے سے لاتعلق بنے بیٹھے رہے۔

یہ بس ہنومان نگر کی تھی اس لئے جھنو شہر کے اندرونی اڈے کی طرف جانے کے بجائے شہر کے باہر والے اڈے پر تین چار منٹ کے لئے رکی اور پھر آگے روانہ ہو گئی۔

جھنو سے چھورو تک پینتیس چالیس میل کا فاصلہ بھی خیریت سے طے ہو گیا اور پھر ہم وہاں سے مزید ساٹھ میل آگے سردار شہر پہنچ گئے۔

یہ اس علاقے کا سب سے بڑا قصبہ تھا لیکن بس یہاں بھی باہر والے اڈے پر ہی رکی تھی۔ یہاں بہت سے مسافر اتر گئے تھے مگر ان کی جگہ نئے مسافر آ گئے تھے۔

ہم نے اس بس پر بارہ بجے کے قریب اپنا سفر شروع کیا تھا اور اس وقت چار بجنے والے تھے۔ بس کے دونوں طرف باکر کھانے پینے کی مختلف چیزیں بیچ رہے تھے۔ سمترا نے ایک باکر سے روٹی اور

پکوڑے لے لئے تھے اور میری طرف دیکھے بغیر کھائے جا رہی تھی۔

ہم دونوں ابھی تک الگ الگ سیٹوں پر ہی تھے اور یہ بات ہمارے حق میں مفید ثابت ہوئی تھی۔ جہاں بھی چیکنگ ہوئی تھی پولیس والوں نے ہر مسافر سے یہ ضرور پوچھا تھا کہ اس کے ساتھ دوسرا کون ہے۔ اگر ہم دونوں ساتھ بیٹھے ہوتے تو کوئی گڑبڑ ہو سکتی تھی لیکن ہماری لاتعلقی کام آ گئی تھی۔

''سردار شہر سے ہنومان گڑھ تک کوئی بڑا قصبہ نہیں تھا۔ زیادہ تر علاقہ ریگستان پر مشتمل تھا۔ کہیں کہیں جہاں پانی اور کچھ سبزہ تھا وہاں چھوٹی چھوٹی بستیاں تھیں۔

میں ایک بار پھر آگے والی سیٹ سے سر ٹکا کر اونگھنے لگا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد آنکھ کھلی تو اپنے ساتھ ایک زیادہ قامت کو دیکھ کر چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔ راستے میں کسی بستی میں بس رکی تھی۔ میرے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا ہوا مسافر اتر گیا تھا اور اس کی جگہ یہ قیامت میرے پہلو میں آن بیٹھی تھی۔

وہ واقعی قیامت تھی۔ عمر بیس بائیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ لانبا قد، گداز بدن اور گوری چٹی رنگت، اس کے فگرز اور چہرے کے نقوش بڑے غضب کے تھے۔ اس کے لباس نے تو اسے کچھ اور بھی ہنگامہ پرور بنا دیا تھا۔ چولی اور کپڑے کا لہنگا پہن رکھا تھا اور چولی تو بہت مختصر تھی۔

وہ میری طرف دیکھ کر مسکرا دی۔ میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔ سیٹ زیادہ بڑی نہیں تھی۔ وہ بالکل کنارے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ میں کھڑکی کی طرف بیٹھا ہوا تھا۔ سرک کر بالکل دیوار کے ساتھ ہو گیا۔ وہ بھی سرک کر میرے ساتھ جڑ گئی۔ اس کے گداز بدن کے پرحرارت لمس سے میرے دل کی دھڑکن تیز ہونے لگی۔ وہ میری طرف دیکھ کر ایک بار پھر مسکرا دی۔

''کہاں جا رہے ہو مہاشے؟'' اس نے پوچھا۔

''ہنومان گڑھ۔'' میں نے جواب دیا۔

''اکیلے ہو؟'' اس نے عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

''یہی سمجھ لو۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں اکیلی ہوں۔ گنگا نگر جا رہی ہوں۔ اگر کہو تو ہنومان گڑھ میں ایک رات رک سکتی ہوں۔'' اس نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہنومان گڑھ میرے لئے اجنبی ہے۔ وہاں میرا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''تم حامی بھر لو۔ ٹھکانے بہت۔'' اس نے کہا۔ ''ویسے میرا نام کستوری ہے۔ میں رقاصہ ہوں۔ یہاں اپنے ماں باپ کے پاس آئی ہوئی تھی۔ اب واپس جا رہی ہوں۔''

''کوٹھے پر بیٹھتی ہو؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''نہیں۔ لعنت بھیجتی ہوں کوٹھے والیوں پر۔'' اس نے کہا۔ ''میں تو گنگا نگر کے ایک کلب میں ڈانس کرتی ہوں۔''

مجھے اس سے غرض نہیں تھی کہ وہ کوٹھے پر بیٹھتی تھی یا شوقیہ طور پر رقص کے پیشے کو اپنائے ہوئے تھی۔ میں تو صرف اتنا سمجھا تھا کہ وہ میری وجاہت اور میری جوانی پر مرمٹی تھی۔ اس لئے اس نے فوراً ہی

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

میرے ساتھ رات گزارنے کی پیشکش کردی تھی۔ وہ بدکردار سہی لیکن ہمیں اس جیسی کسی عورت یا کسی بھی مرد کی ضرورت تھی جو ہنومان گڑھ میں ہمیں رات گزارنے کا ٹھکانہ فراہم کرسکے۔ کیونکہ یہ بس شام کے لگ بھگ ہنومان گڑھ پہنچنے والی تھی اور شام کے بعد گنگانگر کی طرف وہاں سے کوئی بس نہیں جاتی تھی۔ اس بس میں کم از کم چار مسافر ایسے تھے جنہیں گنگانگر جانا تھا اور وہ آپس میں مشورہ کررہے تھے کہ ہنومان گڑھ میں رات کہاں گزاری جائے گی۔

بس شام کا اندھیرا پھیلنے کے تھوڑی دیر بعد شہر کے نواح میں داخل ہوگئی۔ عمارتوں کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ پنجاب کی سرحد سے چند میل دور یہ راجستھان کا بہت بڑا نہیں تو درمیانے درجے کا شہر تھا۔

لاری اڈہ ریلوے سٹیشن کے قریب ہی تھا۔ خوب گہما گہمی تھی۔ میں نے بس سے اتر کر اپنا سوٹ کیس اتروایا جو چادر میں لپٹا ہوا تھا۔ چادر کے کنارے پکڑ کر میں نے سوٹ کیس پہلے کی طرح پشت پر لاد لیا۔ کستوری کے پاس ایک شولڈر بیگ تھا جو اس نے کندھے پر لٹکا لیا تھا۔ اس کے ساتھ چلتے ہوئے میں نے سمترا کو اشارہ کردیا وہ ہمارے پیچھے پیچھے چلتی رہی۔

لاری اڈے سے نکل کر کستوری ایک گھوڑا گاڑی پر بیٹھ گئی۔ ہم دونوں اگلی سیٹ پر بیٹھے تھے۔ پچھلی سیٹ پر پہلے ہی سے ایک بوڑھا آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ سمترا بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

گھوڑا گاڑی شہر کی مختلف بارونق سڑکوں سے ہوتی ہوئی ایک کچی آبادی کے سامنے رک گئی۔ میں اور کستوری نیچے اتر آئے جبکہ سمترا نے بھی ہماری تقلید کی تھی۔ اس نے گاڑی بان سے پوچھ کر کرایہ اپنے پلے سے دیا تھا۔

بستی کے ساتھ ایک مندر بھی تھا جس کے گیٹ پر بتیاں جل رہی تھیں۔ کستوری اس مندر کے ساتھ ایک کشادہ گلی میں مڑ گئی اور تقریباً بیس گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد مندر کے پچھواڑے ایک اور تنگ سی گلی میں مڑ گئی۔ میں نے اس گلی میں مرتے ہوئے گردن گھما کر پیچھے دیکھا۔ سمترا ابھی اسی طرف آرہی تھی۔

گلی میں تاریکی تھی۔ ایک مرتبہ مجھے کسی پتھر سے ٹھوکر لگی اور میں گرتے گرتے بچا۔ چند گز آگے جاکر کستوری ایک مکان کے سامنے رک گئی۔ اس نے بیگ میں سے چابیوں کا گچھا نکالا اور ٹٹول کر دروازے پر لگا ہوا تالا کھولنے لگی۔

دروازہ کھول کر وہ پہلے اندر داخل ہوئی۔ اس دوران سمترا بھی قریب پہنچ چکی تھی۔ میں اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر داخل ہوگیا اور آہستگی سے دروازہ بند کردیا۔ دوسرے ہی لمحے چٹ کی ہلکی سی آواز ابھری اور کمرہ روشنی سے بھر گیا۔ کستوری بتی جلا کر جیسے ہی مڑی میرے قریب سمترا کو دیکھ کر اچھل پڑی۔

''اے کون ہو تم۔ اندر کیوں آئی ہو۔'' اس کے منہ سے ہلکی سی غراہٹ نکلی۔

''گھبراؤ نہیں۔ یہ میری دوست ہے اور تمہاری طرح ایک ماہر فن رقاصہ ہے۔'' میں نے کہا۔

''مگر تم نے تو کہا تھا کہ تم اکیلے ہو۔'' اس نے مجھے گھورا۔

''اس وقت تو میں اکیلا ہی تھا۔ یہ اتفاق سے دوسری سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ بس سے اتر کر ہمارے پیچھے پیچھے آگئی ہے تو تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بیچاری بڑی معصوم اور مظلوم ہے بالکل مداخلت نہیں کرے گی۔ اسے گونگی اور بہری سمجھ لو۔'' میں نے کہا۔

''کیا تم جانتے ہو اسے؟'' اس نے ایک بار پھر مجھے گھورا۔

''میں نے کہا نا کہ میری دوست ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''بس میں ہمیں الگ الگ سیٹوں پر جگہ ملی تھی پھر نجانے کب تم میرے ساتھ والی سیٹ پر آگئیں۔ دراصل ہمیں بھی گنگانگر ہی جانا ہے۔ رات یہاں گزارنی تھی مگر ہمارے پاس کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ میں نے تمہاری پیشکش قبول کرلی اور ہم تمہارے ساتھ چلے آئے۔ یہ لڑکی بالکل بے ضرر ہے۔ تم جس مقصد کے لئے مجھے یہاں لائی ہو یہ اس میں رکاوٹ نہیں بنے گی۔ ویسے بھی اس مکان کے شاید دو یا تین کمرے ہیں۔ یہ ایک کمرے میں پڑی رہے گی۔''

''ٹھیک ہے۔'' کستوری نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا اور سمترا کا ہاتھ پکڑ کر اسے ایک دروازے کی طرف دھکیل دیا۔ ''تم رات اس کمرے میں رہو گی۔ تھوڑی دیر میں، میں بازار سے بھوجن وغیرہ لے آؤں گی تو تمہیں بھی کھلا دوں گی۔ آرام سے رات بھر پڑی رہنا وہاں۔''

ہم ایک اور کمرے میں آگئے۔ یہ صاف ستھرا کمرہ تھا۔ بیڈ پر آرام دہ بستر بچھا ہوا تھا۔ فرش پر دری بچھی ہوئی تھی اور دو کرسیاں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ آتش دان کے کارنس پر آرائش کی چند اور چیزوں کے علاوہ ہنومان کی پیتل کی ایک مورتی بھی رکھی ہوئی تھی۔

''بیٹھو۔ میں شنکر کو بلاتی ہوں تاکہ وہ ہمارے لئے کھانا وغیرہ لے آئے۔'' کستوری نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا اور مکان سے باہر چلی گئی۔

اس کی واپسی میں دس منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ وہ میرے سامنے بڑی بے حجابی سے پلنگ پر بیٹھ گئی۔ میری نظریں بار بار اس طرف اٹھ رہی تھیں۔

کستوری بتا رہی تھی کہ وہ ایک کاشتکار کی بیٹی ہے۔ اسے بچپن ہی سے ناچ گانے کا شوق تھا۔ ذرا بڑی ہوئی تو اس نے ہنومان گڑھ ہی کے ایک گروہ سے رقص اور گائیکی کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی۔ سولہ سال کی عمر میں اس نے سب سے پہلے یہیں کے ہنومان مندر میں اپنے رقص کا مظاہرہ کیا۔ کچھ عرصہ تک وہ مندر میں ہی اپنے فن کا مظاہرہ کرتی رہی پھر اپنے غریب ماں باپ کی مالی امداد کرنے کے لئے ایک مقامی ہوٹل میں ڈانس پروگرام کرنے لگی۔ مگر مندر کا پجاری گلاب سنگھ اسے دوبارہ مندر میں لے آیا۔

گلاب سنگھ کئی روز تک اسے پامال کرتا رہا۔ اس کے کومل اور حسین بدن کو اپنے بھدے اور گندے جسم تلے روندتا رہا۔ اس دوران وہ تہہ خانے ہی میں قید رہی تھی۔ گلاب سنگھ پوجا کے وقت مندر میں جاتا اور واپس آکر شراب کے نشے میں دھت ہوکر اسے بھیڑیے کی طرح نوچنے اور بھنبھوڑنے لگتا۔ اس دوران کستوری نے ایک دو مرتبہ تہہ خانے سے بھاگنے کی کوشش کی تھی مگر ہر مرتبہ پکڑی گئی اور گلاب سنگھ نے اسے دھنک کر رکھ دیا۔

گلاب سنگھ نے کئی روز بعد اسے تہہ خانے سے باہر نکالا اور یہ دھمکی دی کہ اگر اس نے اس کے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

بارے میں زبان کھولی تو اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔

کستوری کچھ عرصہ بے دلی سے مندر میں رقص کا مظاہرہ کرتی رہی پھر وہاں سے بھاگ نکلی۔ اس نے مندروں کے پروہتوں اور پجاریوں کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا لیکن اسے کبھی یقین نہیں آیا تھا اور جب اپنے ساتھ وہ سب کچھ بیتی تو اسے دھرم سے نفرت ہوگئی۔

مندر سے بھاگ کر اس نے ایک ٹھاکر کے ہاں پناہ لی تھی۔ ٹھاکر بہت طاقتور تھا، گلاب سنگھ میں اس کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ البتہ اسے یہ خطرہ ضرور تھا کہ کستوری اس کا راز نہ کھول دے۔ اگر ایسا ہوا تو ٹھاکر اسے جیل میں ڈلوا دے گا لیکن کئی روز گزرنے کے بعد بھی جب کچھ نہیں ہوا تو گلاب سنگھ مطمئن ہوگیا کہ کستوری اس کے بارے میں زبان نہیں کھولے گی۔

ٹھاکر کی بیوی اور دو چھوٹے بچے تھے۔ حویلی بہت بڑی تھی۔ اس نے ایک الگ تھلگ کمرہ کستوری کو بھی دے دیا۔ ٹھاکروں میں داشتائیں رکھنا بھی بڑی شان کی بات سمجھی جاتی تھی۔ اس لئے ٹھاکر کی بیوی کو بھی حویلی میں کستوری کی موجودگی پر کوئی اعتراض نہیں ہوا تھا۔

کستوری ایک سال تک ٹھاکر کی رکھیل بن کر رہی پھر آزادی حاصل کر کے گنگا نگر اپنے تاؤ کے پاس چلی گئی۔ گاؤں میں ماں باپ کے پاس اس لئے نہیں گئی تھی کہ پجاری گلاب سنگھ پریشان کرے گا جبکہ گنگا نگر میں تاؤ کے پاس اسے ایسا کوئی خطرہ نہیں تھا۔

''میرا وہ تاؤ دراصل میرے پتا جی کا چچازاد بھائی تھا۔''

کستوری بتا رہی تھی۔ ''گنگا نگر میں اس کا اکھاڑہ تھا۔ وہ اپنے علاقے کا بڑا نامی گرامی پہلوان تھا۔ علاقے میں اس کا رعب بھی بہت تھا۔ اس لئے میں اس کے پاس آئی تھی کہ گلاب سنگھ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا اور تاؤ کے پاس مجھے ہر قسم کی سرکشا ملے گی۔

''تاؤ عمر میں میرے پتا جی سے چار پانچ سال بڑا تھا مگر وہ کسرت کیا کرتا تھا۔ عمر میں بھی چھوٹا لگتا تھا اور بڑا ٹھوس جسم تھا اس کا۔

''تاؤ کے پاس رہتے ہوئے پجاری گلاب سنگھ یا کوئی اور تو میرا کچھ نہیں بگاڑ سکا مگر ایک روز تاؤ نے بھنگ پیتے ہوئے مجھے دبوچ لیا۔ میں اس کی بیٹی سمان تھی لیکن اس نے میری منت سماجت اور چیخ و پکار کی کوئی پروا نہیں کی اور رات بھر میرے جسم سے کھیلتا رہا اور پھر یہ روز کا معمول بن گیا۔ وہ بھنگ پیتا اور میرے خوبصورت جسم سے کھیلتا رہتا۔

''میں اپنے تاؤ سے تنگ آ چکی تھی اور پھر ایک روز اس نے اپنے ایک دوست کو بھی اس میں شامل کرلیا۔ بلبیر سنگھ ایک ہوٹل کا مالک تھا۔ وہ بھی بہتی گنگا میں ہاتھ دھوتا رہا اور پھر وہ مجھے تاؤ کے قبضے سے نکال لے گیا۔

''بلبیر سنگھ ہمدردی کی بنا پر مجھے تاؤ کے شکنجے سے نکال کر نہیں لایا تھا اس کے اپنے کچھ مقاصد تھے۔ اس نے اپنے ہوٹل میں اسٹیج تیار کروایا اور میں وہاں رقص کر کے گاہکوں کا دل بہلانے لگی۔

''ہنومان مندر کے پجاری گلاب سنگھ کو موقع مل گیا۔ اس نے ایک بار پھر مجھ پر قبضہ جمانے کی

کوشش کی۔ وہ مجھے زبردستی یہاں سے لے جانا چاہتا تھا مگر بلبیر سنگھ کے ہاتھوں مارا گیا۔ بلبیر سنگھ بھی گرفتار ہوگیا اور اسے قتل کے جرم میں عمر قید کی سزا ہوگئی۔

''میرا خیال تھا کہ اب مجھے ان جھمیلوں سے مکتی مل گئی ہے مگر میری یہ آشا پوری نہیں ہوئی بلبیر سنگھ کا بیٹا رگھبیر سنگھ شاید بہت عرصہ سے کسی ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھا۔ اسے یہ بھی دیا نہیں آئی کہ میں اس کے پتا کے استعمال میں رہ چکی ہوں۔ وہ بے غیرت باپ کی طرح میرے جسم سے کھیلتا رہا۔

''میں سونے کی چڑیا تھی۔ رگھبیر سنگھ کی ہوس کی آگ بھی بجھاتی اور اس کے لئے کمائی کا ذریعہ بھی تھی۔ میری وجہ سے اس کا ہوٹل خوب چل رہا تھا۔ ایک سال کے اندر اندر اس نے ہوٹل کو نائٹ کلب بنالیا۔

''میں نے ایک دو مرتبہ بھاگنے کی کوشش کی تھی مگر کامیاب نہیں ہوسکی اور آخر کار میں نے حالات سے سمجھوتہ کرلیا، کیونکہ میں جانتی تھی کہ جہاں جاؤں گی میرے ساتھ یہی سب کچھ ہوگا۔''

کستوری چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''میں مستقل طور پر رگھبیر ہی کے پاس رہنے لگی۔ مہینے میں ایک مرتبہ یہاں آ کر ہنومان مندر میں رقص کرتی ہوں۔ دوسرے تیسرے مہینے ماتا پتا سے ملنے کے لئے گاؤں بھی چلی جاتی ہوں۔ ان کی زمین مہاجن کے پاس گروی رکھی ہوئی ہے۔ وہ بیس سال سے قرضہ ادا کر رہے ہیں مگر سود بیاج کے چکر میں وہ قرضہ آج بھی اصل سے کئی گنا زیادہ ہے۔ میں اپنے ماتا پتا کی تھوڑی بہت مدد کر دیتی ہوں جس سے ان کا گزارہ ہو جاتا ہے۔''

''میں دو دن پہلے گاؤں گئی تھی۔ واپسی پر میرا یہاں رکنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ رات گیارہ بجے ایک ٹرین گنگا نگر جاتی ہے اس سے چلی جاتی مگر بس میں تمہیں دیکھ کر میری نیت ڈانواں ڈول ہوگئی اور میں نے رات یہاں رہنے کا فیصلہ کرلیا۔ لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ کباب میں ایک عدد ہڈی بھی موجود ہے۔''

''وہ ہڈی بالکل بے ضرر ہے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ کستوری کی باتوں نے مجھے بے حد متاثر کیا تھا۔ اس جیسی جوان اور حسین لڑکی کے لئے عزت کی زندگی گزارنا واقعی بہت مشکل تھا۔ وہ ہوس پرستوں کے ہاتھوں کا کھلونا بنی ہوئی تھی۔

میں نے سمترا کو بھی اسی کمرے میں بلالیا۔ کستوری نے ناک بھوں تو چڑھائی تھی مگر چند منٹ بعد اس نے سمترا کو قبول کرلیا اور وہ دونوں جلد ہی ایک دوسرے سے بے تکلف ہوگئیں۔

سمترا صورت حال کو سمجھ رہی تھی۔ اس کے دل میں ایسی کوئی بات نہیں آئی تھی بلکہ وہ بڑی خوبصورتی سے کستوری کو شیشے میں اتارنے کی کوشش کر رہی تھی۔

سمترا نے بڑی ہوشیاری سے کستوری سے بہت کچھ معلوم کرلیا تھا۔

ہنومان گڑھ ریلوے جنکشن بھی تھا۔ یہاں سے ایک لائن گنگا نگر اور دوسری ہنمنڈر کی طرف جاتی تھی۔ گنگا نگر کے لئے ایک ٹرین رات گیارہ بجے نکلتی تھی۔ دوسری صبح چھ بجے جبکہ ہنمنڈر کے لئے ایک ٹرین صبح پانچ بجے اور دوسری دوپہر بارہ بجے چلتی تھی۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

باتوں کے دوران کستوری کچھ زیادہ ہی بے تکلف ہوگئی تھی۔ اس نے سمترا کو واقعی بے ضرر اور احمق سمجھ لیا تھا۔ اس کی موجودگی کی پروا بھی نہیں تھی۔

میں نے ایک دو مرتبہ سمترا کی طرف بھی دیکھا۔ اس کے انداز میں بے چینی اور آنکھوں میں عجیب سی الجھن نظر آ رہی تھی۔

اور پھر باہر والے دروازے پر دستک کی آواز سن کر کستوری مجھ سے الگ ہٹ گئی۔

''شاید شنکر کھانا لے آیا ہے۔'' وہ بیڈ سے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

''بڑی حرافہ عورت ہے جلد سے جلد اس سے پیچھا چھڑانا ہوگا۔'' سمترا نے میری طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی میں کہا۔

''بس آج کی رات ہے۔ صبح ہوتے ہی ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔'' میں نے جواب دیا۔

آنگن میں قدموں کی آہٹ سن کر ہم خاموش ہوگئے۔ چند سیکنڈ بعد کستوری ایک اور آدمی کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔

وہ آدمی درمیانے قد اور بھاری بھرکم جسم کا مالک تھا۔ سر گنجا تھا مگر درمیان میں ایک بالشت بھر لمبی چٹیا سانپ کی طرح لہرا رہی تھی۔ ماتھے پر کشکا لگا ہوا تھا۔ اس نے مخصوص انداز میں دھوتی باندھ رکھی تھی مگر جسم کے بالائی حصے پر کوئی لباس نہیں تھا گلے میں تین چار رنگ برنگی مالائیں اور کلائیوں میں لوہے کے کڑے پہن رکھے تھے۔ اس کے اس حلیے سے اس کے کٹر ہندو ہونے کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

اس نے دونوں ہاتھوں میں پیتل کا ایک بڑا سا تھال اٹھا رکھا تھا جس میں کھانے پینے کی چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر پہلے میری طرف اٹھی اور پھر سمترا کے چہرے پر جم گئی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں عجیب سی وحشت ابھرتے ہوئے دیکھی۔ سمترا بھی ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اس کا چہرہ بھی خوف سے دھواں ہو رہا تھا۔

''کستوری کے ساتھ کھانا لے کر آنے والا وہ شخص دیال شنکر تھا۔ سمترا کو دیکھ کر اس کے چہرے پر خوف کے سائے لہرا گئے۔ اس کے ہاتھ کانپنے لگے اور تھال اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گرا۔ ایک زوردار چھناکے کی آواز ابھری اور ساری چیزیں زمین پر بکھر گئیں۔

''یہ... یہ آتنک وادی ہیں... بھاگو...''

وہ چیختا ہوا دروازے کی طرف لپکا۔

سمترا اور دیال شنکر کی حالت دیکھ کر میں اب تک مبہوت سا بیٹھا تھا۔ کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر اتنا بدحواس اور خوفزدہ کیوں ہوگئے تھے۔ لیکن جب آتنک وادی (دہشت گرد) کہتے ہوئے دروازے کی طرف بھاگا تو میں بھی جیسے ہوش میں آ گیا۔

''تاجی! پکڑو اسے۔ باہر نہ جانے پائے۔'' سمترا چیخی۔

میں اپنی جگہ سے اچھلا اور کسی پرندے کی طرح اڑتا ہوا دیال شنکر سے ٹکرایا۔ لیکن وہ دھکا کھا کر

دروازے کے باہر جا گرا اور پھر دوسرے ہی لمحے اس نے اٹھ کر باہر والے دروازے کی طرف دوڑ لگا دی۔ میں بھی اس کے پیچھے لپکا۔

دیال شنکر بیرونی دروازے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ میں نے ایک بار پھر چھلانگ لگا دی اور اس کے اوپر گرا۔ وہ آگے دروازے سے ٹکرا گیا۔ میں نے اس کی چٹیا پکڑ لیں اور اسے زور سے پیچھے کھینچنے لگا۔

وہ اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا مگر میری گرفت بہت مضبوط تھی۔ میں اسے پوری قوت سے پیچھے کھینچ رہا تھا تاکہ وہ دروازے سے باہر نہ نکل سکے۔

اور پھر میرے سر پر دھماکہ سا ہوا۔ ضرب بڑی شدید تھی۔ میرا دماغ جھنجنا اٹھا اور پھر میرا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

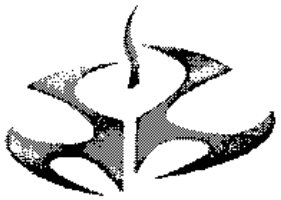

Scanned By:
Azam & Ali
aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

سر پر لگنے والی ضرب بڑی زور دار تھی۔ میرا دماغ جھنجھنا اٹھا اور پھر آنکھوں کے سامنے اندھیرے کی چادر پھیلنے لگی۔ اس وقت میرے ڈوبتے ہوئے ذہن میں صرف ایک ہی خیال ابھرا۔ اگر میرے حواس مختل ہوگئے تو ہم کستوری اور دیال شنکر کے رحم و کرم پر ہوں گے اور ظاہر ہے یہ لوگ ہمیں پولیس کے حوالے کر دیں گے۔ ایک مرتبہ پولس کے شکنجے میں آ جانے کے بعد بچ نکلنا ممکن نہیں تھا۔

کستوری مجھے عیاشی کی نیت سے یہاں لائی تھی۔ اس نے سمترا کو بھی برداشت کرلیا تھا اور ہمارے لئے کھانا منگوایا تھا۔ کھانا لے کر آنے والا دیال شنکر تھا۔ سمترا اور دیال شنکر پہلے ہی ایک دوسرے کو جانتے تھے اور دیال شنکر ہمیں دہشت گرد کہتے ہو چیختا ہوا باہر کی طرف بھاگا تھا۔ سمترا ابھی اگر مجھے چیخ کر اسے پکڑنے کو نہ کہتی تو شاید وہ مکان سے باہر نکل چکا ہوتا لیکن میں نے اسے بیرونی دروازے کے قریب جالیا اور پھر میرے سر پر وہ زور دار ضرب لگی تھی جس سے میرا دماغ جھنجھنا اٹھا تھا۔

میں سر کو زور زور سے جھٹکے دینے لگا۔ میں اپنی کوشش میں کامیاب رہا۔ آنکھوں کے سامنے چھانے والی تاریکی چھٹنے لگی۔ میرے حواس بحال ہونے لگے۔

دیال شنکر اب بھی میرے نیچے دبا ہوا تھا اور شاید کستوری مجھے بالوں سے پکڑ اس کے اوپر سے کھینچ رہی تھی۔ نیچے دبا ہوا دیال شنکر میری گرفت سے نکل گیا اور وہ اپنے آپ کو دروازے کی طرف گھسیٹنے لگا۔

میرے حواس اب پوری طرح بحال ہو چکے تھے۔ میں نے اپنے آپ کو کستوری کی گرفت سے چھڑانے کے لئے کہنی سے اس کے پیٹ پر وار کیا۔ وہ کراہ اٹھی مگر میرے بال اس کی مٹھی ہی میں جکڑے رہے۔ میں نے کہنی سے ایک اور ضرب لگائی۔ اس مرتبہ کستوری نے میرے بال چھوڑ دیئے اور پھر دوسرے ہی لمحہ سمترا نے کستوری کو پکڑ کر میرے اوپر سے کھینچ لیا اور اسے گھسیٹتی ہوئی کمرے کی طرف لے جانے لگی۔

دیال شنکر اب بھی اپنے آپ کو گھسیٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے ایک بار پھر اس کے بالوں کی چٹیا پکڑ لی اور زور زور سے جھٹکے دینے لگا اس کی پیشانی فرش سے ٹکرا رہی تھی۔ چوٹ لگنے سے ہر مرتبہ وہ چیخ اٹھتا۔

ہم مکان کے آنگن میں گلی میں کھلنے والے دروازے کے قریب تھے جس وقت ہم یہاں آئے تھے اس وقت گلی اگرچہ سنسان تھی لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ اس طرف سے کسی کا گزر ہی نہ ہو۔ ابھی تو شام ہوئی تھی۔ زیادہ سے زیادہ آٹھ بجے کا وقت ہوگا۔ آس پاس کے مکانوں میں بھی لوگ آباد ہوں گے۔

دیال شنکر کی چیخیں سن کر کسی بھی وقت کوئی آ سکتا تھا اور اس طرح ہمارے لئے مزید خطرات پیدا ہو سکتے تھے۔

دھینگا مشتی میں مجھے جیب سے پستول نکالنے کا موقع مل گیا۔ میں نے پستول کو نال کی طرف سے پکڑا اور اس کا دستہ دیال شنکر کی گنجی کھوپڑی پر رسید کر دیا۔ اس کے منہ سے ایک اور چیخ نکلی جو بتدریج کراہ میں تبدیل ہوتی ہوئی خاموشی میں ڈوب گئی اور اس کے ساتھ ہی دیال شنکر بے حس و حرکت ہوگیا۔

میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور پھر دیال شنکر کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے گھسیٹتا ہوا کمرے کی طرف لے جانے لگا جہاں سے دھینگا مشتی کی آواز اور بلیوں کے غرانے جیسی آوازیں آ رہی تھیں۔

دیال شنکر خاصا بھاری بھرکم تھا اس سے دھینگا مشتی میں میرا سانس پھول گیا تھا اور اسے گھسیٹنے میں بھی مجھے خاصی دشواری پیش آ رہی تھی۔

دروازے کے قریب پہنچ کر میں نے دیال شنکر کو چھوڑ دیا۔ وہ بھد سے گرا اس کی مجروح پیشانی ایک بار پھر فرش سے ٹکرائی تھی۔

کمرے کے اندر کا منظر دلچسپ بھی تھا اور سنسنی خیز بھی۔ کستوری اور سمترا ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو رہی تھیں۔ دونوں کے لباس تار تار ہو چکے تھے۔ بال چڑیوں کے گھونسلوں کی طرح بکھرے ہوئے تھے۔ وہ دونوں مسہری پر تھیں اور ایک دوسرے کو رگید رہی تھیں۔ دونوں کے منہ سے بلیوں کی غراہٹوں جیسی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

کستوری کے مقابلہ میں سمترا اگرچہ دھان پان سی تھی لیکن اس وقت وہ کستوری پر بھاری پڑ رہی تھی۔ اس نے کستوری کو اپنے نیچے دبا رکھا تھا اور کستوری اپنے آپ کو چھڑانے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی اور پھر وہ دونوں مسہری سے نیچے فرش پر لڑھک گئیں۔ لیکن کستوری اس طرح گری تھی کہ اس کی ایک ٹانگ تو نیچے تھی اور دوسرا پاؤں مسہری کی پائنتی کی طرف لگے ہوئے آرائشی تختے کے نیچے پھنس گیا تھا۔

سمترا اس کے سینے پر سوار تھی اور اس کے بالوں کو مٹھیوں میں جکڑے زور زور سے جھٹکے دے رہی تھی۔ میں چند لمحوں تک دلچسپی سے یہ تماشا دیکھتا رہا پھر پستول جیب میں ڈالا اور آگے بڑھ کر انہیں چھڑانے لگا۔ کستوری کے بالوں پر سمترا کی گرفت بڑی مضبوط تھی۔ میں بڑی مشکل سے اسے چھڑا کر ایک طرف کھینچ سکا تھا۔ وہ ایک بار پھر غراتی ہوئی کستوری کی طرف لپکی تھی لیکن میں نے اسے پکڑ لیا۔

''اب تم کچھ نہیں کرو گی' بیٹھ جاؤ یہاں۔'' میں نے اسے ایک کرسی پر دھکیل دیا اور مڑ کر کستوری کی طرف متوجہ ہوگیا۔

کستوری کی حالت واقعی بہت ابتر تھی۔ عیش و آرام اور رقص و سرور کی زندگی گزارنے والی یہ عورت لڑائی بھڑائی سے واقف نہیں تھی۔ اس نے مردوں کا دل بہلانا سیکھا تھا۔ یہ اپنی اداؤں سے کسی محفل کو رنگین و سنگین تو بنا سکتی تھی لیکن کسی سے ہاتھا پائی اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس نے بڑے ناز و نعم میں زندگی گزاری تھی اور یہی وجہ تھی کہ وہ جسمانی لحاظ سے اپنے سے کمتر سمترا سے مار کھا گئی تھی۔

اس کے سینے' گردن اور چہرے پر بھی سمترا کے ناخنوں سے خراشیں پڑ چکی تھیں۔ اس کے چہرے پر لرب کے آثار اور آنکھوں میں نفرت کی چنگاریاں چمک رہی تھیں۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

میں نے مسہری کے تختے میں پھنسا ہوا اس کا پیر نکال دیا اور پنڈلی سے پکڑ کر اس کی ٹانگ نیچے کردی۔ اس نے اپنا لہنگا درست کیا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ شاید سمترا کی طرف جھپٹنے کا ارادہ کررہی تھی مگر میں نے اسے بازو سے پکڑ لیا۔

''مم... میں... میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی کتیا۔'' وہ سمترا کی طرف دیکھ کر غرائی اور اپنا بازو ایک جھٹکے سے میری گرفت سے چھڑا لیا۔

سمترا نے بھی اپنی جگہ سے حرکت کی مگر میں نے اسے بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا اور کستوری کی طرف گھوم کر دوبارہ اس کا بازو پکڑ لیا۔

''اپنے حواس کو قابو میں رکھو کستوری۔'' میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے قدرے درشت لہجے میں کہا۔ ''یہ جو کچھ بھی ہوا کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ بات کو زیادہ مت بڑھاؤ' ہم اس معاملے کو طے کرسکتے ہیں۔''

''پپ... پہلے اس نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔'' کستوری اپنے بے ربط تنفس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ ''میں تمہیں اور دیال شنکر کو چھڑا رہی تھی کہ اس کتیا نے مجھ پر حملہ کردیا۔ میں اسے چھوڑوں گی نہیں۔''

''میں نے کہا تھا نا کہ یہ کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔'' میں نے کہا ''تم مجھے چھڑانے کی کوشش کررہی تھی اور سمترا سمجھی کہ تم نے مجھ پر حملہ کردیا ہے اس لئے یہ تم پر حملہ آور ہوگئی۔'' میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''یہ سب کیا دھرا تمہارے اس دیال شنکر کا ہے۔ اگر یہ چیختا ہوا باہر کی طرف نہ بھاگتا تو بات یہاں تک نہ پہنچتی لیکن ایک منٹ.... پہلے میں اسے اندر لے آؤں۔''

میں نے اٹھ کر دروازے کے قریب بے ہوش پڑے ہوئے دیال شنکر کو گھسیٹ کر کمرے کے فرش پر ڈال دیا۔ کستوری فرش سے اٹھ کر مسہری پر بیٹھ گئی اور انگلی سے اپنے بدن پر لگی ہوئی خراشیں سہلا رہی تھی۔

میں نے کرسی پر بیٹھی ہوئی سمترا کی طرف دیکھا وہ بھی ابتر حالت میں تھی۔ اس کے سینے' گردن اور چہرے پر بھی خراشیں تھیں۔ سینے پر ایک لمبی خراش سے خون بھی رس رہا تھا۔ وہ بھی خونخوار نظروں سے کستوری کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''یہ کون ہے؟'' میں نے کستوری کی طرف دیکھتے ہوئے دیال شنکر کی طرف اشارہ کیا۔ ''میں نے اسے زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھا ہے یہ مجھے دیکھتے ہی دہشت گرد کہتے ہوئے باہر کیوں دوڑا تھا۔''

''دیال شنکر یہاں جین مندر کا پجاری ہے۔'' کستوری نے جواب دیا۔ ''اس نے تمہارے بارے میں غلط نہیں کہا تھا' وہ راجستھان میں جین مندروں میں گھومتا رہتا ہے ہوسکتا ہے اس نے تمہیں ماؤنٹ آبو یا کسی اور جگہ دیکھا اور یہاں دیکھتے ہی اس نے تمہیں پہچان لیا۔''

''کیا سننا چاہتی ہو تم؟'' میں نے کستوری کے چہرے پر نظریں جمادیں۔ میرے جسم میں سنسنی کی لہریں سی دوڑنے لگی تھیں۔

''یہی کہ تم آتنک وادی ہو۔!'' کستوری نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ ''بس میں تمہارے

ساتھ سفر کرنے کے تھوڑی دیر بعد میں نے تمہاری باتوں سے تمہارے بارے میں اندازہ لگا لیا تھا کہ تم اپنی اصلیت چھپانے کی کوشش کررہے ہو۔ مجھے شبہ تھا کہ تم کوئی سنگین جرم کرکے بھاگے ہوئے ہو یہ بات تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ تم وہی آتنک وادی ہوسکتے ہو جس نے پچھلے کئی مہینوں سے تباہی پھیلا رکھی ہے اور پولیس کو انگلیوں پر نچا رکھا ہے۔ مگر دیال شنکر نے تمہیں پہچان لیا اور وہ خوفزدہ ہوکر چیختا ہوا بھاگا اور تم اس کے پیچھے دوڑے تو مجھے یقین ہوگیا کہ تم واقعی آتنک وادی ہو۔''

''کیا مجھے اس انکشاف پر حیران ہونا چاہیے۔'' میں نے کہا ''پہلی بات تو یہ کہ بس میں سفر کے دوران تمہیں شبہ ہوا تھا کہ میں کوئی سنگین جرم کرکے بھاگا ہوا ہوں کوئی بھی شریف آدمی ایسے لوگوں سے دور رہنے کی کوشش کرتا ہے جس کا کردار مشکوک ہو مگر تم نہ صرف مجھے بے تکلف ہوگئیں بلکہ مجھے اپنے گھر بھی لے آئیں۔''

''اس لئے کہ میرا شمار شرفاء میں نہیں ہوتا۔'' کستوری پہلی بار مسکرائی۔ ''اگر میں شریف عورت ہوتی تو واقعی تم سے بے تکلف ہونے کی کوشش نہ کرتی۔''

''اور ابھی تم نے کہا تھا کہ تم مجھے دیال شنکر سے چھڑانے کی کوشش کررہی تھی؟'' میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ ''لیکن تم نے تو میرے سر پر ضرب لگا کر بے ہوش کرنے کی کوشش کی تھی۔ میرے بارے میں انکشاف ہونے کے بعد تمہیں تو خوفزدہ ہونا چاہئے تھا۔''

''یہ درست ہے کہ میں نے تمہیں دیال شنکر سے چھڑانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن وہ ضرب میں نے تمہارے سر پر نہیں لگائی تھی وہ چوٹ تو میں نے دیال شنکر کے سر پر لگانا چاہی تھی لیکن تمہارا سر زد میں آ گیا۔'' کستوری نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی ''میں نے بس میں تمہاری باتوں سے اندازہ لگا کر تمہیں پھانسنے کی کوشش کی تھی اور میرا خیال تھا کہ تم بھی عام مردوں کی طرح میرے حسن کے جال میں پھنس گئے ہو۔ لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کررہے ہو۔''

''تم مجھے کیوں پھانسنا چاہتی تھی؟'' میں نے پوچھا۔

''پہلی بات تو یہ کہ میں تمہاری وجاہت سے متاثر ہوئی تھی اور میرا دل بے اختیار یہ چاہا تھا کہ کم از کم ایک رات تمہارے ساتھ بسر کروں اور جب تم نے یہ بتایا کہ یہاں تمہارا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے تو میں نے فوراً ہی تمہیں اپنے ساتھ چلنے کی پیشکش کردی تھی۔'' کستوری نے بلا جھجک وہ اصل بات بتا دی جو اس کے دل میں تھی۔ اس نے ذرا بھی شرم و حیا محسوس نہیں کی تھی۔ ''دوسری بات۔'' وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی ''میں تم سے ایک اور کام بھی لینا چاہتی تھی۔ تمہارے بارے میں مجھے شبہ ہو چکا تھا کہ تم کوئی سنگین جرم کرکے بھاگے ہوئے ہو اور تمہیں پناہ کی تلاش ہے۔ میں نے اسی وقت طے کرلیا تھا کہ تمہیں اپنے حسن و شباب کے جال میں پھنسا کر اپنے پاس روکے رکھوں گی اور پھر تمہیں اس کام کے لئے بھی آمادہ کرلوں گی جس کے لئے مجھے عرصہ سے تم جیسے آدمی کی تلاش تھی۔ میرا خیال تھا کہ تم لالچ اور دباؤ میں آ کر میرے اشاروں پر چلتے رہو گے لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ میں ہی آخر تک بے وقوف بنتی رہی ہوں۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر کہنے لگی۔ ''تمہارے ساتھ یہ حرافہ بھی مکان میں آ گئی تو میں کچھ پریشان ہوگئی تھی۔ مگر تم نے کہا کہ یہ ہمارے معاملات میں مداخلت نہیں کرے گی اور ایک کمرے میں پڑی رہے گی۔ میں

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

خاموش ہوگئی تھی اور میں نے اسی وقت طے کرلیا تھا کہ کہ اسے کل ہی مندر لے جا کر غائب کرا دوں گی۔ یہاں کے مندروں میں پجاریوں کے روپ میں مگرمچھ رہتے ہیں جو اس جیسی حسین لڑکیوں کو سالم نگل جاتے ہیں۔ مندر کے پجاری اسے اس طرح غائب کرتے کہ زندگی بھر اس کا سراغ نہ ملتا۔"

"جب دیال شنکر نے ہمیں دہشت گرد کہا تھا تو تمہیں خوف محسوس نہیں ہوا تھا۔" میں نے پوچھا۔

"خوف تو ضرور محسوس ہوا تھا مگر میں نے فوراً ہی تمہارا ساتھ دینے کا فیصلہ کرلیا تھا۔" اس نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "میں اپنے کام کے لئے کسی مقامی آدمی سے بھی مدد لے سکتی تھی۔ یہاں کے بڑے بڑے غنڈے اور بدمعاش میرے ایک اشارے پر میرے پیر چاٹنے پر مجبور ہو جاتے ہیں مگر میں انہیں قابل اعتماد نہیں سمجھتی۔ میں کئی مرتبہ پہلے بھی دھوکہ کھا چکی ہوں جبکہ تمہارے بارے میں میرا خیال تھا کہ تم ایسا نہیں کرو گے۔ کیونکہ تم خود جان کے خوف میں مبتلا ہو۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ تم مجھے چھوڑ کر چلے جاتے اور مجھے زیادہ افسوس نہ ہوتا۔ میں یہی سمجھتی تم اپنے آپ کو بچا کر بھاگ گئے ہو میرے ساتھ کوئی دھوکہ نہیں ہوا۔"

"ہماری حقیقت جان لینے کے بعد کیا اب بھی تم یہی سمجھتی ہو کہ ہم تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "کوئی بھی خطرناک مجرم اپنا راز فاش ہو جانے کے بعد پہلے سے زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے اور وہ ہر اس شخص کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے جو اس کے راز سے واقف ہو چکا ہو اور...."

"لیکن تم میرے ساتھ ایسا نہیں کرو گے۔" کستوری نے میری بات کاٹ دی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک بار پھر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی تھی۔ "اگر تم مجھے موت کے گھاٹ اتارنا چاہو تو میں تمہیں روک نہیں سکتی مگر تم ایسا نہیں کرو گے اس لئے کہ تم بے وقوف نہیں ہو۔"

"کیا سطلب....؟" میں نے اسے گھورا۔

"سیدھی سی بات ہے۔" اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔ "تم اس وقت موسٹ وانٹڈ ہو، تمہارے چرچے ہر طرف ہیں۔ اخبارات میں ہر وقت تمہارے بارے میں کچھ نہ کچھ چھپتا رہتا ہے۔ کسی مجرم کی تلاش کے لئے شاید ہی کبھی اتنے وسائل بروئے کار لائے گئے ہوں۔ جتنے تمہارے لئے ہو رہے ہیں۔ راجھستان سے باہر جانے والے تمام راستوں پر پہرے بٹھا دیئے گئے ہیں۔ ہر قصبے، ہر شہر اور ہر شاہراہ پر تمہاری تلاش میں چیکنگ ہو رہی ہے اور تمہاری خوش قسمتی ہے کہ اب تک بچتے رہے ہو اور اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ تم موقع شناس ہو۔ وقت کی نبض پر تمہارا ہاتھ ہے حیرت انگیز طور پر تم لوگوں کا اعتماد حاصل کر لیتے ہو اور اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ تمہارے بارے میں سب کچھ جان لینے کے بعد بھی لوگ اپنی جان کی پروا کئے بغیر تمہیں پناہ دیتے ہیں۔ ایسی صلاحیتیں بہت کم لوگوں میں ہوتی ہیں جو دشمن کو بھی اپنا گرویدہ اور ہمدرد بنا لیتے ہیں اور پھر موقع ملتے ہی ان سے بھی پیچھا چھڑا لیتے ہیں۔ تم بھی ایسا کرتے رہے ہو۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"تم اب تک بہت ذہانت کا ثبوت دیتے رہے ہو لیکن میرے خیال میں تم سے کچھ غلطیاں سرزد ہوتی رہی ہیں اور تم میں ان غلطیوں کی اصلاح کر لینے کی بھی صلاحیت موجود ہے۔"

"حیرت انگیز" میں نے دلچسپ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ "تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں غلطیاں بھی کرتا رہا ہوں۔"

"اخبارات....!" کستوری نے جواب دیا۔ "اخبارات تمہارے بارے میں معمولی سے معمولی باتیں بھی چھاپتے رہتے ہیں۔ ہر اخبار اپنی اشاعت بڑھانے کے لئے تمہارے بارے میں ہر روز کوئی نہ کوئی جھوٹی سچی کہانی چھاپنا ضروری سمجھتا ہے۔ تمہارے بارے میں ایسے ہی اخبارات کی فراہم کردہ "اطلاعات" پر کئی بے گناہ نوجوان تمہارے شبے میں پکڑے گئے اور انہیں تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ بہرحال...." وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "تو میں یہ کہہ رہی تھی کہ اخبارات کے ذریعے لوگوں کو تمہارے بارے میں کچھ نہ کچھ معلوم ہوتا رہتا ہے۔ میں تمہاری جن غلطیوں کی بات کر رہی تھی اس کا اندازہ بھی میں نے اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں ہی سے لگایا ہے۔ میں زیادہ پیچھے نہیں جاؤں گی لیکن دو دن پہلے بھی تم ایک ایسی فاش غلطی کر چکے ہو جو تمہارے لئے مشکلات پیدا کر سکتی ہے۔"

"وہ کیا...؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"دو دن پہلے تم نے کوٹ پتلی کے روپ سیہائے نامی ایک آدمی کو کنویں میں پھینکا تھا۔" کستوری نے کہا۔

"ہاں...!" میں چونک سا گیا۔ "یہ درست ہے لیکن یہ واقعی میری غلطی تھی۔ وہ بہت اچھا آدمی تھا۔ اس نے ہمیں پناہ دی تھی۔ یہ جانے بغیر کہ میں کون ہوں؟ لیکن اس کا ایک ملازم رانا رنبیر سنگھ ہمارے چکر میں پڑ گیا تھا۔ اسے ہم پر شبہ ہو گیا تھا اور وہ ہمارے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے ماؤنٹ آبو تک پہنچ گیا تھا اور پھر اس نے مجھے قابو میں کرنے کی کوشش کی تھی لیکن میرے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کے فوراً ہی بعد روپ سیہائے ہمیں اپنی گاؤں والی حویلی میں لے آیا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ رانا میرے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ وہ ہمیں کسی ممکنہ پریشانی سے بچانا چاہتا تھا لیکن وہ خود پولیس کے چکر میں پھنس گیا تھا۔ پولیس اس سے رانا رنبیر سنگھ کے قتل کے بارے میں پوچھ گچھ کرنا چاہتی تھی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ بات وہیں تک محدود نہیں رہے گی اور اس تفتیش میں ہمارا بھی نام آئے گا۔ اس لئے میں نے روپ سیہائے کو قتل کر کے وہاں سے بھاگنے کا فیصلہ کرلیا۔ یہاں مجھ سے ایک غلطی ہوگئی۔ روپ سیہائے کو جان سے مارنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ہم اسے دھوکہ دے کر بھی وہاں سے نکل سکتے تھے اور پھر دوسری غلطی یہ ہوئی کہ جب ہم اس کنویں میں پھینک رہے تو اس کے کارندے نے ہمیں دیکھ لیا۔ وہ بچ کر بھاگ نکلا۔ اور اس کا بچ نکلنا ہی غضب ہوگیا۔ اس نے حویلی میں جا کر بتا دیا۔ حویلی کے ٹیلی فون سے پولیس کو اطلاع دے دی گئی۔ پولیس نے ہمیں گھیرے میں لے لیا اور مجھے اپنی ایک بہترین اور جاں نثار دوست سے ہاتھ دھونے پڑے۔ وہ پولیس کی گولیوں کا نشانہ بن گئی۔" میں ایک بار پھر چند لمحوں کو خاموش ہوگیا اور اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔

"میں تمہاری ذہانت کی داد دیتا ہوں کہ اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں سے تم نے میرے بارے میں بالکل درست اندازے قائم کئے ہیں۔ روپ سیہائے کو کنویں میں پھینکنا میری واقعی

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

بہت بڑی غلطی تھی اور اس غلطی کا خمیازہ مجھے اس طرح بھگتنا پڑا کہ اپنی ایک دوست سے ہاتھ دھو بیٹھا۔"

"اور روپ سیہائے زندہ بچ گیا۔" کستوری بولی۔

"کیا...؟" میں اچھل پڑا۔ میرے دل کی دھڑکن ایک دم تیز ہوگئی تھی۔ میں نے سمترا کی طرف دیکھا اس کا چہرہ بھی دھواں ہوگیا تھا۔

"یہ سچ ہے۔" کستوری نے کہا "اس کے کارندوں نے اسے کنویں سے نکال لیا تھا۔ وہ تقریباً دو گھنٹے بے ہوش رہنے کے بعد ہوش میں آ گیا تھا۔"

"اس کے زندہ بچ جانے پر مجھے واقعی خوشی ہوئی۔ لیکن...!"

"تمہارے لئے مشکلات بھی بڑھ گئی ہیں۔" کستوری نے میری بات کاٹ دی۔ "روپ سیہائے کے کنویں میں پھینکے جانے' اس کے زندہ بچ جانے' تمہارے فرار اور تمہاری ساتھی رتنا کے پولیس کے ہاتھوں مارے جانے کی خبر آج کے اخبارات میں چھپ چکی ہے اور مجھے تو حیرت ہے کہ تم لوگ وہاں سے بچ کر نکل کیسے آئے۔ پولیس نے میلوں دور تک کے علاقے کو گھیرے میں لے لیا تھا اور ہر طرف جانے والے راستوں پر سخت چیکنگ کی جارہی تھی۔"

میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ وہاں سے فرار کے لئے میری ذہانت کام آئی تھی۔ اگر بیل گاڑی میں سبز چارے کے گٹھوں کے نیچے جگہ بنا کر چھپنے والی بات میرے ذہن میں نہ آتی تو ہم اس علاقے سے واقعی نہیں نکل سکتے تھے۔ اس سے آگے بھی اگرچہ جگہ جگہ بسوں میں چیکنگ ہو رہی تھی مگر میرا اور سمترا کا بسوں میں الگ الگ سیٹوں پر بیٹھنا کام آ گیا تھا۔ ہم سے پوچھ گچھ تو ہوئی تھی لیکن ہم شبے کی زد میں نہیں آ سکے تھے اور پھر مجھے چیکنگ کرنے والے ایک پولیس والے کی بات بھی یاد آ گئی۔ اس نے اکتائے ہوئے لہجے میں اپنے ساتھی سے کہا تھا۔ "ہم لوگوں کو تو بلاوجہ مصیبت میں ڈال دیا گیا ہے۔ اتنا خطرناک مجرم عام مسافروں کی طرح بس میں سفر نہیں کر سکتا۔" اور شاید یہ نفسیاتی عمل بھی ہمارے لئے مددگار ثابت ہوا تھا۔ بسوں کے مسافروں کی چیکنگ پر بھرپور توجہ نہیں دی گئی تھی۔

"تم نے اب تک یہ تو بتایا نہیں کہ کس کام کے لئے مجھ جیسے خطرناک آدمی کا انتخاب کیا تھا؟" میں نے اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے کہا۔

"وہ میں بعد میں بتاؤں گی پہلے اس کا کچھ بندوبست کیا جائے۔" کستوری نے فرش پر پڑے ہوئے دیال شنکر کی طرف اشارہ کیا۔

دیال شنکر اب کسمسا رہا تھا۔ وہ ہوش میں آ رہا تھا۔

"کیا بندوبست کیا جائے اس کا؟" میں نے پوچھا۔

"اس نے تم لوگوں کو پہچان لیا ہے۔ اس کا زندہ رہنا تمہارے لئے خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔" بات کرتے ہوئے کستوری کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ "یہ شکل سے جتنا یتیم اور مسکین لگتا ہے اتنا ہی خطرناک ہے۔ میں نے اپنے کام کے لئے پہلے اس کو آمادہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے میرا وہ کام تو نہیں کیا لیکن پچھلے ایک سال سے مجھے بلیک میل کر رہا ہے۔ میں مہینے میں ایک مرتبہ جب بھی بنو مان گڑھ آتی ہوں یہ مجھے اپنے گندے وجود تلے روندنا اپنا حق سمجھتا ہے۔ اگر یہ زندہ رہا تو تم سوچ سکتے ہو کہ

دونوں کے لئے کتنا خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔

"تمہارا مطلب ہے اسے زندگی سے نجات دلا دی جائے۔" میں نے کہا۔

"ہاں...!" اس سے بچنے کا یہی ایک راستہ ہے۔" کستوری بولی۔

یہ میرے لئے ایک نیا مسئلہ تھا۔ کستوری نے اب تک جو کچھ بھی کہا تھا وہ ذرا بھی غلط نہیں تھا۔

نے اخباروں میں شائع ہونے والی خبروں سے میرے بارے میں بالکل درست اندازے لگائے تھے۔

سے مجھے وقتی طور پر کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن دیال شنکر کا زندہ رہنا واقعی خطرناک بات تھی۔ نجانے اس

پہلے مجھے کب اور کہاں دیکھا تھا کہ اس وقت چہرے پر نظر پڑتے ہی پہچان گیا تھا۔ اس نے بھاگنے کی

کوشش کی تھی مگر میرے قابو میں آ گیا تھا۔ یہ غنیمت تھا کہ کستوری اپنے کسی لالچ میں موم ہوگئی تھی۔ لیکن

دیال شنکر کا اس مکان سے زندہ نکل جانا ہماری موت کا باعث بن سکتا تھا۔ لیکن میں اکیلے یہ کام نہیں کرنا

چاہتا تھا تاکہ وہ بھی دباؤ میں رہے۔

"تمہارے خیال میں اسے گولی مار دینا مناسب ہوگا؟" میں نے جیب سے پستول نکال کر

سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"نہیں۔" کستوری نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "گولی کی آواز دور تک سنی جائے گی۔ اس طرح ہم

مصیبت میں پڑ جائیں گے۔

"لیکن جب ہماری ہاتھا پائی ہوئی تھی تم بھی چیختی رہی تھیں اور یہ بھی اس وقت تو کسی پڑوسی نے

مداخلت نہیں کی تھی۔ حالانکہ مجھے ڈر تھا کہ کوئی نہ کوئی اس طرف ضرور آئے گا۔ لیکن..."

"وہ دوسری بات ہے۔" اس نے میری بات کاٹ دی۔ "یہ بستی مندر کے قریب ہے مندر کے

پجاری جو کچھ کرتے ہیں اس سے سب ہی لوگ واقف ہیں۔ روزانہ رات کو کسی نہ کسی لڑکی کو مندر سے اٹھا

کر کسی مکان میں لے آتے ہیں لڑکیوں کی چیخیں گونجتی رہتی ہیں مگر کوئی پوچھنے کے لئے اپنے گھر سے باہر

نہیں نکلتا۔ لیکن گولی کی آواز گونجے گی تو لوگوں کو تجسس ہوگا اور وہ صورتحال معلوم کرنے کے لئے ضرور

گھروں سے نکلیں گے۔ میرا خیال ہے اسے گلا گھونٹ کر ختم کر دیا جائے۔"

ہم دونوں ایک انسان کی زندگی اور موت کے بارے میں اس طرح بات کر رہے تھے جیسے

ہمارے نزدیک انسانی زندگی کی کوئی اہمیت نہ ہو۔

میں نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر میری نظریں چھت پر لگے ہوئے لوہے کے ایک کنڈے پر

مرکوز ہوگئیں۔ یہ کنڈا پنکھا ٹانگنے کے لئے لگایا گیا ہوگا مگر پنکھا نہیں تھا۔

"کوئی رسی ہے!" میں نے سوالیہ نگاہوں سے کستوری کی طرف دیکھا۔

"ابھی لاتی ہوں!" کستوری کہتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔

سمترا کرسی پر بیٹھی متوحش نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ چند منٹ بعد کستوری رسی لے

آئی جو خاصی لمبی تھی۔ میں نے سمترا کو اشارہ کیا۔ وہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

میں نے رسی کا ایک سرا چھت کے کنڈے میں ڈال دیا اور دوسرے سرے پر پھندا بنانے لگا۔

چند منٹ پہلے دیال شنکر جس طرح کسمسایا تھا اس سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ ہوش میں

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

آ رہا ہے لیکن وہ ابھی تک ہوش میں نہیں آیا تھا۔

اور پھر میں نے اور کستوری نے جس طرح دیال شنکر کو پھندے میں لٹکایا وہ ایک الگ کہانی تھی جب ہم اس کے گلے میں پھندا ڈال رہے تھے وہ ہوش میں آ گیا تھا۔ کستوری نے عقل مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے منہ میں کپڑا بھی ٹھونس دیا تھا۔

دیال شنکر کو پھندے پر لٹکا کر ہم دوسرے کمرے میں آ گئے۔ یہ وہی کمرہ تھا جہاں گھر میں داخل ہونے کے بعد کستوری مجھے لے کر آئی تھی۔ یہاں ایک شاندار بیڈ بچھا ہوا تھا۔ ایک چھوٹی میز اور چند کرسیاں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ سمترا سامنے ہی ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر وحشت تھی۔ وہ اب بھی ایک ہاتھ سے کبھی چہرے اور کبھی گلے اور سینے پر خراشوں کو سہلا رہی تھی۔

دیال شنکر کھانا اسی کمرے میں لے کر آیا تھا اور ہمیں دیکھ کر خوف و دہشت سے ٹرے اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی تھی۔ کھانا اور برتن فرش پر ویسے ہی بکھرے ہوئے تھے۔ کستوری نے پہلے برتن سمیٹے اور پھر ایک میلے کپڑے سے فرش صاف کرنے لگی۔

اس کام سے فارغ ہو کر اس نے کمرے کے ایک کونے میں ایستادہ الماری کھول لی اور ایک ہینگر پر ٹنگی ہوئی ساڑھی سمترا کی طرف اچھال دی۔ اس کے ساتھ بلاؤز اور پیٹی کوٹ بھی تھا۔

''یہ پہن لو... اس وقت میرے پاس تمہارے لئے ڈھنگ کا کوئی اور کپڑا نہیں ہے۔''

ہینگر سمترا کے پیروں کے قریب گرا تھا۔ اس نے جھک کر ہینگر اٹھا لیا اور میری طرف دیکھنے لگی۔ کستوری نے اپنے لئے بھی ساڑھی ہی نکالی تھی۔ میں باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتا ہوا کمرے سے نکل کر برآمدے میں آ گیا۔

تقریباً پندرہ منٹ گزر گئے اور پھر باہر والے دروازے پر دستک کی آواز سن کر میں اچھل پڑا۔ اس لمحہ کستوری بھی کمرے سے نکل آئی۔ دستک کی آواز سن کر اس کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑنے لگی تھیں۔

''یہ کون ہو سکتا ہے؟'' میں نے سرگوشی میں پوچھا۔

کستوری کے جواب دینے سے پہلے ہی باہر سے ایک آواز سنائی دی۔

''کستوری بیٹا' دروازہ کھولو' میں ہوں رام اوتار۔''

''اوہ...!'' کستوری کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ''حرامی کہیں کا...!'' وہ بڑبڑائی پھر میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''مندر کا پروہت ہے۔ تم دونوں اس کمرے میں چلے جاؤ میں اسے سنبھال لوں گی۔ یہ حرامی مجھے ہمیشہ بیٹا کہہ کر بلاتا ہے لیکن موقع ملتے ہی بھیڑیئے کی طرح مجھ پر جھپٹ پڑتا ہے۔ اسے دیال شنکر سے میرے آنے کا پتہ چل گیا ہوگا۔ تم لوگ اس کمرے میں جاؤ۔''

میں نے کمرے میں داخل ہو کر سمترا اور کستوری کے پھٹے ہوئے کپڑے اور اپنا سوٹ کیس بھی اٹھا لیا اور سمترا کے ساتھ اس کمرے میں سے نکل کر دوسرے کمرے میں آ گیا۔

دیال شنکر کی لاش پھندے میں لٹکی ہوئی تھی اسے دیکھ کر سمترا دہشت زدہ سی ہو گئی۔ اس نے چیخ روکنے کے لئے منہ پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

میں نے دیال شنکر کی لاش کی طرف دیکھا۔ اس کے پیر زمین سے تقریباً دو فٹ اونچے تھے۔

پھندہ لگنے پر وہ یقیناً بہت مچلا ہوگا۔ کپڑا اس کے منہ سے نکل گیا تھا۔ زبان کتے کی طرح منہ سے باہر لٹکی ہوئی تھی اور آنکھیں حلقوں سے ابلی پڑ رہی تھیں۔

میں نے بتی بجھا دی اور سمترا کا ہاتھ پکڑ کر دیوار کے ساتھ چپک کر کھڑا ہو گیا۔

باہر پختہ صحن میں قدموں کی آواز اس طرح سنائی دے رہی تھی جیسے کوئی پیروں میں کھڑاؤں گھسیٹ کر چل رہا ہو۔ وہ آواز ہمارے دروازے کے سامنے سے گزرتی ہوئی دوسرے کمرے میں رک گئی۔ اور اس کے ساتھ ہی کستوری کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی وہ کسی کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''آپ نے بلاوجہ یہاں آنے کی زحمت کی مہاراج' کسی کے ہاتھ پیغام بھیج کر مجھے بلوا لیا ہوتا' میں حاضر ہو جاتی۔''

''پیاسا ہی کنویں کے پاس آتا ہے سندری' یہ کبھی نہیں سنا کہ کنواں چل کر پیاسے کے پاس گیا ہو۔'' ایک بھاری مردانہ آواز سنائی دی۔ ''ہمیں جب پتہ چلا کہ تم یہاں آ گئی ہو تو ہم خود چلے آئے۔ تم سے انتظار نہیں ہو سکا۔''

''میں آپ کی کیا سیوا کروں مہاراج۔'' کستوری بولی۔

''سیوا تو تم وہی کرو گی جو پہلے بھی کرتی رہی ہو' لیکن اس سے پہلے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔'' بھاری آواز نے کہا۔

''حکم کیجئے' مہاراج''

''دیال شنکر نے بتایا تھا کہ تمہارے ساتھ دو اجنبی بھی تھے۔ ایک مرد اور ایک ناری اور تم نے ان کے لئے بھوجن منگوایا تھا کون ہیں وہ لوگ اور کہاں ہیں؟''

''بس میں ان سے ملاقات ہو گئی تھی۔ مہاراج!'' کستوری نے جواب دیا۔ ''لکشمی بائی بہت اچھی رقاصہ ہے۔ وہ اپنے پتی کے ساتھ سردار شہر سے آ رہی تھی۔ وہ لوگ بھنڈا جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ یہاں ان کے پاس رہنے کو جگہ نہیں تھی اس لئے میں انہیں اپنے ساتھ لے آئی تھی۔''

''وہ تو بھوجن کر کے چلے گئے مہاراج!'' کستوری نے جواب دیا۔

''تم جھوٹ بولتی ہو کستوری اور تم جانتی ہو کہ ہمیں تم جیسی ناریوں کے منہ سے جھوٹ اچھا نہیں لگتا۔''

''مم.... میں سچ کہتی ہوں مہاراج۔'' کستوری جیسے ہکلا گئی۔

''انہیں بھنڈا جانا تھا' گیارہ بجے والی ٹرین سے وہ ایک گھنٹہ پہلے یہاں سے گئے ہیں۔''

جواب میں اس شخص نے کچھ کہا تھا جسے میں نہیں سن سکا۔ میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ہمارے کمرے کا دروازہ اگرچہ بند تھا مگر اندر بالکل اندھیرا نہیں تھا۔ دونوں کمرے کی بیچ کی دیوار میں ایک چھوٹا سا روشندان بھی تھا جس سے آنے والی روشنی اس کمرے میں بھی مدھم سا اجالا کر رہی تھی۔

میں نے سمترا کو وہیں کھڑے رہنے کا اشارہ کیا اور ایک کرسی اٹھا کر بڑی آہستگی سے روشندان کے نیچے دیوار کے ساتھ لگا کر رکھ دی اور بڑی احتیاط سے کرسی پر چڑھ گیا۔ لیکن روشن دان اب بھی دو فٹ

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

اوپر تھا میں نے کرسی سے اتر کر ایک بار پھر متجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا۔ مسہری کے نیچے ایک تختہ رکھا ہوا تھا جسے اٹھا کر میں نے بڑی آہستگی سے کرسی کے ہتھوں پر رکھ دیا اور اوپر چڑھ کر کھڑا ہو گیا۔ اب میرا چہرہ روشندان کے بالکل سامنے تھا اور میں دوسرے کمرے میں آسانی سے دیکھ سکتا تھا۔

وہ درمیانے قد کا بھاری بھرکم آدمی تھا۔ اس نے صرف دھوتی پہن رکھی تھی۔ اوپر کا جسم برہنہ تھا۔ سینہ اور بازو ریچھ کی طرح سیاہ بالوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ توند بالکل مٹکے ہی کی طرح آگے کو نکلی ہوئی تھی۔ اس کی رنگت توے کی طرح سیاہ اور آنکھیں سرخ تھیں۔ جیسے نشہ کرنے کا عادی ہو۔ گلے میں رنگ برنگے موتیوں کی دو مالاؤں کے ساتھ سونے کی تین موٹی موٹی چینیں بھی نظر آ رہی تھیں۔ کلائیوں میں بھی سونے کے موٹے موٹے کڑے تھے اور کانوں میں بڑی بڑی طلائی بالیاں لٹکی ہوئی تھیں۔ سر کے بال چھوٹے تھے لیکن مونچھیں خاصی بڑی تھیں جن سے اس کا چہرہ کچھ اور بھی بھیانک ہو گیا تھا۔ ہونٹ بہت بھدے اور دانت بالکل سفید تھے۔ اس کی سیاہ رنگت پر چمکتے ہوئے سفید دانت بڑے عجیب سے لگ رہے تھے۔ تنگ سی پیشانی پر تین سفید لکیریں کھنچی ہوئی تھیں۔

وہ مندر کا پروہت تھا جو اپنے آپ کو رام اوتار کہتا تھا۔

''ایک بات یاد رکھنا کستوری۔'' رام اوتار کہہ رہا تھا۔ ''آج کل سمے بہت خراب چل رہا ہے۔ وہ خطرناک آتنک وادی جس نے ناگ راج جیسے شخص کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارا اور ماؤنٹ آبو میں تباہی پھیلائی تھی کوٹ پتلی کے ایک جاگیردار کو قتل کرنے کی کوشش میں ناکام ہو کر اس طرف آ نکلا ہے۔''

''میں نے یہ خبر اخبار میں پڑھی تھی مہاراج!'' کستوری نے جواب دیا۔ ''لیکن میرا ان باتوں سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔''

''تمہارا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا لیکن میں تمہیں سمجھانا چاہتا ہوں کہ نادانی میں کسی چکر میں نہ پھنس جانا۔'' رام اوتار نے کہا۔ ''مجھے جب پتا چلا کہ ایک ناری اور ایک مرد کو اپنے ساتھ لائی ہو تو مجھے شک ہوا تھا کہ کہیں یہ دونوں وہی آتنک وادی تو نہیں۔''

''نہیں مہاراج!'' وہ دونوں تو بہت اچھے تھے۔'' کستوری نے جواب دیا۔

''تھوڑی دیر پہلے ایک پولیس آفیسر بھی میرے پاس آیا تھا۔'' رام اوتار کہہ رہا تھا۔ ''اس نے بتایا تھا کہ وہ جس کسان کی بیل گاڑی میں چھپ کر کوٹ پتلی کے نواحی علاقے سے فرار ہوئے تھے اسے گرفتار کرلیا گیا ہے۔ ان دونوں آتنک وادیوں کو کھتین میں اکٹھے دیکھا گیا تھا۔ ایک مرد اور ایک ناری۔ اس کے بعد وہ دونوں شاید الگ الگ سفر کرتے رہے۔ پولیس آفیسر کے کہنے کے مطابق ہو سکتا ہے وہ دونوں ہنومان گڑھ پہنچ چکے ہوں۔ یہاں سے باہر جانے والے تمام راستوں کی پولیس نے ناکہ بندی کر دی ہے۔ ریلوے اسٹیشن پر بھی پہرہ بٹھا دیا گیا ہے۔ پولیس کا خیال ہے کہ شاید وہ لوگ کسی مندر میں پناہ لینے کی کوشش کریں۔ اس لئے تمام چھوٹے بڑے مندروں کو بھی خبردار کر دیا گیا ہے۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''ہمیں جیسے ہی پتہ چلا کہ تم دو اجنبیوں کو اپنے گھر لے آئی ہو تو ہم فوراً یہاں چلے آئے تاکہ تمہیں ان آتنک وادیوں کے بارے میں خبردار کر دیں۔''

''بڑی مہربانی مہاراج'' کستوری بولی۔ ''آپ تو مہمان ہیں جو اپنی داسی کا بھی اتنا خیال رکھتے ہیں۔''

''تمہارا خیال ہم نہیں رکھیں گے تو اور کون کرے گا۔'' رام اوتار نے کہتے ہوئے اس نے اپنے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔

کستوری نے ساڑھی کا پلو اس طرح لپیٹ رکھا تھا کہ اس کا سینہ اور گلے کا وہ حصہ بھی چھپ گیا تھا جہاں خراشیں لگی تھیں۔ اس کے چہرے پر بھی اگرچہ دو تین خراشیں تھی لیکن رام اوتار نے شاید اس پر توجہ نہیں دی تھی۔ لیکن اس نے کستوری کو بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تو ساڑھی کا پلو اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اس کا سینہ برہنہ ہو گیا۔

''یہ کیا ہوا؟'' رام اوتار خراشیں دیکھ کر چونک سا گیا۔

''تمہارے شریر پر یہ خراشیں کیسی ہیں۔''

''دیال شنکر مہاراج!'' کستوری بولی۔ ''آپ جانتے ہیں دیال شنکر پر مجھ پر بری نگاہ رکھتا ہے۔ میں نے مہمانوں کے لئے بھوجن لانے کو کہنے گئی تو اس نے موقع پا کر مجھے دبوچ لیا تھا۔ میں بڑی مشکل سے اپنے آپ کو بچا سکی تھی۔''

''کہاں ہے دیال شنکر؟'' رام اوتار کی آنکھیں کچھ اور سرخ ہو گئیں۔ ''وہ مہمانوں کے ساتھ گیا ہے مہاراج' انہیں اسٹیشن پر چھوڑنے کے لئے۔'' کستوری نے جواب دیا۔

''اسے آنے دو' ہم اس کی کھال ادھیڑ دیں گے۔'' رام اوتار نے کہا اور کستوری کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔

''اس وقت نہیں مہاراج' میرا جی اچھا نہیں ہے۔'' کستوری نے مزاحمت کرتے ہوئے بولی۔ ''آج میں آرام کرنا چاہتی ہوں' کل.....!''

''تم جانتی ہو ہم انتظار نہیں کر سکتے۔'' رام اوتار نے کہتے ہوئے اسے دبوچ لیا۔

میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ میں نے اپنے جسم کا بوجھ ایک پیر سے دوسرے پر منتقل کرنے کی کوشش کی تو ہل کر رہ گیا۔ میں اس وقت بھول گیا تھا کہ کرسی کے ہتھوں پر رکھے ہوئے تختے پر کھڑا ہوں۔ میرے حرکت کرنے سے تختہ ہل گیا تھا۔ میں نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہو سکا۔ تختہ ایک طرف سرکتا چلا گیا اور دوسرے ہی لمحہ میں نیچے گرا۔ کرسی بھی الٹ گئی تھی۔ جس سے اچھی خاصی آواز پیدا ہو گئی تھی۔

''یہ۔ یہ آواز کیسی تھی۔ کون ہے ادھر؟''

رام اوتار کی چونکتی ہوئی آواز سنائی دی۔ میں دم سادھے اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ سمترا بھی سانس روکے دیوار کے ساتھ چپکی کھڑی تھی۔

''بلی ہو گی مہاراج!'' کستوری کی آواز سنائی دی۔ ''اس کمرے میں کھانے کے خالی برتن رکھے ہوئے ہیں۔ کوئی بلی گھس گئی ہو گی کمرے میں' آپ چنتا نہ کریں۔ آئیں یہاں مسہری پر بیٹھ جائیں۔''

چند سیکنڈ پہلے کستوری رام اوتار سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی۔ اور اب اسے مسہری پر بیٹھنے کی دعوت

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

دے رہی تھی۔ بہت ذہین تھی وہ۔

چند منٹ گزر گئے۔ دوسرے کمرے سے کھسر پھسر کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ میں نے ایک بار پھر تختہ کرسی پر رکھا اور اوپر کھڑے ہو کر دوسری طرف جھانکنے لگا۔ میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ کستوری ریچھ کے شکنجے میں تھی۔ میں آہستگی سے کرسی سے نیچے اتر آیا اور سمترا کے قریب دیوار کے ساتھ چپک کر کھڑا ہو گیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد دوسرے کمرے کا دروازہ کھلا اور کستوری کی آواز سنائی دی۔

''آپ چنتا نہ کریں مہاراج' میں اس بات کا خیال رکھوں گی اور آئندہ کسی اجنبی کو گھر لے کر نہیں آؤں گی۔''

رام اوتار نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آنگن کے پختہ فرش پر کھڑاؤں کے گھسٹنے کی آواز سنائی دیتی رہی۔ پھر باہر کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنائی دی اور میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ میں نے دروازہ کھول دیا۔

کستوری دروازہ بند کر کے تیزی سے اس طرف آرہی تھی۔ اس دوران سمترا بھی کمرے سے باہر آچکی تھی۔ اس کا چہرہ وحشت زدہ سا تھا۔

ہم تینوں ایک ساتھ ہی کستوری والے کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ کستوری نے بستر کی چادر اٹھا کر ایک طرف پھینک دی اور مسہری کے میٹرس پر گر کر گہرے گہرے سانس لینے لگی ہیں میں نے معنی خیز نگاہوں سے سمترا کی طرف دیکھا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔

''اس حرامی کو شبہ ہو گیا ہے۔'' کستوری اٹھتے ہوئے بولی۔

''اس لاش کو ٹھکانے لگانا ہوگا۔''

'''کیا لاش کو مندر کے دروازے پر ڈال دیا جائے۔'' میں نے کہا۔

''نہیں....'' کستوری نے نفی میں سر ہلایا۔ ''بستی کے پچھلی طرف ایک گندا نالہ ہے۔ لاش کو چادر میں لپیٹ کر نالے میں پھینک دیا جائے۔ لیکن ابھی نہیں' نہیں کچھ انتظار کرنا پڑے گا۔''

لاش کو ٹھکانے لگانا کوئی مسئلہ نہیں تھا لیکن رام اوتار کی باتوں سے مجھے کچھ اور پریشانی ہو گئی تھی۔ پولیس کو ہنومان گڑھ میں ہماری موجودگی کا شبہ تھا اور شہر سے باہر جانے والے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر دی گئی تھی۔ پولیس کو یہ بھی شبہ تھا کہ ہم کسی مندر میں پناہ لے سکتے ہیں۔ اس لئے تمام مندروں کے پروہتوں اور پجاریوں کو متنبہ کر دیا گیا تھا کہ وہ کسی بھی مشتبہ شخص کو دیکھیں تو پولیس کو اطلاع دیں۔

اس لحاظ سے یہ اچھا ہی ہوا تھا کہ کستوری سے ہماری ملاقات ہو گئی اور وہ مجھے اپنے گھر لے آئی تھی۔ سمترا کو بھی اس نے مجبوراً برداشت کر لیا تھا۔ وہ مجھے اپنی غرض سے یہاں لائی تھی اور میں نے بہت واضح الفاظ میں اسے خبردار کر دیا تھا کہ اگر اس نے سمترا کے ساتھ کوئی زیادتی کرنے کی کوشش کی تو اس کے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔

کستوری کے ہاں پناہ مل جانا بھی غنیمت تھا۔ اگر اس سے ملاقات نہ ہوتی تو ہم حالات کی سنگینی سے بے خبر رہتے اور یا تو رات گزارنے کے لئے کسی سرائے وغیرہ کا رخ کرتے یا گیارہ بجے والی ٹرین پر

سوار ہونے کے لئے ریلوے اسٹیشن پہنچ جاتے۔ دونوں صورتیں ہمارے لئے خطرناک ہوتیں۔ لیکن کستوری نے ابھی تک یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ مجھ سے کیا کام لینا چاہتی ہے۔ بقول کستوری کے وہ اس کام کے لئے کسی مقامی آدمی سے بھی مدد لے سکتی تھی۔ مگر اسے اپنے مقامی لوگوں پر بھروسہ نہیں تھا۔ اس کی ایک مثال تو میں نے دیکھ لی تھی اس نے دیال شنکر کو اعتماد میں لے کر اس سے مدد لینے کی کوشش کی تھی مگر دیال شنکر اسے بلیک میل کر کے اس سے خوبصورت کھلونے کی طرح کھیلتا رہتا تھا اور اس نے میرے ساتھ مل کر دیال شنکر کا کانٹا ہی نکال دیا تھا۔

لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آسکتی تھی۔ اس نے مجھے پہچانا کس طرح تھا۔ میرے مخالفین میں بیلا واحد ہستی تھی جو مجھے پہچانتی تھی۔ میں نے ہر اس شخص کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا جو مجھے شناخت کر سکتا تھا۔ مجھے یاد نہیں آرہا تھا کہ دیال شنکر کبھی میرے سامنے آیا ہو اور پھر یہ مسئلہ سمترا نے حل کر دیا۔

''دیال شنکر نے تمہیں نہیں مجھے پہچان لیا تھا۔'' وہ کہہ رہی تھی۔ ''جب میں ماؤنٹ آبو میں اکال شوار مندر میں پنڈت بھیرو کے پاس تھی تو دیال شنکر بھی وہاں آگیا تھا اور اس نے بہت جلد پنڈت بھیرو کا اعتماد حاصل کر لیا تھا۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ''انہی دنوں تم بھی مندر میں آگئے تھے۔ تم مندر کے ساتھ والے بنگلے میں تھے۔ اس نے تمہیں تو نہیں دیکھا تھا مگر اسے کسی طرح پتہ چل گیا تھا کہ پنڈت بھیرو نے مجھے اور شیلپا کو اپنے کسی خاص مہمان کی سیوا کے لئے اس بنگلے میں بھیج دیا ہے۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''جب ناگ راج کے آدمیوں نے مندر پر حملہ کیا تو دیال شنکر اس وقت مندر میں موجود نہیں تھا۔ میں اور پنڈت بھیرو بھی اس بنگلے سے فرار ہو کر شہر والے بنگلے میں آگئے اور اس کے بعد یہ بات پورے شہر میں پھیل گئی کہ ہم پاکستانی دہشت گرد کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اور اس کے ساتھ روپوش ہوئے ہیں۔''

''تمہارے ساتھ ہمیشہ ایک عورت کا ذکر آتا رہا ہے۔ بعد میں اس عورت یعنی رتنا کا نام بھی لیا جانے لگا تھا۔ لیکن ہر شخص نہیں جانتا تھا کہ وہ عورت کون تھی۔ عام لوگوں کے لئے وہ ایک عورت تھی۔''

''اور اب اس نے مجھے یہاں تمہارے ساتھ دیکھا تو وہ سمجھ گیا کہ تم وہی دہشت گرد ہو جس کی پولیس کو تلاش ہے اور جو بہت ہی خطرناک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ دہشت زدہ سا ہو کر چیختا ہوا بھاگ نکلا۔ مگر یہی خوف اسے کھا گیا۔ اگر وہ ہمیں دیکھ کر شناسائی ظاہر کئے بغیر خاموشی سے نکل جاتا تو شاید اس کے بجائے ہماری لاشیں ننگی ہوتیں۔''

''بہر حال....!'' میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا ''ہم ایک بڑی مصیبت سے بچ گئے۔ لیکن میرے خیال میں یہ جگہ ہمارے لئے محفوظ نہیں۔ جس طرح رام اوتار منہ اٹھائے یہاں چلا آیا تھا کوئی اور بھی آسکتا تھا۔ لگتا ہے کستوری یہاں کے مردوں میں کافی پاپولر ہے۔''

میری اس بات پر کستوری کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔

''اور یہ پاپولرٹی میرے لئے عذاب بنی ہوئی ہے۔'' اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''مجھے مال مفت سمجھا جاتا ہے۔ جس کا جب دل چاہتا ہے منہ اٹھائے چلا آتا ہے۔ لوگ کسی کی مجبوریوں کو

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

نہیں سمجھتے۔بعض تو مجھے ڈرا دھمکا کر اپنا الوسیدھا کر لیتے ہیں۔اور بعض میری کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔"

"میں سمجھتا ہوں اس میں کچھ غلطی تمہاری بھی ہے۔" میں نے کہا۔

"کچھ نہیں' بہت زیادہ۔" کستوری بولی۔"اگر میں شروع میں کمزوری نہ دکھاتی اور عورت بن کر ڈٹ جاتی تو آج مجھے ایسی صورتحال کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔"

"یہاں تو ہم اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتے۔کیا تمہاری نظروں میں....؟"

"اوہ....؟" وہ میری بات کاٹتے ہوئے بولی۔"تم نے پہلے بھی یہ بات کہی تھی اور میں اس سلسلے میں تمہیں بتانا چاہتی تھی۔" وہ اٹھ کر الماری کی دراز میں کچھ تلاش کرنے لگی۔پھر چابیوں کا ایک گچھا نکال کر دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔"میرے پاس ایک اور ٹھکانہ ہے۔" وہ چابیوں کا گچھا دکھاتے ہوئے بولی۔"شرمیلا بائی کے مکان کی چابیاں میرے پاس ہیں۔وہ بھرت پور گئی ہوئی ہے۔ہم چند روز اس کے گھر رہ سکتے ہیں۔"

"شرمیلا بائی کون...؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ایک رقاصہ ہے' میری جاننے والی۔ وہ ایک ایسی ہستی ہے جس پر میں ہر طرح سے اعتماد کر سکتی ہوں۔" وہ رقاصہ ہے۔لیکن کبھی ایک جگہ پر ٹک کر نہیں بیٹھتی۔" کستوری نے جواب دیا۔"وہ چونکہ یہیں پیدا ہوئی اور یہیں پلی بڑھی تھی اس لئے اس نے ہندوستان گڑھ سے اپنے قدم نہیں اکھڑنے دیئے۔وہ مختلف شہروں میں گھومتی رہتی ہے۔کبھی نائٹ کلبوں میں' کبھی ہوٹلوں میں اور کبھی نوٹنکیوں میں رقص کے پروگرام کرتی رہے لیکن ہر دوسرے تیسرے مہینے چند روز کے لئے یہاں ضرور آتی ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔"شرمیلا سے میری دوستی بہت پرانی ہے۔ہم دونوں جب بھی یہاں ہوتی ہیں دو چار دن اکٹھی ضرور رہتی ہیں کبھی میں اس کے گھر اور کبھی وہ میرے گھر۔ میرے گھر کی چابیاں اس کے گھر میں رہتی ہیں اور اس کے گھر کی چابیاں میرے گھر۔" اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی چابیوں کا گچھا دکھایا۔"پہلی مرتبہ جب میں یہاں آئی تھی تو میری اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ انہیں دنوں بھرت پور کے ایک نائٹ کلب سے اس کا تین مہینے کا معاہدہ ہوا تھا۔آج کل وہیں ہے۔تقریباً ایک مہینہ گزر چکا ہے۔مزید دو مہینے وہیں رہے گی۔"

"کیا اس کا مکان بھی کسی ایسی ہی کچی بستی میں ہے۔" میں نے پوچھا۔

"نہیں...." کستوری مسکرا دی۔"میں ہی دوسروں کے تسلط میں رہی ہوں' شرمیلا آزاد ہے۔ شرمیلا کا مکان جدی پشتی ہے جو عرصہ پہلے ٹوٹ پھوٹ چکا تھا لیکن چند مہینے پہلے شرمیلا نے بڑی رقم خرچ کر کے اسے مرمت کروایا ہے۔جتنی رقم اس نے اس مکان کی مرمت پر لگائی ہے اتنی رقم میں تو وہ نیا مکان بنا سکتی تھی۔ہم آج ہی رات اس مکان میں منتقل ہو جائیں۔"

"لیکن تمہارے جاننے والوں کو پتہ چل جائے گیا کہ تم کہاں رہ رہی ہو۔اس طرح کیا وہ جگہ بھی ہمارے لئے غیر محفوظ نہیں ہو جائے گی۔" میں نے کہا۔

"صرف دو تین دن...." کستوری بولی۔"اس دوران تم میرا کام کر دو گے اور تمہارے لئے بھی

خطرہ کسی حد تک ٹل جائے گا۔تم دونوں اپنے راستے پر چلے جانا اور میں اپنا ٹھکانا تلاش کر لوں گی۔"

"تم نے ابھی تک وہ کام نہیں بتایا۔" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"دیال شنکر کی لاش ٹھکانے لگانے کے بعد بتاؤں گی۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل کی دراز میں کچھ تلاش کرنے لگی۔

باتوں کے دوران وہ مسلسل اپنے بدن پر خراشوں کو سہلاتی رہی تھی۔سمترا کا ہاتھ بھی بار بار اپنے گلے اور چہرے کی طرف اٹھ رہا تھا۔کستوری نے ڈریسنگ کی دراز سے لوشن کی ایک بوتل نکال لی۔یہ اینٹی سپٹک لوشن تھا۔پہلے اس نے کاٹن سے اپنی خراشوں پر لوشن لگایا۔پھر لوشن کی بوتل اور کاٹن کا ایک ٹکڑا سمترا کی طرف بڑھا دیا۔سمترا نے کاٹن کا ٹکڑا بھگو کر جیسے ہی چہرے کی ایک خراش پر رکھا اس کے منہ سے سسی کی آواز نکل گئی۔لیکن اس کے بدن پر جہاں جہاں خراشیں تھیں وہاں لوشن لگانا پڑا۔

کستوری کمرے سے باہر آ گئی۔میں بھی اس کے پیچھے ہی چلا آیا تھا۔ہم دونوں برآمدے میں کھڑے تھے۔ہر طرف سناٹا تھا کسی وقت کسی آوارہ کتے کے بھونکنے کی آواز سنائی دے جاتی اور پھر خاموشی چھا جاتی۔

ہم تقریباً پندرہ منٹ تک وہاں کھڑے رہے اور پھر دور کہیں کسی گھڑیال کی آواز نے ایک بار پھر رات کا سکوت توڑ دیا۔میری تمام تر توجہ گھڑیال کی آواز پر تھی۔

بارہ بجے تھے۔ہوسکتا ہے شہر کے کسی حصے میں اب بھی کچھ رونق ہو لیکن اس کچی بستی کی فضا پر قبرستان کی سی خاموشی تھی۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔" کستوری نے میری طرف دیکھتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا۔

"اور وہ لاش....؟" میں نے پوچھا۔

"اس بستی کے پچھلی طرف ایک گندا نالہ ہے ہم دیال شنکر کی لاش کو اس میں پھینک دیں گے۔" کستوری نے جواب دیا۔

ہم دونوں اس کمرے میں آ گئے۔جہاں دیال شنکر کی لاش ننگی ہوئی تھی۔کستوری نے بتی جلا دی۔لاش کا چہرہ کچھ اور بھی بھیانک ہو گیا تھا۔ہم دونوں نے لاش کو نیچے اتار لیا۔کستوری نے بستر کی چادر فرش پر بچھا دی۔لاش کو اٹھا کر چادر پر ڈالا اور اسے باندھ کر گٹھڑی بنا لی۔

سمترا بھی اس کمرے میں آ گئی۔اس نے سوٹ کیس اٹھا لیا۔کستوری نے دونوں کمروں کا تنقیدی جائزہ لیا۔میں لاش کو کندھے پر اٹھا کر کمرے سے باہر آ چکا تھا۔کستوری نے دونوں کمروں کی بتیاں بجھا کر دروازے بند کر دیئے تھے۔اس نے باہر کا دروازہ کھول کر گلی میں جھانکا اور مجھے اشارہ کر دیا۔ میں گٹھڑی کو کندھے پر اٹھائے باہر آ گیا۔سمترا بھی میرے پیچھے ہی تھی۔کستوری نے دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا اور تاریک گلی میں ایک طرف چلنے لگی۔ہم بھی اس کے پیچھے ہی تھے۔

دیال شنکر خاصا بھاری بھرکم آدمی تھا۔مرنے کے بعد اس کی لاش کا وزن کچھ اور بڑھ گیا تھا۔ اس کے بوجھ سے میرا کندھا جھکا جا رہا تھا مگر یہ بوجھ تو مجھے اٹھانا ہی تھا۔میں تیز تیز قدم اٹھاتا رہا۔کستوری

www.pdfbooksfree.pk

میرے آگے اور سمترا میرے پیچھے چل رہی تھی۔

گلیاں تنگ اور تاریک تھیں۔ کستوری میرے آگے آگے چل رہی تھی اس لئے میں بھی بے فکری سے تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ اگرچہ رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی لیکن پھر بھی یہ خوف بہر حال اپنی جگہ موجود تھا کہ اگر اچانک ہی کسی سے سامنا ہو گیا تو کیا کیا جائے گا۔

کستوری ایک اور تنگ سی گلی میں مڑ گئی۔ اس کے ساتھ ہی مجھے شراپ کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ آگے کیچڑ ہے اور کستوری کا پیر کیچڑ میں پڑ گیا تھا۔

"آگے کیچڑ ہے ذرا سنبھل کر آنا۔" کستوری نے مڑ کر سرگوشی میں کہا۔

میں اس کے خبردار کرنے سے پہلے ہی رک گیا تھا۔ میرے کندھے پر لاش کا بوجھ جیسے بڑھتا ہی جا رہا تھا اور میں اس کم بخت کو دوسرے کندھے پر منتقل بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے ایک ہاتھ سے کندھے پر لاش کو سنبھالے رکھا اور دوسرے ہاتھ سے دیوار کا سہارا لے کر ٹٹول ٹٹول کر آگے بڑھنے لگا۔

کیچڑ میں پیر رکھنے سے شراپ شراپ کی ہلکی سی آوازیں ابھر رہی تھیں۔

یہ کیچڑ غالباً اس گلی میں خاصا دور تک تھا۔ چند گز آگے ایک اور تنگ سی گلی بائیں طرف سے اس طرف آ کر ملتی تھی۔ کستوری سیدھی نکل گئی اور میں جیسے ہی بائیں طرف والی گلی کے سامنے پہنچا غراہٹ کی ہلکی سی آواز سن کر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا اور اس سے پہلے کہ میں کچھ سمجھ سکتا ایک کتے نے خوفناک انداز میں بھونکتے ہوئے مجھ پر چھلانگ لگا دی۔

میں ایک دم بدحواس ہو چکا تھا۔ میرا پیر کیچڑ میں پھسلا۔ لاش میرے کندھے سے گر گئی اور میں بھی بلا کی آواز سے کیچڑ میں گرا تھا میں گر جانے کی وجہ سے کتے کی زد میں آنے سے بچ گیا تھا اور وہ اپنی ہی جھونک میں آگے نکل گیا تھا۔

میرے پیچھے سمترا کے منہ سے ایک خوفناک چیخ نکل گئی تھی وہ بھی بدحواس ہو کر مجھ سے ٹکرا کر گر گئی۔ کتا چند گز آگے جا کر واپس پلٹا اور بھونکتا ہوا ایک بار پھر حملہ آور ہوا اور اس مرتبہ سمترا کی ساڑھی کا پلو اس کے منہ میں آ گیا۔

سمترا بری طرح چیخ رہی تھی۔ کتا اس کی ساڑھی کا پلو دانتوں میں دبائے اسے اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ ہم سے آگے کستوری بھی دیوار سے لگی کھڑی چیخ رہی تھی۔

ہم اگرچہ دیال شنکر کی لاش لے کر خاموشی سے اس بستی سے نکل جانا چاہتے تھے مگر کتے کی مداخلت نے معاملہ بگاڑ دیا تھا۔ وہ سمترا کی ساڑھی کا پلو دانتوں میں دبوچے اسے اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ اس خطرناک صورتحال سے نجات کے لئے میرے پاس ایک ہی راستہ تھا۔ میں نے جیب سے پستول نکال لیا اور اس لمحہ ساتھ والے مکان کے صحن سے ایک مردانہ آواز سنائی دی۔

"کون ہے.... گلی میں کون ہے۔"

میں نے گولی چلا دی۔ کتا ڈھیر ہو گیا۔ ساڑھی کا پلو اس کے دانتوں کی گرفت سے چھوٹ گیا اور اس کے منہ سے چیاؤں چیاؤں کی کربناک آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اس کے فوراً ہی بعد اس مکان کے اندر کوئی دروازہ دھڑ سے بند ہونے کی آواز سنائی دی تھی۔

aazzamm@yahoo.com

کستوری دوڑ کر ہمارے قریب آ گئی۔ وہ اگرچہ خود خوفزدہ تھی مگر اس نے سمترا کو سہارا دے کر اٹھایا اور قریب پڑا ہوا سوٹ کیس بھی اٹھا لیا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ دیال شنکر کی لاش یہیں چھوڑ کر بھاگ جاؤں مگر ہم کستوری کے مکان سے زیادہ دور نہیں تھے۔ لاش ملنے کے بعد پنڈت رام اوتار جیسے آدمیوں کے لئے اس لاش کا کستوری سے تعلق ثابت کرنا زیادہ مشکل نہ ہوتا اور پھر ہماری موجودگی بھی راز میں نہیں رہ سکتی تھی۔ اس لاش کو تو ابھی جگہ ٹھکانے لگانا چاہئے تھا جہاں کم از دو چار دن تک اس کا سراغ نہ مل سکے۔

یہ غنیمت تھا کہ قرب و جوار میں کوئی اور کتا نہیں تھا تاہم دور دوسری گلیوں میں کتوں نے بھونکتے ہوئے آسمان سر پر اٹھا لیا تھا۔ قریبی مکان سے کتے کے بھونکنے اور سمترا کی چیخوں کی آواز سن کر کسی نے صورتحال معلوم کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر فائر کی آواز سن کر اس نے بھی کمرے میں گھس کر دروازہ دھڑ سے بند کر لیا تھا اور میرا خیال تھا کہ کسی اور گھر سے بھی کوئی باہر نکلنے کی ہمت نہیں کریگا۔

میں اگرچہ خاصا بدحواس ہو چکا تھا لیکن صورتحال کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے میں نے نیچے جھک کر بڑی مشکل سے کیچڑ میں لتھڑا ہوا لاش والا گٹھڑ کندھے پر اٹھایا اور سمترا اور کستوری کے پیچھے پیچھے تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے چلنے لگا۔

اس کے بعد ہمیں اس قسم کی کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ ہم چند گلیوں میں چکرانے کے بعد بستی کے دوسری طرف نکل آئے۔ گندے نالے کی بدبو سے میرا دماغ پھٹنے لگا۔ وہ نالہ خاصا گہرا اور تقریباً سوفٹ چوڑا تھا۔ اس کے دوسری طرف کافی دور کسی مہذب آبادی کی روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔

میں کستوری کے پیچھے چلتا رہا۔ تقریباً بیس گز چلنے کے بعد ہم ایک پل پر پہنچ گئے۔ نالے پر بنا ہوا پل وہاں سے تقریباً دو سو گز دور تھا۔ یہ تنگ سا عارضی پل پیدل آمدورفت کیلئے بنایا گیا تھا۔ ہم تیز تیز قدموں سے اس پل پر چلتے رہے اور وسط میں پہنچ کر رک گئے۔

یہاں نالہ زیادہ گہرا تھا اور پانی کے تیز بہاؤ کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ میں نے ریلنگ پر جھک کر اپنا بوجھ نیچے پھینک دیا۔ تقریباً پندرہ فٹ نیچے شراپ کی زوردار آواز سنائی دی اور میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔

میں ریلنگ سے ٹیک لگائے گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ میرا لباس کیچڑ میں لت پت اور جسم پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس قسم کی صورت حال سے بھی دوچار ہونا پڑے گا۔ یہاں اگرچہ ٹھنڈی اور تیز ہوا چل رہی تھی مگر نالے کے پانی سے اٹھنے والے تعفن سے میرا دماغ پھٹا جا رہا تھا۔

سمترا اور کستوری بھی ہانپ رہی تھیں۔ ہم زیادہ دیر وہاں نہیں رک سکتے تھے۔ دو منٹ بعد ہم پل پر آگے کی طرف چلنے لگے۔

میرے جوتوں میں بھی کیچڑ یا پانی بھر گیا تھا۔ جس سے چلنے میں الجھن اور دشواری ہو رہی تھی۔ سمترا ننگے پیر تھی۔ وہ جب کیچڑ میں گری تھی تو چپل کیچڑ میں دھنس گئے تھے۔ کتے کے حملے سے وہ اس قدر بدحواس اور خوفزدہ ہو گئی تھی کہ چپل تلاش کرنے کا ہوش ہی نہیں رہا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

پل کے دوسری طرف نالے کے کنارے پر دور دور تک کوڑے کے ڈھیر لگے ہوئے تھے اور ان ڈھیروں میں کہیں کہیں سے دھواں بھی اٹھ رہا تھا۔ شہر کا صفائی کرنے والا عملہ کوڑا یہاں ڈھیر کر کے اس میں آگ لگا دیتا تھا اور اس طرح یہاں سے اٹھنے والا دھواں پورے شہر کی فضا کو متاثر کرتا تھا۔

کوڑے کے ان ڈھیروں سے آگے غالباً کھیل کا میدان تھا۔ جس کے دوسری طرف مکانوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ یہ آبادی گنجان نہیں تھی۔ پرانے طرز کے مکان تھے اور ہر مکان کے ساتھ لمبا چوڑا کمپاؤنڈ تھا۔ اس طرح ان مکانوں کے بیچ خاصا فاصلہ تھا۔

کستوری ایک گلی میں داخل ہو کر بائیں طرف مڑ گئی۔ کافی کشادہ گلی تھی۔ جو زیادہ طویل ثابت نہیں ہوئی۔ اس کے اختتام پر بہت چوڑی سڑک تھی۔ اس سڑک پر سامنے کی طرف حویلی نما پرانی طرز کے مکانات تھے۔ جن کی دیواریں خاصی اونچی تھیں۔ کسی کسی گیٹ کے اندر کافی دور عمارت میں کہیں روشنی نظر آ جاتی۔

کستوری ایک ایسے مکان کے سامنے رک گئی جس کی باؤنڈری وال پانچ چھ فٹ سے زیادہ نہیں تھی۔ گیٹ بھی پرانی طرز کا نہیں بنگلے کی طرح نئی طرز کا تھا۔ باؤنڈری وال کے دوسری طرف لاتعداد درخت تھے اور ان درختوں کے پیچھے وہ عمارت تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔

گیٹ کے سامنے رک کر کستوری نے چابیوں کا گچھا نکالا اور پھر ایک چابی منتخب کر کے ذیلی دروازہ کھولنے لگی۔ ہمارے اندر داخل ہونے کے بعد اس نے گیٹ بند کر دیا۔

درختوں کے درمیان بجری کی وہ روش خاصی طویل تھی۔ جس کے اختتام پر وہ حویلی نما عمارت تھی جو زیادہ بڑی نہیں تھی۔ پورچ میں بائیں طرف بالکل آخر میں کوئی گاڑی بھی کھڑی تھی۔

"یہاں کوئی ہے کیا؟" میں نے کستوری کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔

"نہیں، تمہیں یہ شبہ کیوں ہوا؟" کستوری نے پوچھا۔

"وہ گاڑی...." میں نے اس طرف اشارہ کیا۔

"اوہ.... وہ" کستوری پورچ میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔ "شرمیلا کی ہے لیکن استعمال کے قابل نہیں رہی۔ عرصہ سے یہاں کھڑی ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی۔ پھر بولی۔ "تم نے یہ تو سنا ہی ہوگا کہ راجے مہاراجے اپنی شان بڑھانے کے لئے اپنے دروازے پر ہاتھی باندھا کرتے تھے۔ ہاتھیوں کا دور تو اب گزر چکا ان کی جگہ گاڑیوں نے لے لی۔ تو یہ سمجھ لو کہ شرمیلا نے بھی اپنی شان بڑھانے کے لئے یہ کھٹارا یہاں کھڑی کر رکھی ہے دیکھنے والوں پر کچھ رعب تو پڑتا ہے۔"

باتیں کرتے ہوئے اس نے پورچ والا دروازہ بھی کھول دیا تھا۔ وہ کچھ دیر تک دیوار ٹٹولتی رہی۔ پھر چٹ کی ہلکی سی آواز ابھری اور وہ جگہ روشن ہو گئی۔

یہ ایک کشادہ راہداری تھی جس کے اختتام پر ایک مختصر سا ہال تھا۔ کستوری بتی جلا کر ہماری طرف دیکھے بغیر آگے بڑھ گئی اور ہال کمرے میں پہنچ کر بھی بتی جلا دی۔ اتنے میں ہم بھی اس کے قریب پہنچ گئے۔ کستوری نے مڑ کر ہماری طرف دیکھا اور دوسرے ہی لمحہ اس کے حلق سے قہقہے ابل پڑے۔ ایک لمحہ کو مجھے شبہ ہوا کہ کہیں اس کا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔ لیکن یہ قہقہے لگانے کی وجہ میری سمجھ میں آ گئی۔

میں نے سمترا کی طرف دیکھا اس کا لباس تو کیچڑ میں لت پت تھا ہی ہاتھ منہ اور چہرہ بھی لتھڑا ہوا تھا اور غالباً ایسی ہی حالت میری بھی تھی۔ یوں تو کستوری کا لباس اور ہاتھ بھی کیچڑ آلود تھے مگر اس کا چہرہ بچا ہوا تھا۔

"اب مجھے اپنے آپ سے گھن آنے لگی ہے۔" میں نے کستوری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے باتھ روم کا راستہ بتاؤ۔"

کستوری مجھے ایک کمرے میں لے آئی اور باتھ روم کے دروازے کی طرف اشارہ کر دیا۔

"تم یہاں اپنا حلیہ درست کر لو۔ میں سمترا کو دوسرے باتھ روم میں لے جاتی ہوں۔" وہ کہتے ہوئے کمرے سے باہر چلی گئی۔

میں نے کمرے کا دروازہ بھی بند نہیں کیا اور باتھ روم میں گھستے ہی کپڑے اتار کر پھینک دیئے اور شاور کھول دیا۔ باتھ روم کا دروازہ بھی کھلا ہی رہنے دیا تھا۔

میں کافی دیر تک شاور کے نیچے کھڑا رہا۔ بدن پر سے کیچڑ بہہ جانے کے بعد میں نے ادھر ادھر دیکھا اور صابن اٹھا کر جسم پر رگڑنے لگا۔

میں تقریباً آدھا گھنٹہ شاور کے نیچے کھڑا رہا پھر پانی بند کر کے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ باتھ روم میں شیشے کے دروازے والا ایک کیبنٹ بھی تھا جس میں مختلف اقسام کے لوشن، کریمیں اور اسپرے رکھے ہوئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی تولیہ اسٹینڈ بھی تھا مگر اس پر تولیہ نہیں تھا۔

میں باتھ روم سے نکل آیا اور بیڈ پر بچھی ہوئی چادر اٹھا کر جسم پر لپیٹ لی اور کمرے سے باہر آ گیا۔

سامنے والے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور بتی جل رہی تھی میں نے اندر جھانک کر دیکھا۔ کوئی دکھائی تو نہیں دیا البتہ بائیں طرف باتھ روم سے سمترا اور کستوری کے ہنسنے کی ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں ہال کمرے میں آ کر ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ دونوں اس کمرے سے برآمد ہوئیں۔ دونوں نے شرمیلا بائی کے کپڑے پہن رکھے تھے۔ شرمیلا غالباً خاصی صحت مند قسم کی عورت ہوگی کیونکہ سمترا کے جسم پر وہ کپڑے خاصے ڈھیلے لگ رہے تھے۔

"لاش کا بوجھ اٹھائے رہنے سے میرے کندھے دکھنے لگے ہیں۔ لگتا ہے زندگی میں اس کم بخت کو وزن بڑھانے کے سوا کوئی اور کام ہی نہیں تھا۔" میں نے ایک ہاتھ سے بایاں کندھا دباتے ہوئے کہا۔

"تھکن دور کرنے کے لئے اس وقت چائے کی شدید طلب ہو رہی ہے لیکن ظاہر ہے اس وقت یہاں ایسی کوئی چیز نہیں مل سکتی۔"

"مل سکتی ہے۔" کستوری مسکرا دی۔ "شرمیلا میری طرح لاابالی نہیں ہے وہ گھر میں ہر چیز کا بندوبست رکھتی ہے تاکہ جب واپس آئے تو کوئی پریشان نہ ہو۔ لیکن...."

"لیکن کیا؟" میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

"چائے پاؤڈر کی ملے گی۔" اس نے کہا۔

"اس وقت تو بغیر دودھ کی بھی مل جائے تو بہت بڑی بات ہوگی۔" میں نے کہا۔

کستوری ہال کے بائیں طرف ایک دروازے میں غائب ہوگئی۔ سمترا میرے سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے پر اب بھی خوف کے ہلکے سے سائے نظر آرہے تھے۔ وہ خاموش بیٹھی میری طرف تکتی رہی۔

پندرہ بیس منٹ بعد کستوری چائے بنا کر لے آئی اور پھر چائے کے ساتھ باتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ہم اس صورت حال پر تبصرہ کررہے تھے جس سے ابھی گزر کر آئے تھے۔

"دیال شنکر کی لاش مل گئی تو سب سے پہلا شبہ تم پر ہوگا۔" میں نے کستوری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "پنڈت رام اوتار کو معلوم ہے کہ وہ تمہارے پاس آیا تھا اور تم نے اسے بتایا تھا کہ وہ مہمانوں کو چھوڑنے کے لئے اسٹیشن پر گیا ہوا ہے اور جب لاش ملے گی تو..."

"یہ بات صرف رام اوتار جانتا ہے کہ دیال شنکر میرے پاس آیا تھا۔" کستوری نے میری بات کاٹ دی۔ "اور میں جانتی ہوں کہ رام اوتار جیسے حرامی شخص کی زبان کیسے بند رکھی جاسکتی ہے۔"

"ہاں... وہ تو میں اچھی طرح جان گیا ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "لیکن وہ بات کیا ہے' میرا مطلب ہے وہ کام جس کے لئے تم نے ہمیں پناہ دی ہے۔"

"وہ کام بھی اس حرامی سے متعلق ہے۔" کستوری نے کہا اور سمترا کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ شاید اس کے سامنے کچھ کہتے ہوئے جھجک رہی تھی۔ "میرا خیال ہے تمہیں نیند آرہی ہے چلو میں تمہیں کمرے میں چھوڑ آؤں بلکہ تم اس کمرے میں چلی جاؤ۔"

سمترا نے میری طرف دیکھا میں نے اشارہ کردیا۔ وہ کچھ کہے بغیر اٹھ کر اس کمرے کی طرف چلی گئی۔

"ہاں... اب بتاؤ کیا قصہ ہے۔" میں نے سوالیہ نگاہوں سے کستوری کی طرف دیکھا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے قریب آگئی۔ میں نے چادر پوری طرح اپنے جسم پر لپیٹ رکھی تھی۔

"بات یہ ہے..." وہ میری طرف جھکتے ہوئے بولی۔ "پنڈت رام اوتار تقریباً تین سال پہلے یہاں آیا تھا۔ اس نے پتہ نہیں کیا کیا کہ مندر کا پہلا پروہت پنڈت شیام کندن اپنی گدی اسے سونپ کر چلا گیا۔ اس کے بعد نہ تو اسے کبھی دیکھا گیا اور نہ ہی اس کے بارے میں کچھ سنا گیا۔"

"یہ مندر اگرچہ ہے تو چھوٹا سا مگر یہاں آمدنی بہت ہے۔ پنڈت رام اوتار نے کروڑوں روپے مالیت کا سونا اور قیمتی چیزیں جمع کررکھی ہیں۔ وہ بہت عیاش آدمی ہے۔ اس نے اس مندر کو جرائم اور عیاشی کا اڈہ بنا رکھا ہے۔ پولیس بھی اس کی مٹھی میں ہے۔ شہر کے بڑے بڑے لوگ عیاشی کے لئے یہاں آتے ہیں۔ انہیں گھروں پر بھی لڑکیاں سپلائی کی جاتی ہیں مندر میں آنے والی کوئی بھی خوبصورت لڑکی ان سے بچ کر نہیں جاسکتی۔ کئی مرتبہ بات پولیس اور اعلیٰ پولیس افسران تک بھی پہنچی لیکن رام اوتار کا کبھی کچھ نہیں بگڑا البتہ فریاد کرنے والوں کو ہی ڈرا دھمکا کر زبان بند رکھنے پر مجبور کردیا جاتا ہے۔

"رام اوتار سے میں نے بھی بڑی ذلت اٹھائی ہے۔ چند گھنٹے پہلے تم دیکھ چکے ہو کہ وہ مجھے کس طرح اپنی جاگیر سمجھتا ہے۔ تین سال پہلے جب اس نے پہلی مرتبہ میرے ساتھ زیادتی کی تھی تو میں نے اس کی شکایت ایک بڑے آفیسر سے کردی تھی لیکن یہ سنسنی خیز انکشاف ہوا کہ اس وقت رام اوتار بھی اس آفیسر کے بنگلے کے ایک کمرے میں موجود تھا وہ آفیسر مجھے اس کمرے میں لے گیا تو میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔"

"پنڈت رام اوتار ایک صوفے پر بیٹھا ہوا تھا اور ایک لڑکی اسے شراب پلا رہی تھی۔ میں بھی ان کے چنگل میں پھنس گئی۔

"مجھے اعتراف ہے کہ میرے ساتھ شروع ہی سے زیادتیاں ہوتی رہی ہیں۔ ہمدردی جتا کر مجھے ہوس کا نشانہ بنایا جاتا رہا ہے۔ کبھی بہن کہہ کر مجھے روندا گیا اور کبھی بیٹی بنا کر مجھے پامال کیا گیا۔ لیکن جتنی ذلت مجھے اس حرامی پنڈت کے ہاتھوں اٹھانا پڑی ہے وہ میں کبھی نہیں بھول سکتی۔ یہ مجھے بڑے بڑے افسروں کی خدمت میں پیش کرتا رہا۔ ان دنوں میں بڑی مشکل سے یہاں سے جان بچا کر بھاگی تھی۔"

"اب میں مہینے میں ایک مرتبہ یہاں آتی ہوں۔ اسے پتہ چل جاتا ہے اور اسی رات شیطان کی طرح ٹپک پڑتا ہے۔ دوسروں کے سامنے مجھے بیٹی کہتا ہے لیکن یہ شیطان سے بھی بڑا شیطان ہے۔"

"اس کا اندازہ میں لگا چکا ہوں۔" میں نے کہا "تم وہ بات کہو جو کہنا چاہتی ہو۔"

"رام اوتار نے بڑی دولت جمع کر رکھی ہے۔" کستوری نے کہا۔ "کروڑوں کا سونا ہوگا۔ جو اس نے تہہ خانے میں چھپا رکھا ہے۔ میں بہت عرصہ سے اس سے یہ دولت چھیننے کا منصوبہ بنا رہی ہوں۔ لیکن مجھے بھروسے کا کوئی آدمی نہیں مل رہا۔ میں جانتی ہوں جس کو بھی ساتھ ملاؤں گی وہ دولت حاصل کرلینے کے بعد مجھے ہی موت کے گھاٹ اتار دے گا اور سب کچھ لے کر فرار ہوجائے گا۔ میں نے دیال شنکر کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی تھی وہ میرے قرب کا خواہش مند تھا کئی مرتبہ کوشش بھی کرچکا تھا مگر میں نے ہر مرتبہ اسے دھتکار دیا تھا اور پھر میں نے اس سے یہ کام لینے کا فیصلہ کرلیا۔ لیکن نتیجہ بالکل برعکس نکلا۔ میرا منصوبہ جان لینے کے بعد اس نے مجھے دھمکی دی کہ اگر میں نے اس کا مطالبہ پورا نہیں کیا تو وہ پنڈت کو میری سازش سے آگاہ کردے گا۔ اب میں اس بھیانک کے چنگل میں بھی پھنس چکی تھی۔ وہ جب چاہتا مجھے دھمکا کر اپنی خواہش پوری کرلیتا مجھے ایسے کریہہ اور بدہیت لوگوں کو دیکھ کر ہی گن آتی ہے۔ مگر میں ان کا کھلونا بننے پر مجبور ہوں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "تم سے بس میں ملاقات ہوئی تو نجانے مجھے یہ یقین سا کیوں ہوگیا۔ کہ تم مجھے دھوکہ نہیں دے سکتے۔ اس لئے میں نے تمہیں اپنے ساتھ چلنے کی پیشکش کی تھی اور اب میری دوسری پیش کش یہ ہے کہ اگر تم میرا ساتھ دو تو پنڈت رام اوتار کی دولت میں سے آدھا حصہ تمہارا۔ تمہارے پاس دولت ہوگی تو تم آسانی سے اس ملک سے نکل سکو گے۔ تمہیں قدم قدم پر پولیس کا سامنا ہے اور آگے بھی ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ لیکن ہندوستان کے پولیس والوں کو گھوس کھانے کا بہت شوق ہے۔ وہ حرام کی کمائی پر پل رہے ہیں۔ تمہارے پاس دولت ہوگی تو کوئی تمہارا راستہ نہیں روک سکے گا۔"

"اور اگر میں تمہاری بات ماننے سے انکار کردوں تو؟" میں نے گہری نظروں سے اس کی طرف

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

دیکھا۔

''تو مجھے کوئی افسوس نہیں ہوگا۔'' اس نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''مجھے اس بات کی تو خوشی ہوگی کہ تم نے مجھے دھوکا دینے کے بجائے صاف گوئی سے کام لیا۔ ایسی صورت میں میں تمہیں نہیں روکوں گی۔ تم جہاں چاہو چلے جانا۔ میں تمہارے راستے کی رکاوٹ بننے کی کوشش نہیں کروں گی۔'' کستوری بات کرتے ہوئے میری طرف جھکی جارہی تھی۔ میں اس سے الگ ہٹ کر بیٹھ گیا اور بڑی توجہ سے اس کی باتیں سنتا رہا۔

☆.....☆.....☆

صبح کا اخبار میرے لئے بہت سی تشویش آمیز خبروں سے بھرا ہوا تھا۔ اس روز ہم صبح دس بجے تک سوتے رہے تھے۔ چائے کا انتظام تو تھا مگر ناشتہ کرنے کے لئے کوئی چیز نہیں تھی۔ کستوری نے پہلے ہمیں چائے بنا کر دی۔

اور پھر ناشتے کا سامان خریدنے کے لئے بازار چلی گئی۔ اس دوران میں نے باتھ روم میں پڑے ہوئے اپنے گندے کیچڑ آلود کپڑے دھو کر باہر دھوپ میں گھاس پر پھیلا دیئے اور بستر کی چادر کو دھوتی کی طرح لپیٹ لیا تھا۔

ایک گھنٹے بد کستوری ناشتے کا سامان لے آئی۔ اس کے پاس دو اخبار بھی تھے۔ ایک تو ہنومان گڑھ ہی سے شائع ہوتا تھا اور دوسرا کوٹ پتلی کا اخبار تھا۔ کوٹ پتلی والے اخبار میں ہمارے حوالے سے سنسنی خیز بات یہ تھی کہ پہلے صفحہ پر سمترا کی تصویر بھی تھی۔

یہ تصویر روپ سیہائے کے ساتھ تھی اور زیادہ پرانی نہیں تھی۔ روپ سیہائے ٹیرس میں گارڈن چیئر پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں شراب یا کسی اور مشروب کا گلاس تھا۔ سمترا کرسی کے ہتھے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا بوجھ روپ سیہائے پر تھا۔ اس نے ایک بازو روپ سیہائے کی گردن میں حمائل کر رکھا تھا۔ سر پر مکالف کیپ تھی۔ آنکھوں پر چشمہ لگا ہوا تھا۔ اور اس کا چہرہ روپ سیہائے کے چہرے سے ملا ہوا تھا۔ اس نے ساڑھی پہن رکھی تھی۔ جس کا پلو نیچے فرش پر لٹکا ہوا تھا۔

میں دیر تک اس تصویر کو غور سے دیکھتا رہا۔ میں چونکہ سمترا کے ساتھ رہتا تھا۔ ایک طویل عرصہ سے ہمارا ساتھ تھا۔ اس لئے میں نے تصویر میں سمترا کو پہچان لیا تھا لیکن میرے خیال میں کسی عام آدمی کیلئے جس نے زندگی میں پہلے کبھی سمترا کو نہ دیکھا ہو یہ تصویر دیکھ کر اسے پہچان لینا آسان نہیں ہوسکتا تھا۔

اس اخبار نے ایک بار پھر میرا ماضی کھنگال ڈالا تھا۔ ماؤنٹ آبو سے کوٹ پتلی تک کی ساری تاریخ دہرادی تھی اور سمترا کے بارے میں بھی یہ انکشاف کیا تھا کہ وہ دراصل میری ہی ساتھی تھی جو کسی طے شدہ منصوبے کے تحت تین مہینے پہلے کوٹ پتلی آ گئی تھی اور روپ سیہائے کے ساتھ رہ رہی تھی اور جب میں کوٹ پتلی پہنچ گیا تو ہم نے روپ سیہائے کو قتل کر کے بھاگنے کی کوشش کی۔ روپ سیہائے تو بچ گیا لیکن میری ساتھی رتنا فرار کی کوشش میں پولیس کے ہاتھوں ماری گئی۔

اخبار میں رتنا کی لاش کی بھی تصویر تھی۔ اس کے بارے میں بھی مختصر سا لکھا ہوا تھا کہ وہ مشرقی پنجاب کی رہنے والی تھی اور میری اس سے پہلے ملاقات ماؤنٹ آبو کے پریم نواس ریسٹورنٹ میں ہوئی تھی۔

اس کے بارے میں اور بھی بہت کچھ لکھا ہوا تھا۔ جس میں زیادہ تر مبالغہ آرائی تھی۔

روپ سیہائے کا بھی بیان تھا۔ اس کی حویلی سے ہمارے فرار کے بعد پولیس نے اسے حراست میں لے لیا تھا لیکن وہ ہمارے خلاف سرکار سے ہر طرح کا تعاون کرنے کو تیار تھا۔ اس لئے اس کو کچھ چھوٹ دے دی گئی تھی۔ اس نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ ہم پنجاب کی طرف نکلنے کی کوشش کریں گے۔ سمترا نے شاید کسی وقت اس سے ایسی کوئی بات کہی ہوگی اس لئے اس نے اپنے بیان میں اس بات پر زور دیا تھا کہ پنجاب کی طرف جانے والے راستوں پر زیادہ توجہ دی جائے۔

سمترا نے بھی یہ خبریں پڑھیں اور روپ سیہائے کے ساتھ اپنی تصویر دیکھ کر تو وہ بدحواس سی ہوگئی تھی۔

کستوری ناشتہ تیار کر کے لے آئی۔ میرا خیال تھا کہ اس نے بازار سے اخبار خرید کر تہہ کر کے رکھ لئے تھے اور ابھی دیکھے نہیں تھے۔ ناشتہ میز پر سجا کر اس نے کوٹ پتلی والا اخبار اٹھالیا۔ پہلے سرخیاں دیکھتی رہی پھر روپ سیہائے اور سمترا کی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

''یہ روپ سیہائے ہے' اسے تو شاید پہلے بھی میں نے کہیں دیکھا ہے۔ پر یہ لڑکی کون ہے؟''

میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ میں نے معنی خیز نگاہوں سے سمترا کی طرف دیکھا پھر کستوری کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''روپ سیہائے ایک عیاش آدمی ہے۔ اس کی زندگی میں نجانے کتنی لڑکیاں آئی ہوں گی۔ اخبار والے روپ سیہائے کی تصویر چھاپنا چاہتے ہوں گے۔ کوئی الگ تصویر نہیں ملی ہوگی۔ انہوں نے یہ چھاپ دی۔

''اگر ایسی بات ہے تو لڑکیوں کے معاملے میں اس کا ذوق اچھا۔'' کستوری بولی۔

میں نے ایک بار پھر معنی خیز نگاہوں سے کستوری کی طرف دیکھا۔ وہ بھی مسکرا کر رہ گئی اور پھر ہم ناشتہ کرنے لگے۔ میں نے کستوری کو اس تصویر کے بارے میں بتانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ اگر تصویر والی لڑکی اس کے لئے اجنبی تھی تو اسے اجنبی ہی رہنا چاہئے تھا ویسے میرا اندازہ درست نکلا تھا۔ جس نے سمترا کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا وہ اس تصویر سے اسے نہیں پہچان سکتا تھا۔

''پنڈت رام اوتار نے کل رات ٹھیک ہی کہا تھا۔'' کستوری نے ڈبل روٹی کے سلائس پر مکھن لگاتے ہوئے کہا۔ 'پولیس نے یہاں سے باہر جانے والے تمام راستوں کی ناکہ بندی کردی ہے۔ گزشتہ رات شہر کے تمام ہوٹل' سرائیں اور گیسٹ ہاؤسز کو بھی چیک کیا گیا ہے۔ ریلوے اسٹیشن کی بھی سخت نگرانی ہو رہی ہے۔ ہر جوان عورت اور مرد پر گہری نگاہ رکھی جارہی ہے۔ شہر سے باہر جانے والی پرائیویٹ گاڑیوں کو بھی چیک کیا جارہا ہے۔''

''دیال شنکر کی لاش تو ابھی نہیں ملی؟'' میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''ابھی ایسی کوئی بات سننے میں نہیں آئی۔'' کستوری نے جواب دیا۔ ''نالے کے پانی کی روانی بہت تیز ہے۔ ہوسکتا ہے وہ لاش پانی میں بہتی ہوئی بہت دور نکل گئی ہو اور دو چار روز بعد جب وہ کسی جگہ دریافت ہو تو شناخت کے قابل نہ ہو۔''

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

"خدا کرے ایسا ہی ہو لیکن رام اوتار تم سے اس کے بارے میں ضرور پوچھے گا۔" میں نے کہا۔

"ایک دو دن تک تو میں اس کا منہ بند رکھ سکتی ہوں اور اس کے بعد یہ تمہارا کام ہوگا کہ اسے ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا جائے۔" کستوری نے کہتے ہوئے میری طرف دیکھا۔

میں سر ہلا کر رہ گیا۔ کستوری نے مجھے بڑی الجھن میں ڈال دیا تھا۔ کسی کو موت کے گھاٹ اتار دینا میرے لئے کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ میں اس مار دھاڑ کا عادی ہو چکا تھا۔ جب اپنی جان خطرے میں ہو تو دوسرے کی جان لے لینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا تھا لیکن ایک ایسا شخص جس نے میرا کچھ نہیں بگاڑا تھا۔ میرے راستے میں نہیں آیا تھا۔ میرے لئے کسی نقصان یا خطرے کا باعث نہیں بن سکتا تھا اسے موت کے گھاٹ اتار دینا میرے نزدیک ایک بہت بڑی زیادتی تھی لیکن کستوری' رام اوتار کو میرے ہاتھوں سے مروانا چاہتی تھی اور وہ اتنی سیدھی سادی بھی نہیں تھی کہ میں اس پر بھروسہ کر لیتا۔ مجھے یقین تھا کہ اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے سے پہلے وہ کوئی ایسا بندوبست ضرور کرے گی کہ جیسے ہی کام ہو جائے مجھے بھی کسی چکر میں پھنسا دیا جائے۔

ناشتے کے بعد ہم دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ دوپہر کے کھانے کا کوئی بندوبست نہیں تھا۔ کستوری ایسی گھگڑ نہیں تھی کہ وہ آٹا گوندھتی اور روٹیاں پکاتی۔ سمترا بھی ایسے کاموں سے ہمیشہ دور ہی رہی تھی۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے دوپہر کا کھانا بھی باہر سے ہی آتا۔

ایک بجے کے قریب کستوری کھانے کا سامان لینے کے لئے نکلی تو میں نے سمترا کو بھی اس کے پیچھے جانے کے لئے کہہ دیا۔

"مم... میں" سمترا ہکلا گئی۔ "یعنی اخبار میں میری تصویر شائع ہونے کے بعد بھی تم مجھے باہر جانے کہہ رہے ہو؟"

"کستوری تمہاری وہ تصویر نہیں پہچان سکی جو پچھلے انیس بیس گھنٹوں سے تمہارے ساتھ ہے' کوئی اور تمہیں کیسے پہچان سکے گا۔" میں نے کہا "ویسے اگر تم چہرے کا گھونگٹ نکالے رہو گی تو کسی کو تمہارا چہرہ بھی نظر نہیں آئے گا۔ احتیاطاً یہ پستول اپنے لباس میں چھپا لو' تمہیں کچھ تسلی رہے گی' جاؤ' دیر مت کرو' وہ دور نکل گئی ہوگی۔"

سمترا چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی پھر اس نے پستول لے کر اسے اپنے لباس میں چھپا لیا اور سر پر چنری درست کرتی ہوئی باہر نکل گئی۔ سمترا کے جانے کے بعد میں کچھ دیر تک اپنی جگہ پر بیٹھا رہا اور پھر اٹھ کر مکان کا جائزہ لینے لگا۔ مکان کا نقشہ اگرچہ کسی حویلی کی طرح پرانی طرز کا تھا لیکن اسے ٹھیک ٹھاک کروانے کے لئے خاصی رقم خرچ کی گئی تھی۔ اس میں جدید طرز تعمیر کی کچھ تبدیلیاں بھی کی گئی تھیں جو نمایاں طور پر دکھائی دے رہی تھیں۔

ایک کشادہ دروازہ پچھلی طرف بھی تھا۔ جس کے ساتھ ہی چھت پر جانے کے لئے سیڑھیاں بھی تھیں۔ پچھلی طرف بھی بہت کھلی جگہ تھی۔ اس طرف بھی درختوں کی بہتات تھی اور زیادہ درخت تاڑ اور ناریل کے تھے۔

میں سیڑھیاں چڑھتا ہوا چھت پر گیا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ عقبی باؤنڈری عمارت سے تقریباً پندرہ گز دور تھی۔ اس کے پچھلی طرف میدان سا تھا اور اس میدان کے پرلی طرف گنجان آبادی نظر آ رہی تھی۔

میں کافی دیر اوپر کھڑا اطراف کا جائزہ لیتا رہا اور پھر اتر کر نیچے آ گیا۔ اس حویلی سے فرار کے امکانات بھی تھے اور گھیرے جانے کے بھی۔ ایسا کوئی وقت آنے پر ہی صحیح فیصلہ کیا جا سکتا تھا۔

میں نے سامنے والے لان میں گھاس پر پڑے ہوئے اپنے کپڑے اٹھا لئے جو سوکھ چکے تھے۔ اور اندر آ کر کمروں میں گھوم پھر کر استری تلاش کرنے لگا۔ مجھے مایوسی نہیں ہوئی۔

استری کی تلاش میں ایک کمرے کا دروازہ کھول کر میں جیسے ہی اندر داخل ہوا میری آنکھوں میں حیرت سی ابھر آئی اور میں دروازے کے قریب ہی رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ یہ کافی کشادہ بیڈ روم تھا ایک طرف بہت شاندار کنگ سائز ڈبل بیڈ بچھا ہوا تھا۔ سرہانے کی طرف اس سے جڑی ہوئی سائیڈ ٹیبل اور اس کے ساتھ سفید فارمیکا کی ڈریسنگ ٹیبل تھی جس میں قد آدم آئینہ لگا ہوا تھا۔

بیڈ کے دوسری طرف سفید فارمیکا ہی کی بڑی الماری اور اس کے ساتھ شیشے کے دروازوں والا وارڈ روب تھا جس میں ہینگروں پر زنانہ کپڑے ٹنگے ہوئے تھے اور نچلے خانے میں کئی سینڈل بھرے ہوئے تھے۔

باتھ روم کے ساتھ والی دیوار کے ساتھ استری اسٹینڈ رکھا ہوا تھا جس کے نیچے کپڑے رکھنے کے لئے دراز بھی بنے ہوئے تھے اور اوپر گودریج کی استری رکھی ہوئی تھی۔ استری اور اسٹینڈ کے کشن پر ہلکی سی دھول پڑی ہوئی تھی میں نے کرسی پر پڑا ہوا ایک کپڑا اٹھا کر استری اور کشن صاف کیا اور استری کا پلگ اسٹینڈ کے پیچھے دیوار میں لگے ہوئے ساکٹ میں لگا دیا۔ استری کو گرم ہونے کے لئے چھوڑ کر میں ایک بار پھر کمرے کا جائزہ لینے لگا۔

دیواروں پر خوبصورت فریموں میں کسی لڑکی کی رنگین تصاویر لگی ہوئی تھیں۔ تصویر سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس لڑکی کی عمر پچیس سال سے زیادہ نہیں تھی اور اس کے حسین ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں تھا۔

مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ کستوری کی دوست شرمیلا تھی۔ وہ بھی اگرچہ اس کی طرح رقاصہ تھی لیکن اس کے گھر کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس کے پاس پیسے کی کمی نہیں تھی اور وہ اس پیسے کو خرچ کرنا بھی جانتی تھی۔ وہ اگرچہ زیادہ تر گھر سے باہر رہتی تھی مگر اسے اپنے آپ کو اور گھر کو سنبھالنے کا سلیقہ آتا تھا۔

کستوری شرمیلا سے زیادہ حسین تھی۔ وہ بھی رقاصہ تھی اور کسی نائٹ کلب ہی میں پروگرام کرتی تھی۔ مگر اس نے یہاں پکی آبادی میں گھر لے رکھا تھا اور وہاں سامان بھی بہت گھٹیا اور برائے نام ہی تھا اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ وہ شروع میں اپنے آپ کو نہیں سنبھال سکی تھی۔ دوسروں کی آلہ کار اور کھلونا بنی رہی۔ وہ بلیک میل ہوتی رہی تھی اور اب بھی ہو رہی تھی اور شاید اسی لئے اس کی اپنی مالی حالت ناگفتہ بہ تھی اور وہ دوسروں کی دولت پر نظریں گاڑے بیٹھی تھی۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

میں شرمیلا کی تصویر سے نظریں ہٹا کر استری اسٹینڈ کی طرف متوجہ ہوگیا اور اپنے کپڑے استری کرنے لگا۔ پھر میں نے استری بند کر دی اور باتھ روم میں گھس گیا۔

شاور کے نیچے ٹھنڈے پانی کے غسل سے میں اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا۔ کپڑے پہن کر میں ہال کمرے میں آ گیا لیکن وہاں رکنے کے بجائے سیدھا باورچی خانے میں آ گیا۔ مطلوبہ چیزیں تلاش کرنے میں مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ چائے بنا کر میں پورچ میں آ کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

یہ رہائشی علاقہ تھا اور اس سڑک پر ٹریفک زیادہ نہیں تھا۔ کبھی کبھار کسی گاڑی کے گزرنے کی آواز سنائی دے جاتی۔

میں تقریباً ایک گھنٹے تک وہاں بیٹھا رہا اور پھر اندر آ گیا۔ ایک مرتبہ پھر گھوم پھر کر پورے گھر کا جائزہ لیا اور دوبارہ ہال کمرے میں اخبار لے کر بیٹھ گیا۔ میں اپنے بارے میں خبریں پڑھ پڑھ کر دل ہی دل میں مسکراتا رہا۔ میرے اور رتنا کے بارے میں کچھ ایسی باتیں بھی لکھی تھیں جنہیں میں بھول ہی چکا تھا۔

میری نظریں دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف اٹھ گئیں اور اس کے ساتھ ہی میں چونک گیا۔ تین بج رہے تھے۔ کستوری ایک بجے کھانا لینے گئی تھی۔ اب دو گھنٹے ہو چکے تھے۔ صبح وہ ناشتے کا سامان تو پندرہ بیس منٹ میں ہی لے آئی تھی جس کا مطلب تھا کہ دکانیں زیادہ دور نہیں تھیں لیکن دو گھنٹے.... ! سوا تین بجے کے قریب کستوری آ گئی۔

''اتنی دیر کہاں رہ گئی تھیں تم؟'' میں نے پوچھا۔

''اس شہر میں میرے چاہنے والے بہت ہیں۔'' کستوری نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور ہاتھ میں پکڑا ہوا شاپنگ بیگ میز پر رکھ دیا۔ ''یہاں سے تھوڑا آگے چوک پر پہنچتے ہی ایک پرانے جانکار سے سامنا ہوگیا۔ میں کوشش کے باوجود اس سے پیچھا نہیں چھڑا سکی۔ بس اسی چکر میں دیر ہوگئی۔ تمہیں بھوک تو بہت لگ رہی ہوگی۔ سمترا کہاں ہے؟

''اس کے لئے تو پریشان ہو رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''کیا مطلب .... کیسی پریشانی؟'' اس نے الجھی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

''وہ تمہارے جانے کے تقریباً آدھا گھنٹہ بعد کسی دکان سے سگریٹ لینے گئی تھی۔ ابھی تک لوٹ کر نہیں آئی۔ اس کے لئے پریشان ہو رہا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ میری نظریں باہر کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ یہ بات پہلے ہی طے ہو چکی تھی کہ سمترا واپسی پر ایک پیکٹ سگریٹ لیتی آئے گی۔ تاکہ کستوری کے سامنے اس کے جانے کا جواز پیش کیا جا سکے۔

''اوہ.... تم نے اسے کیوں جانے دیا۔'' کستوری بولی' اس کے لہجے میں پریشانی نمایاں تھی۔

''بس غلطی ہوگئی...!'' میں نے جواب دیا۔ ''میرا خیال تھا کہ دکان کہیں قریب ہی ہوگی' سر پر چنری اوڑھے رہے گی تو اسے کوئی پہچانے گا بھی نہیں' میں یہ بھول گیا تھا کہ....''

''لیکن...'' کستوری نے میری بات کاٹ دی۔ ''میں نے تو تمہیں کل سے سگریٹ پیتے ہوئے نہیں دیکھا۔ پھر اسے سگریٹ لینے کیوں بھیج دیا۔''

''میں باقاعدہ سگریٹ نوشی کا عادی نہیں ہوں لیکن کبھی کبھی جب معدے میں گیس بھر جاتی ہے

تو ایک آدھی سگریٹ پی لیتا ہوں۔ آج صبح سے ہی کچھ ایسی کیفیت ہو رہی تھی اور جب برداشت نہیں ہو سکا تو سمترا کو سگریٹ لینے کے لئے بھیج دیا۔''

''میرے جانے کے آدھے گھنٹے بعد گئی تھی۔'' کستوری میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''گویا اسے یہاں سے گئے ہوئے دو گھنٹے ہو چکے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ تمہیں خطرات میں دیکھ کر تمہارا ساتھ چھوڑ گئی ہو۔ میرا مطلب ہے کہ...؟''

''نہیں...'' میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''اس نے نہایت سنگین اور نازک ترین صورت حال میں میرا ساتھ دیا ہے۔ میں ایسا نہیں سوچ سکتا کہ وہ مجھے چھوڑ کر بھاگ گئی ہو۔''

''اگر تمہیں اس کی وفاداری کا اتنا ہی یقین ہے تو اب مجھے بھی شبہ ہونے لگا ہے۔'' کستوری نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی ''کہیں وہ کسی کے ہتھے نہ چڑھ گئی ہو۔ پولیس والے عورتوں کو بھی روک کر پوچھ گچھ کر رہے ہیں۔ پولیس کے علاوہ اس شہر کے حالات سمترا جیسی حسین اور جوان عورتوں کے لئے ویسے بھی اچھے نہیں ہیں۔ یہاں تو کھڑے کھڑے خوبصورت عورتوں کو غائب کر دیا جاتا ہے۔ کہیں وہ بدمعاشوں کے ہاتھ نہ لگ گئی ہو۔''

میں نے ایک بار پھر گھڑی کی طرف دیکھا' پونے چار بج رہے تھے۔ اب واقعی مجھے پریشانی ہونے لگی تھی۔ سمترا کو کستوری کے پانچ دس منٹ بعد آ جانا چاہئے تھا لیکن آدھا گھنٹہ زیادہ گزر گیا تھا۔ اور پھر چار بجے کے قریب سمترا کو باہر والے گیٹ میں داخل ہوتے دیکھ کر میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی اندر آ گئی۔ اس کا جسم پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔

''ارے کہاں رہ گئی تھیں تم' میں تو پریشان ہوگیا تھا۔'' میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں قریب کی کسی دکان سے سگریٹ لینے بھیجا تھا اور تم موسم کا لطف اٹھانے کے لئے لمبی سیر پر نکل گئی تھیں۔''

''لعنت ہو ایسے موسم پر۔'' سمترا نے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر میز پر پھینک دیا۔ پیکٹ بھی پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔

''تم منہ ہاتھ دھولو' میں کھانا گرم کر کے لا رہی ہوں۔ تمہارے انتظار میں ہم بھی بھوکے بیٹھے ہیں۔'' کستوری نے میز پر پڑا ہوا شاپنگ بیگ اٹھایا اور کچن کی طرف چلی گئی۔

.......☆.......

کھانے کے بعد شام تک کا وقت باتوں ہی میں گزرا تھا۔ کستوری مندروں کے پجاریوں اور غنڈوں اور بدمعاشوں کی باتیں کر رہی تھی۔ اس کے خیال میں کسی پجاری اور غنڈے میں کوئی فرق نہیں تھا اور میں اس کے اس خیال سے سو فیصد متفق تھا۔ اس کا تجربہ تو مجھے بھی ہو چکا تھا۔ میں نے ان کے کردار کا بہت قریب سے جائزہ لیا تھا۔ ناگ راج' پنڈت بھیرو اور کئی پجاریوں کے اندر تک جھانک کر دیکھا تھا۔ وہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے۔ وہ دھرم کے نہیں دولت کے پجاری تھے۔ ہوس کے غلام تھے۔ ایک طرف انہوں نے اپنی خفیہ پناہ گاہوں میں دولت کے انبار لگا رکھے تھے تو دوسری طرف مندر جیسی پوتر جگہوں پر عورتوں کا شکار کھیلتے تھے۔ عبادت گاہوں کو انہوں نے عیاشی کے اڈے بنا رکھا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

رتنا اور سمترا کی بات اور تھی۔ اس میں شبہ نہیں کہ وہ بھی اپنے ریش سے غداری کی مرتکب ہو رہی تھیں لیکن مجھ سے مخلص تھیں۔ رتنا نے میری خاطر اپنی جان دیدی اور سمترا بھی اپنی زندگی داؤ پر لگائے ہوئے تھی۔ لیکن کستوری میں وہ بات نہیں تھی۔ اس کے دل میں لالچ تھا۔ ہوس تھی اور مجھے اس پر شبہ تھا۔ اس لئے میں نے سمترا کو اس کے پیچھے بھیجا تھا۔ سمترا اس کے تقریباً دو گھنٹے بعد واپس آئی تھی۔ جس پر مجھے کسی گڑبڑ کا احساس ہوا تھا۔ لیکن مجھے ابھی تک سمترا سے بات کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔

''ہاں... اب بتاؤ کیا قصہ ہے؟''

''میں بڑی کامیابی سے کستوری کا پیچھا کرتی رہی تھی۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر آگے کی بات بتانے لگی۔

سمترا کے کہنے کے مطابق یہاں سے تقریباً ڈیڑھ سو گز آگے ایک چھوٹا سا چوک ہے جہاں دکانوں پر ضرورت کی ہر چیز مل جاتی ہے۔ دو چھوٹے ریسٹورنٹ اور دو تین نان بائی کی دکانیں بھی ہیں۔ کستوری کسی دکان کا رخ کرنے کے بجائے ایک آٹو رکشہ میں بیٹھ گئی۔ آٹو رکشہ جیسے ہی چوک پر ایک طرف مڑا سمترا نے بھی دوسرے آٹو رکشہ پر بیٹھ کر اس کا تعاقب شروع کر دیا۔

تعاقب کا یہ سلسلہ اس کچی آبادی کے قریب ایک مندر پر ختم ہوا جہاں ایک مکان میں کستوری کے ساتھ چند گھنٹے گزرے تھے۔ کستوری آٹو رکشہ سے اتر کر مندر میں چلی گئی۔ سمترا نے بھی آٹو رکشہ چھوڑ دیا اور مندر میں داخل ہوگئی۔ اس نے چہرے سے اس طرح گھونگٹ نکال لیا تھا کہ اس کا چہرہ چھپ کر رہ گیا تھا۔

یہ مندر باہر سے بظاہر چھوٹا سا لگتا ہے لیکن اندر بہت دور تک پھیلا ہوا تھا۔ مندر میں بہت سے لوگوں کی آمد و رفت تھی۔ کئی پجاری ادھر ادھر دکھائی دے رہے تھے۔

بڑے ہال میں چبوترے پر ہنومان کی بہت بڑی مورتی رکھی ہوئی تھی۔ لوگ مورتی کے سامنے چڑھاوے چڑھا رہے تھے۔ ہاتھ جوڑ کر منتیں مانگ رہے تھے۔

کستوری نے ایک پجاری سے کوئی بات کی اور پھر اس کے ساتھ ایک راہداری میں داخل ہوگئی۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد سمترا اس راہداری میں داخل ہوئی تو کستوری اور وہ پجاری دونوں ہی غائب ہو چکے تھے۔

سمترا پریشان نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتی رہی۔ وہ جانتی تھی کہ مندروں میں کئی خفیہ راستے ہوتے ہیں۔ تہہ خانے اور سرنگیں ہوتی ہیں جن کے بارے میں عام لوگ نہیں جانتے۔ سمترا کے خیال میں کستوری بھی کسی ایسے ہی تہہ خانے یا سرنگ میں غائب ہوگئی تھی۔

وہ اس راہداری سے نکل کر دوبارہ بڑے ہال میں آ گئی۔ جہاں لوگوں کی آمد و رفت تھی۔ وہ ایک ایسی جگہ کھڑی ہوگئی جہاں سے ہر طرف نگاہ رکھی جا سکتی تھی۔

اس نے چہرہ پوری طرح گھونگٹ میں چھپا رکھا تھا اور وہ دونوں ہاتھ جوڑے سر جھکائے کھڑی تھی۔ مگر گھونگٹ کے اندر اس کی نظریں سرچ لائٹس کی طرح چاروں طرف گھوم رہی تھیں۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد کستوری ہنومان کی مورتی کے دوسری طرف ایک اور راہداری سے برآمد

ہوئی۔ اس کے ساتھ پنڈت رام اوتار بھی تھا۔ وہ چند گز تک اس کے ساتھ آیا۔ کستوری نے ہاتھ جوڑ کر اسے پرنام کیا۔ پنڈت رام اوتار نے ہاتھ اٹھا کر اسے آشیرباد دیا اور کستوری مندر سے باہر چلی گئی۔

سمترا نے بھی مندر سے نکل کر اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ اسے اندیشہ تھا کہ اگر کستوری نے مڑ کر دیکھ لیا تھا تو وہ اس کی نظروں میں آ جائے گی مگر کستوری نے ایک مرتبہ بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔

کستوری مختلف گلیوں میں گھومتی ہوئی کچی آبادی میں اپنے مکان میں داخل ہوگئی۔ سمترا ایک گلی کے موڑ پر رک کر مکان کی نگرانی کرنے لگی۔ بستی میں لوگوں کی آمد و رفت تھی۔ قریب سے گزرتے ہوئے کئی لوگوں نے مشتبہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ اس کا چہرہ اگرچہ گھونگھٹ میں چھپا ہوا تھا مگر دو تین منچلوں نے اس کی صورت دیکھے بغیر اسے اپنے ساتھ چلنے کی پیشکش بھی کی تھی۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ پنڈت رام اوتار کو کستوری کے مکان میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ چونک گئی۔

پنڈت رام اوتار تقریباً ایک گھنٹے بعد کستوری کے مکان سے برآمد ہوا اور مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا مندر کی طرف جانے والی گلی میں مڑ گیا۔ اس کے تقریباً پانچ منٹ بعد کستوری بھی مکان سے نکلی۔ اس کے چہرے کے تاثرات کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس کے ساتھ ایک گھنٹے تک کیا ہوتا رہا ہے۔ وہ مکان کو تالا لگا کر ادھر ادھر دیکھے بغیر ایک گلی میں مڑ گئی۔ سمترا نے بڑی ہوشیاری سے اس کا تعاقب جاری رکھا۔

وہ مندر سے کافی دور ایک اور جگہ کچی بستی سے نکلی تھی۔ یہ کوئی بازار سا تھا۔ اس بازار میں آتے ہی کستوری ایک آٹو رکشہ پر بیٹھ گئی اور آٹو رکشہ تیزی سے مخالف سمت میں روانہ ہوگیا۔

سمترا ٹاپ کر رہ گئی۔ اس وقت آس پاس کوئی آٹو رکشہ نہیں تھا جس پر وہ کستوری کا پیچھا کر سکتی۔ کافی دیر تلاش بسیار کے بعد آخر کار اس نے واپس آنے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ پریشان سی ہوگئی اور بڑی مشکلوں سے واپس آئی تھی۔

''قسمت ہمارا ساتھ دے رہی ہے۔'' میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ ''لیکن ضروری نہیں کہ قسمت ہر مرتبہ ہمارا ساتھ دے۔ ہمیں اس شہر سے جلد سے جلد نکل جانا چاہئے۔'' ''کستوری نے جو ایک نیا مسئلہ کھڑا کر دیا ہے اس کا کیا ہوگا؟'' سمترا نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

''آج اس کا حل بھی سوچ لیا جائے گا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ہمیں زیادہ سے زیادہ ایک آدھ دن میں ہر صورت میں یہاں سے نکلنا ہے۔ آج کستوری جس طرح چوری چھپے پنڈت رام اوتار سے ملی ہے۔ اس سے مجھے اس کی نیت پر بھی شبہ ہونے لگا ہے۔''

باہر والے گیٹ سے کستوری کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر ہم نے اپنی گفتگو کا موضوع بدل دیا۔ کستوری جب اندر داخل ہوئی تو ہم اس شہر کے غنڈوں اور بدمعاشوں کے بارے میں بحث کر رہے تھے۔

اس وقت ساڑھے نو بج چکے تھے۔ کستوری نے آتے ہی کھانا میز پر سجا دیا۔ ہم نے اگرچہ دوپہر کا کھانا چار بجے کے بعد ہی کھایا تھا۔ لیکن اس وقت بھی مجھے بھوک لگ رہی تھی۔ اس لئے میں نے خوب شکم سیر ہو کر کھانا کھایا۔

کھانے کے بعد تقریباً بارہ بجے تک ہم ہال کمرے میں ہی بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ پھر میں

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

نے سمترا کو اشارہ کیا وہ خاموشی سے اٹھ کر اس کمرے میں چلی گئی جہاں اس نے پچھلی رات گزاری تھی۔

پچھلی رات میں نے اور کستوری نے اس صوفے پر گزار دی تھی اور میرا خیال تھا کہ آج کی رات بھی شاید یہیں پر گزرے گی۔ لیکن سمترا کے جانے کے تقریباً ایک گھنٹے بعد کستوری مجھے وہاں سے اٹھا کر شرمیلا والے کمرے میں لے آئی اور میرا خیال ہے ہم دونوں کے رات گزارنے کے لئے یہی کمرہ سب سے زیادہ اچھا رہے گا۔

ہم میں پہلے یہ سمجھوتہ ہو چکا تھا کہ ہم جتنے روز یہاں رہیں گے میری راتیں کستوری کے لئے ہوں گی میں پنڈت رام اوتار کی دولت چرانے میں اس کی مدد کروں گا اور وہ اس شہر سے نکلنے میں ہماری مدد کرے گی۔

کستوری نے اس رات مجھے سونے نہیں دیا۔ وہ ایک ایک لمحے کا بھرپور فائدہ اٹھا رہی تھی۔

وہ رات کا آخری پہر تھا۔ کستوری میرے قریب لیٹی گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ میں نے موقع پا کر اس سے بات کر ڈالی۔

”تم نے کیا پروگرام بنایا ہے؟“

”کیسا پروگرام؟“ اس نے گردن گھما کر سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

”میں پنڈت رام اوتار کی بات کر رہا ہوں۔“ میں نے کہا۔

”اوہ .... وہ حرامی!“ اس کے چہرے کے تاثرات بگڑ گئے۔ ”میں کل دوپہر اس سے ملی تھی۔“

”کیا... کس وقت؟“ میں نے چونک جانے کی اداکاری کی۔

”دوپہر کا کھانا لینے گئی تھی۔“ اس نے جواب دیا۔ ”مجھے واپس آنے میں اسی لئے دیر ہوگئی تھی۔ میں نے تم سے غلط کہا تھا کہ میرے کچھ جاننے والے مل گئے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ کل جب میں گھر سے نکلی تو تھوڑا ہی آگے جانے کے بعد مجھے مندر کا ایک پجاری مل گیا تھا۔ جو رام اوتار کا پیغام لے کر اسی طرف آ رہا تھا۔

”اسے کیا معلوم کہ تم یہاں ہو؟“ میں نے کہا۔

”وہ کل دن میں گیارہ بجے کے قریب میرے گھر گیا تھا مگر تالا دیکھ کر سمجھ گیا کہ میں کہاں ہو سکتی ہوں یہ تو اچھا ہوا کہ وہ خود یہاں نہیں آ گیا اور یہ بھی اچھا ہوا کہ اس کے بھیجے ہوئے آدمی سے میری ملاقات باہر ہی ہو گئی۔ وہ یہاں آ جاتا تو تم لوگ بھی اس کی نظروں میں آ جاتے۔ مجھے یقین تھا کہ اگر میں پیغام ملنے کے بعد بھی نہ گئی تو وہ یہاں آ جائے گا۔ اس لئے میں پہلے سیدھی مندر گئی تھی۔ مندر میں اس کا سامنا ہوتے ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ کوئی خاص بات کرنا چاہتا ہے لیکن وہ مندر میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے مجھے کہا کہ میں اپنے مکان پر چلی جاؤں وہ وہیں آ جائے گا۔

”چند منٹ بعد وہ بھی میرے مکان پر پہنچ گیا۔ اس نے جو انکشاف کیا وہ میرے لئے بہت غیر متوقع تھا۔“

”کیسا انکشاف؟“ میں نے گردن گھما کر سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

”دیال شنکر کی لاش مل گئی ہے۔“ کستوری نے جواب دیا۔ میں اچھل پڑا۔ ”کب... کیسے؟“ میں

نے بے اختیار پوچھا۔

”صبح آٹھ بجے کے قریب۔“ کستوری نے بتایا۔ ”پل سے تقریباً دو سو گز آگے نالے کے کنارے پر جھاڑیوں میں پھنسی ہوئی تھی۔ چادر میں بندھی ہوئی لاش دراصل بچوں نے دیکھی تھی جو نالے کے کنارے پر کھیل رہے تھے۔ انہوں نے اپنے بڑوں کو بتایا اور بڑوں نے پولیس کو اطلاع دے دی۔ پولیس نے وہ لاش نالے سے نکلوا کر اسپتال بھجوا دی ہے۔ پولیس والوں نے بھی اور اسپتال کے عملے نے بھی لاش کی شناخت کر لی۔“

”پنڈت رام اوتار کو بھی لاش شناخت کے لئے بلوایا گیا۔ اس نے پولیس کے سوالات کے جواب میں بتایا کہ گزشتہ رات دیال شنکر نے اسے بتایا تھا کہ اس کے کوئی جاننے والے مل گئے ہیں۔ ایک عورت اور ایک مرد جنہیں وہ ریلوے اسٹیشن چھوڑنے جا رہا ہے۔ اس کے بعد دیال شنکر کے بارے میں کچھ نہیں سنا گیا۔ دیکھا تم نے ... کتنا چالاک ہے یہ حرامی رام اوتار۔“ کستوری بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ ”وہ اگر چاہتا تو پولیس کو بتا سکتا تھا کہ دیال شنکر میرے مہمانوں کیلئے کھانا لینے گیا تھا اور پھر انہیں اسٹیشن چھوڑنے بھی گیا تھا۔ لیکن اس نے میرا نام نہیں لیا۔ اس کا مطلب سمجھ رہے ہو؟“

”ہاں .... سمجھ رہا ہوں آگے کہو؟“ میں نے کہا اس وقت میرے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں

”اس نے میرے گھر کی وہ چادر بھی شناخت کر لی ہے جس میں دیال شنکر کی لاش کو باندھ کر گندے نالے میں پھینکا گیا تھا۔“ کستوری کہہ رہی تھی۔ ”وہ کئی مرتبہ بستی کی اس چادر پر میرے ساتھ شب بسری کر چکا ہے اس نے وہ چادر دیکھتے ہی پہچان لی۔ لیکن پولیس کو اس کے بارے میں بھی کچھ نہیں بتایا۔ وہ مجھے بلیک میل کرنا چاہتا ہے۔“

”پولیس دیال شنکر کے قتل کے بارے میں کیا کہتی ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”پولیس کا خیال ہے کہ دیال شنکر نے پنڈت رام اوتار کو اپنے جن جانکاروں ایک مرد اور ایک عورت کے بارے میں بتایا تھا وہ دراصل وہی دہشت گرد تھے جو پولیس کو مطلوب ہیں۔ انہوں نے کسی طرح دیال شنکر کو پھانس لیا ہوگا اور ہو سکتا ہے دیال شنکر کو ان کی اصلیت کا پتہ چل گیا ہو جس پر انہوں نے دیال شنکر کو قتل کر کے لاش گندے نالے میں پھینک دی۔“ وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ”دیال شنکر کی لاش چونکہ کچی بستی کے قریب گندے نالے میں ملی تھی اور پولیس کو شبہ ہے کہ وہ دہشت گرد فرار نہیں ہوئے اور کچی بستی ہی کے کسی گھر میں چھپے ہوئے ہیں۔ پولیس نے کچی بستی میں معلومات حاصل کی تھیں۔ لوگوں نے بتایا کہ پچھلی رات انہوں نے کتوں کے بھونکنے ایک عورت کے چیخنے اور گولی چلنے کی آواز سنی تھی۔ لوگوں کے اس بیان کے بعد پولیس کو اب یہ یقین ہو گیا ہے کہ وہ دونوں دہشت گرد اس کچی بستی میں کسی جگہ چھپے ہوئے ہیں۔ اس بستی کی خفیہ طور پر نگرانی شروع کر دی گئی ہے اور ہو سکتا ہے اسے گھیرے میں لے کر گھر گھر تلاشی بھی شروع کر دی جائے۔“

میرے منہ سے بے اختیار سانس نکل گیا۔ سمترا ابھی کل دن میں کستوری کا تعاقب کرتے ہوئے اس کچی بستی تک گئی تھی شکر ہے وہ کسی کی نظروں میں نہیں آ گئی۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

''پنڈت رام اوتار کیا کہتا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''اسے اس بات کا یقین ہے کہ کل رات میں نے جن مہمانوں کا ذکر کیا تھا وہ وہی دہشت گرد تھے اور یہ کہ میں نے تم دونوں کو کہیں چھپا رکھا ہے اور مزید یہ کہ دیال شنکر کے قتل میں بھی میرا اور تم لوگوں کا ہاتھ ہے اور بستر کی وہ چادر اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔''

میری سانس ایک بار پھر تیز ہوگئی۔ رام اوتار واقعی بہت چالاک آدمی تھا۔ اس نے معمولی سی باتوں کو بنیاد بنا کر جو تجزیہ کیا تھا وہ بالکل صحیح تھا۔

''تب تو اسے یہ بھی معلوم ہوگا کہ ہم یہاں چھپے ہوئے ہیں۔'' میں نے اپنی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''اگر اسے یہاں کے بارے میں شبہ ہوتا تو مجھے ضرور بتاتا۔'' کستوری نے کہا۔

''وہ کیا چاہتا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''مرد جب کسی خوبصورت عورت کو بلیک میل کرتا ہے تو اس کے دو ہی مقاصد ہوتے ہیں۔ دولت اور اس کے حسین شریر کا حصول۔'' کستوری نے جواب دیا۔ ''دولت کی اس کے پاس کمی نہیں لیکن اس کی ہوس میں بھی کوئی کمی نظر نہیں آتی۔ جہاں تک میرے خوبصورت جسم کا سوال ہے تو میں اس کی دسترس سے کبھی بھی دور نہیں۔ وہ مجھے مال غنیمت سمجھتا ہے جب چاہا ہاتھ صاف کرلیا۔ اس کا مظاہرہ تم نے کل رات بھی دیکھ لیا تھا۔ وہ کسی لمبے چکر میں ہے۔ کل رات وہ مجھے بتائے گا کہ مجھ سے کیا چاہتا ہے۔''

''صورتحال واقعی تشویشناک ہے۔'' میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

''کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم کل رات ہی اپنا کام کر ڈالیں۔ اس نے اپنی دولت کہاں چھپا کر رکھی ہوئی ہے' کیا مندر کے کسی تہہ خانے میں؟''

''مندر کا تہہ خانہ اگرچہ محفوظ ترین جگہ ہے مگر وہ اتنا بے وقوف نہیں ہے۔'' کستوری نے جواب دیا۔ ''یہ راز صرف دو تین لوگ ہی جانتے ہیں کہ پنڈت رام اوتار نے سال بھر پہلے پہاڑی پر ایک مکان خریدا تھا۔ وہ مہینے میں ایک آدھ دفعہ ہی چوری چھپے اس مکان میں جاتا ہے وہ ایک مرتبہ مجھے بھی لے گیا تھا۔ شاید اس سے غلطی ہوگئی تھی لیکن اس نے مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے کسی کو اس مکان کے بارے میں بتایا تو وہ مجھے مار ڈالے گا۔ اس مکان میں کوئی تہہ خانہ ہے اور اس تہہ خانے کا راز صرف اسی کو معلوم ہے۔ اس نے اپنی ساری دولت اس تہہ خانے میں چھپا رکھی ہے۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ''یہ فیصلہ وہ کل ہی کرے گا کہ میری اور اس کی ملاقات کہاں ہونی چاہئے۔ مندر میں' میرے مکان پر یا اس کے پہاڑی والے مکان پر لیکن اگر ذرا سی کوشش کی جائے تو اسے پہاڑی والے مکان پر ملاقات کے لئے آمادہ کیا جاسکتا ہے مگر اس کے لئے تمہاری دوست سمترا کی ضرورت ہوگی۔''

''وہ کیسے؟'' میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ خاموشی سے میری طرف دیکھتی رہی پھر بتانے لگی کہ سمترا اس کی مدد کس طرح کرسکتی ہے۔

میری آنکھوں میں تشویش ابھر آئی۔ کستوری جو پروگرام بتا رہی تھی وہ خاصا خطرناک تھا۔

''سمترا کو کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔'' کستوری نے گویا میرا ذہن پڑھتے ہوئے کہا۔ ''میں سمترا کو اس طرح رام اوتار کے سامنے لے جاؤں گی کہ وہ کوئی اور بات سوچ ہی نہیں سکے گا۔''

''لیکن اس کیلئے سمترا سے بات کرنی ہوگی۔'' میں نے کہا۔

''تو صبح کرلینا۔'' کستوری بولی ''میرا خیال ہے اسے مان جانا چاہئے آزادی کی یہ قیمت زیادہ نہیں ہوگی۔''

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ کستوری کا تعلق زندگی کے اس شعبے سے تھا جہاں عزت و ناموس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ ضمیر مر چکا ہو تو غیرت اور حمیت کے جذبے بھی دفن ہو جاتے ہیں۔ سمترا بھی اس سے مختلف نہیں تھی۔ سب سے پہلے میں نے اسے پنڈت بھیرو کے پاس دیکھا تھا۔ اس سے پہلے بھی وہ نجانے کہاں کہاں رہی ہوگی۔ پنڈت بھیرو کے بعد وہ چند روز میرے ساتھ رہی اور پھر پچھلے تین چار مہینوں سے روپ سیہائے کے پاس رہ رہی تھی۔ ایک مرد کی آغوش سے دوسرے مرد کی آغوش' یہی اس کی زندگی تھی اور کستوری نے بھی اسی کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا تھا۔ میں صرف ان دونوں کی بات نہیں کرتا۔ راجستھان میں جتنی بھی عورتوں سے میرا واسطہ پڑا تھا وہ سب اس قماش کی تھیں اور ایک مرتبہ تو بیلا نے کہا تھا کہ اگر عزت کے بدلے کوئی اور مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے تو یہ سودا برا نہیں ہے۔''

ایسی بات صرف ہندوستان کی ہندو عورت ہی سوچ سکتی تھی۔ یہ بنیا قوم کی عورتیں تھیں جن کے بارے میں بڑی مشہور مثل ہے کہ ''چمڑی جائے پر دمڑی نہ جائے۔'' اور یہ عورتیں اپنی عزت کو چمڑے کے سودے سے زیادہ اہمیت نہیں دیتی تھیں۔ پچھلے چند مہینوں میں راجستھان میں رہتے ہوئے ایسی بے حیائی اور بے غیرتی کے متعدد مظاہرے میرے دیکھنے میں آئے تھے۔

خراٹوں کی ہلکی سی آواز سن کر میں نے کستوری کی طرف دیکھا۔ وہ سو چکی تھی۔ میں نے چادر کھینچ کر اس کے اوپر ڈال دی اور دوسری طرف کروٹ لے لی۔

میں سونا چاہتا تھا۔ آنکھوں میں مرچیں سی لگ رہی تھیں اور دماغ کی نسیں دکھ رہی تھیں مگر مجھے نیند نہیں آرہی تھی۔

رات ختم ہو رہی تھی۔ کھڑکی سے دن کی روشنی نظر آنے لگی۔ میں آہستگی سے بیڈ سے اتر کر کھڑکی کے سامنے آگیا اور پٹ کھولتے ہی تازہ ہوا کا جھونکا میرے چہرے سے ٹکرایا۔ میں کئی منٹ تک کھڑکی کے سامنے کھڑا رہا مگر دماغ کی تپش کم نہیں ہوئی۔

میں باتھ روم میں گھس گیا اور دیر تک شاور کھول کر ٹھنڈے پانی کے نیچے کھڑا رہا۔ باہر آ کر کپڑے پہنے اور کمرے سے نکل کر سیدھا کچن میں گھس گیا۔

اس وقت سورج طلوع ہو رہا تھا۔ نرم دھوپ کچن کی کھڑکی کے راستے اندر پہنچ رہی تھی۔ میں چائے بنانے کی تیاری کر رہا تھا کہ ہلکی سی آہٹ سن کر چونک گیا۔ پیچھے مڑ کر دیکھا تو سمترا دروازے میں کھڑی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

''لگتا ہے تمہیں رات کو ڈھنگ سے نیند نہیں آئی۔'' میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا دیا۔

''تم اس حرافہ کی بغل میں تھے تو مجھے نیند کیسے آسکتی تھی۔'' سمترا کے لہجے میں طنز نمایاں تھا۔

''اوہ!'' میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ''مجھے افسوس ہے سمترا....''

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

''افسوس کس بات کا؟'' سمترا نے میری بات کاٹ دی۔ ''تمہارے تو عیش ہو رہے ہیں۔'' وہ آگے بڑھ آئی۔ ''ہٹو میں چائے بناتی ہوں۔''

میرے ہاتھ میں ساس پین تھا۔ میں نے اسے وہیں رکھ دیا اور الگ ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ سمترا آگے بڑھ کر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ اس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات صاف نظر آ رہے تھے۔ میں خاموش کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

چائے بنا کر سمترا نے ایک کپ خود اٹھا لیا اور دوسرا میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ ہم دونوں کچن سے نکل کر ہال میں آ گئے۔

''کل دوپہر کو تم کستوری کے تعاقب میں کچی بستی تک گئی تھیں۔ وہاں تم نے کوئی غیر معمولی سرگرمی محسوس کی تھی؟'' میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مدہم لہجے میں کہا۔

''کیسی سرگرمی؟'' اس نے الجھی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

''پولیس کی آمد و رفت یا یہ محسوس کیا ہو کہ اس کچی آبادی کی خفیہ طور پر نگرانی ہو رہی ہے وغیرہ۔'' میں نے کہا۔

''ہاں۔ میں نے ایسی بات محسوس تو کی تھی اور دو پولیس والوں کو بھی اندرونی گلیوں کی طرف آتے ہوئے دیکھا تھا۔ مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟'' سمترا نے پوچھا۔

''پنڈت دیال شنکر کی لاش مل گئی ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''پولیس کا خیال ہے کہ دیال شنکر کو انہی دہشت گردوں نے قتل کیا ہے جن کی تلاش جاری ہے۔ یعنی ایک مرد اور ایک عورت اور پولیس کو یہ بھی شبہ ہے کہ وہ دونوں دہشت گرد اسی بستی کے کسی گھر میں چھپے ہوئے ہیں۔ جبکہ پنڈت رام اوتار کو شبہ ہی نہیں یقین ہے کہ ان دہشت گردوں کو یعنی ہمیں کستوری نے کہیں پناہ دے رکھی ہے اور دیال شنکر کو قتل بھی ہم نے ہی کیا ہے اور کستوری بھی اس میں ملوث ہے۔''

''تمہیں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا؟'' سمترا نے میرے چہرے پر نظریں جما دیں۔

''کستوری نے بتایا تھا۔'' میں نے جواب دیا اور اسے تفصیل سے سب کچھ بتانے لگا۔ ''اب صورتحال یہ ہے۔'' میں آخر میں کہہ رہا تھا۔ ''پنڈت رام اوتار کستوری کو بلیک میل کر رہا ہے جبکہ وہ اس سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہے اور اس کے لئے اسے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔'' میں نے وہ بات کہہ دی جس کے لئے اتنی لمبی چوڑی تمہید باندھی تھی۔

''میری مدد....!'' سمترا نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ ''میں اس کی کیا مدد کر سکتی ہوں۔''

میں فوری طور پر جواب دینے کے بجائے چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ آخری گھونٹ بھر کر میں نے خالی کپ میز پر رکھ دیا اور اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔

''تم اچھی طرح جانتی ہو کہ صورتحال کس قدر سنگین ہے۔ اس شہر سے نکلنے کے تمام راستے بند کئے جا چکے ہیں۔ دیال شنکر کے قتل کی وجہ سے ہمارے گرد گھیرا تنگ ہو گیا ہے۔ پنڈت رام اوتار یہ سمجھ چکا ہے کہ ہمیں کستوری نے پناہ دے رکھی ہے۔ اس کا ایک معمولی سا اشارہ پولیس کو کستوری کی طرف متوجہ کر سکتا ہے اور کستوری ایسی نہیں کہ پولیس کی مار برداشت کر سکے۔ وہ پہلا ہاتھ پڑتے ہی سب کچھ اگل دے گی۔

مجھے ویسے بھی اس پر کوئی بھروسہ نہیں ہے۔'' میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ''اس وقت صورتحال یہ ہے کہ اس وقت کستوری ہی وہ ہستی ہے جو اس شہر سے نکلنے میں ہماری مدد کر سکتی ہے۔ ہم اس کی مرضی کے بغیر یہاں سے نہیں جا سکتے۔ یوں کہہ لو کہ ہم کستوری کے چنگل میں ہیں اور کستوری پنڈت رام اوتار کے چنگل میں پھنسی ہوئی ہے۔ ہم کستوری کے چنگل سے اس طرح نکل سکتے ہیں کہ پہلے اسے پنڈت رام اوتار کے چنگل سے نکلنے میں مدد دیں۔''

''تم سے بہت بڑی غلطی ہوئی۔'' سمترا نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا ''دیال شنکر کا گلا گھونٹا تھا تو اس حرافہ کو بھی اس کے ساتھ ہی پھندے میں لٹکا دیتے اور ہم اس رات گیارہ بجے والی ٹرین سے نکل جاتے۔ اس وقت تو یہاں اتنا ہنگامہ بھی نہیں تھا۔''

''ہاں غلطی تو ہو گئی اور اس کا خمیازہ بھی بھگت رہے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''لیکن اب بھی ہمارے لئے ایک موقع ہے۔ ہم اس صورت حال سے نکلنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔''

''تم نے کہا تھا کہ کستوری کو پنڈت رام اوتار کے چنگل سے نکلنے کیلئے میری مدد کی ضرورت ہے لیکن میں کس طرح اس کی مدد کر سکتی ہوں۔'' سمترا نے کہتے ہوئے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

میں چند لمحے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا اور پھر اسے سمجھانے لگا کہ کستوری کیا چاہتی ہے۔

سمترا کے چہرے پر وحشت سی طاری ہو گئی۔

''یہ... یہ تم کہہ رہے ہو؟'' وہ وحشت زدہ سے لہجے میں بولی۔

''مجبوری ہے۔'' میں نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ ''کستوری نے وعدہ کیا ہے کہ وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچنے دے گی۔''

''پنڈتوں اور سوامیوں کو اچھی طرح جان لینے کے بعد بھی تم یہ کہہ رہے ہو کہ کستوری مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچنے دے گی۔'' سمترا نے کہا ''اس میں اگر اتنا حوصلہ ہوتا تو خود اس طرح برباد نہ ہوتی۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''تو پھر ہمیں کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا ہوگا۔''

سمترا چند لمحے چبھتی ہوئی سی نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی پھر میز پر سے کپ اٹھا کر کچن کی طرف چلی گئی۔

میں نے پیر پھیلائے اور صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ میں رات بھر جاگا تھا۔ ایک ایک لمحہ بے چینی میں گزرا تھا اور اب میری آنکھیں بوجھل ہونے لگی تھیں۔ نیند غلبہ پانے لگی تھی۔ میں اس وقت سونا چاہتا تھا۔ اٹھ کر کسی کمرے میں جانے کے بجائے میں صوفے پر ہی لیٹ گیا۔

مجھے اندازہ نہیں کہ میں کتنی دیر سویا ہوں گا کہ سمترا نے مجھے جھنجوڑ کر جگا دیا۔ میری آنکھوں میں مرچیں سی بھری ہوئی تھیں اور دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے۔

''کیا بات ہے .... کیا ہوا؟'' میں نے خوابیدہ لہجے میں پوچھا۔

''باہر کوئی ہے دروازہ دھڑ دھڑایا جا رہا ہے۔'' سمترا نے کہا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

"تو جا کر دروازہ کھول دو مجھے کیوں جگایا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"ہوش میں آؤ۔" سمترا نے ایک بار پھر مجھے جھنجھوڑ ڈالا۔

"تم جانتے ہو ہم کہاں ہیں اور دروازہ کھولنے کا مطلب کیا ہو سکتا ہے۔"

سمترا کی بات سن کر میں جیسے ہوش میں گیا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گی۔ باہر کا گیٹ اس وقت بھی دھڑا دھڑایا جا رہا تھا۔

"کستوری کہاں ہے؟" میں سمترا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیتا سو رہی ہے۔" سمترا نے جواب دیا۔

"تم اپنے کمرے میں جاؤ میں اسے جگاتا ہوں۔" میں نے کہا۔

سمترا دوڑ کر اپنے کمرے میں گھس گئی۔ میں نے کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ مگر گیٹ اب بھی دھڑ دھڑایا جا رہا تھا۔

میرے ذہن میں پولیس کا خیال ابھرا مگر وہ پولیس والے نہیں ہو سکتے تھے۔ اگر پولیس نے ریڈ کیا ہوتا تو اس طرح دروازہ دھڑ دھڑانے کے بجائے دیوار پھاند کر اندر آ چکے ہوتے۔

میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کستوری کے کمرے میں آ گیا۔ وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ میں نے اسے کندھے سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔

"کیا ہے؟" اس نے آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا اور پھر باہیں میرے گلے میں ڈال کر مجھے اپنے اوپر کھینچنے لگی۔

"باہر کوئی دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے۔" میں نے اپنے آپ کو اس کی گرفت سے چھڑاتے ہوئے کہا۔

"جا کر دیکھو کون ہے؟ مجھے شبہ ہے کہ اگر تھوڑی دیر اور دروازہ نہ کھولا گیا تو وہ جو کوئی بھی ہے دیوار پھاند کر اندر آ جائے گا جاؤ دیکھو کون ہے اور کوشش کرنا کہ وہ جو کوئی بھی ہے باہر ہی سے واپس چلا جائے۔"

کستوری ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ دروازہ دھڑ دھڑائے جانے کی آواز اس نے بھی سن لی تھی۔ اس نے جلدی سے کپڑے پہنے اور باہر نکل گی۔ میں اٹھ کر سمترا والے کمرے میں آ گیا اور دروازہ بند کر دیا۔ اس کمرے کی ایک کھڑکی سامنے کی طرف بھی کھلتی تھی۔ سمترا کھڑکی کے قریب پڑی پردے کا کونہ ہٹائے باہر دیکھ رہی تھی۔ میں بھی اس کے قریب رک کر پردے سے باہر جھانکنے لگا۔

کستوری گیٹ کے قریب پہنچ چکی تھی۔ اس نے جیسے ہی ذیلی دروازہ کھولا ایک پجاری اندر در آیا۔ اس نے سفید دھوتی پہن رکھی تھی جس کے اوپر کے حصے پر پیلے رنگ کی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ جس پر سرخ رنگ میں "اوم" اور دوسرے متبرک شبد چھپے ہوئے تھے۔ اس کا سر گنجا تھا اور پیشانی پر انگریزی کے حرف یو "U" کی طرح کا کشکا بنا ہوا تھا۔ سیدھی کلائی میں اسٹیل یا چاندی کے دو کڑے بھی نظر آ رہے تھے۔

کستوری اسے وہیں روکنا چاہتی تھی مگر وہ پنڈت اسے ایک طرف ہٹاتا ہوا آگے چلتا رہا وہ کچھ بول بھی رہا تھا۔ میں گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا اس کے چہرے پر برستی ہوئی پھٹکار صاف نظر آ رہی تھی۔

وہ برآمدے میں پہنچا تو میں نے پستول جیب سے نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ وہ کسی بہانے پورے گھر کو چیک کرے گا۔ میں نے سمترا کو اشارہ کیا اور ہم دونوں دروازے کے قریب دیوار کے ساتھ اس طرح چپک کر کھڑے ہو گئے کہ اگر باہر سے دروازہ کھولا جاتا تو ہم اس کے پیچھے چھپ جاتے۔

میرا خیال درست نکلا۔ وہ پجاری واقعی گھر کو چیک کر رہا تھا۔ اس کے پیروں میں لکڑی کی کھڑاؤں کی آواز کبھی ایک طرف سے سنائی دیتی اور کبھی دوسری طرف سے۔ ساتھ ساتھ اس کے بولنے کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں اور کستوری بھی اس کے ساتھ ساتھ تھی اس کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔

کھڑاؤں کی وہ آواز ہمارے کمرے کے سامنے رک گئی۔ میں نے سمترا کی طرف دیکھا وہ سانس روکے دیوار کے ساتھ چپکی کھڑی تھی۔ میں نے پستول کو نال کی طرف پکڑ لیا اور صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ اگر وہ پنڈت اندر داخل ہوا تو پستول کے دستے کی ضرب سے اس کی کھوپڑی کھول دوں گا اور اس کے بعد جو ہو گا دیکھا جائے گا۔

دروازے کا ہینڈل گھومنے کی آواز سنائی دی اور پھر ایک جھٹکے سے پورا دروازہ کھل گیا۔ ہم دروازے کے پیچھے چھپ کر رہ گئے۔

"آخر بات کیا ہے شمبو ناتھ جی' تم اس طرح دروازے کھول کھول کر کیوں دیکھ رہے ہو۔ کیا تمہیں مجھ پر کوئی شبہ ہے۔" اس کے قریب کھڑی ہوئی کستوری نے کہا۔

"شمبو ناتھ جی کو اپنی تسلی کر لینے دو کستوری بائی۔" اس شخص کی آواز بھی اس کے چہرے کی طرح کرخت تھی۔ 'مہاراج پنڈت رام اوتار کا حکم ہے کہ ہم تسلی کر لیں کہ تمہارے ساتھ یہاں کوئی اور تو نہیں رہ رہا۔"

"تمہارا خیال ہے کہ میں نے یہاں کسی کو چھپا دیا ہو گا۔" کستوری نے جواب دیا۔ "میں نے کہا نا کہ میں سو رہی تھی اس لئے دروازہ کھولنے میں دیر ہو گئی۔ بس اتنی سی بات پر تمہیں مجھ پر شک ہو رہا ہے۔ ٹھیک ہے تم اپنی تسلی کر لو۔ میں بڑے کمرے میں بیٹھی ہوں۔ پورا گھر دیکھ لو تو وہاں آ جانا۔"

کستوری ہال کمرے کی طرف چلی گئی۔ شمبو ناتھ نامی اس پجاری نے دروازہ کھلا چھوڑ دیا اور راہداری میں آگے بڑھ گیا۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ اس نے کمرے کے اندر جھانک کر نہیں دیکھا تھا۔

شمبو ناتھ نے پانچ سات منٹ میں پورے گھر کا معائنہ کر لیا اور پھر وہ بھی ہال کمرے میں چلا گیا۔ پندرہ بیس منٹ تک اس طرف سے باتوں کی آواز سنائی دیتی رہی اور پھر شمبو ناتھ واپس چلا گیا۔ کستوری اسے گیٹ تک چھوڑنے گئی تھی۔ ہم بھی کمرے سے نکل آئے۔

"بلا ٹل گئی۔" کستوری ہمارے سامنے آتے ہوئے بولی۔ "میں تو پریشان ہو گئی تھی' یہ شمبو ناتھ تو رام اوتار سے بھی بڑا حرامی ہے۔ مندر کے سارے پجاری اس سے ڈرتے ہیں۔"

"اس کی صورت ہی بتا رہی ہے کہ وہ مہا حرامی ہے۔" سمترا بول پڑی۔

"بہرحال وہ کس لئے آیا تھا یہاں؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے کستوری کی طرف دیکھا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

"پنڈت رام اوتار کا بلاوہ لے کر آیا تھا۔ اس نے تین بجے مندر میں بلایا ہے۔" کستوری نے جواب دیا اور عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

میں اس کی نگاہوں کا مطلب سمجھ گیا۔ وہ غالباً جاننا چاہتی تھی کہ میں نے سمترا سے کوئی بات کی تھی یا نہیں۔ سمترا سے بات تو میں کر ہی چکا تھا لیکن اس کی طرف سے کوئی واضح جواب نہیں ملا تھا اور اب وہی سوال میرے سامنے تھا۔ میں سمترا کی طرف دیکھنے لگا اس نے نظریں چرالیں۔

"تم یہاں سے کس وقت نکلو گی؟" میں نے کستوری سے پوچھا۔

"اس وقت دس بج رہے ہیں۔" وہ دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد ڈھائی بجے نکلوں گی یہاں سے۔"

"ٹھیک ہے سمترا بھی تمہارے ساتھ چلی جائے گی۔" میں نے کہا "ایک سے دو بھلے شاید کسی موقع پر تمہاری کوئی مدد کر سکے۔"

میں نے محسوس کیا کہ میری اس بات سے کستوری کے چہرے پر رونق سی آ گئی تھی۔ وہ چند لمحوں تک کبھی میری طرف اور کبھی سمترا کی طرف دیکھتی رہی پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"تم نے میری رضامندی کے بغیر یہ فیصلہ کیسے کر لیا۔" سمترا نے عصیلی نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ اس کے لہجے میں بھی ناگواری نمایاں تھی۔ "شمبو ناتھ کو تم دیکھ چکے ہو۔ وہ صورت ہی سے بدمعاش لگتا ہے تم ان پجاریوں اور پنڈتوں کو اچھی طرح جانتے ہو۔ یہ انسان نہیں خونخوار بھیڑیے ہیں۔ اس کے باوجود تم مجھے۔"

"مجبوری ہے سمترا۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ہم یہاں سے باہر نکلیں اور فرار کی کوشش میں پولیس کی گولیوں کا نشانہ بن جائیں۔"

"ٹھیک ہے۔" سمترا نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "تم جو چاہتے ہو وہی ہوگا۔ میری نکیل اس وقت تمہارے ہاتھ میں ہے اور تم۔"

اور پھر اس نے ایک ایسی بات کہی کہ میرا خون کھول اٹھا۔ اس وقت میرا دل چاہا تھا کہ میں اس کا گلا گھونٹ دوں لیکن میں ضبط کر گیا۔

بیس پچیس منٹ بعد کستوری تیار ہو کر کمرے سے نکل آئی اور کچن میں جا کر ناشتہ تیار کرنے لگی۔ ناشتے کی چیزیں وہ گزشتہ شام ہی بازار سے لے آئی تھی۔

سمترا ناشتہ کرتے ہی اپنے کمرے میں گھس گئی۔ بارہ بجے کے قریب جب کستوری دوپہر کے کھانے کا سامان لینے کے لئے بازار گئی تو میں سمترا والے کمرے میں آ گیا۔ وہ بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ ناراضگی اس کے چہرے پر عیاں تھی۔

"ناراض ہو...؟" میں اس کے قریب بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"میں کیوں ناراض ہونے لگی۔" اس نے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔

"میں اس وقت تمہارے اختیار میں ہوں۔ تم جو چاہو گے میں کروں گی۔ میں تم سے ناراض کیوں ہونے لگی۔ اپنا تو مقدر ہی ایسا ہے۔" اس کی آنکھوں میں ویرانی جھلکنے لگی۔ "ماتا پتا کے ساتھ بھگوان

کے مندروں کی یاترا کے لئے نکلی تھی۔ لیکن کیا معلوم تھا کہ ان مندروں میں ناگ بھرے ہوئے ہیں یہ پنڈت اور پجاری جنہیں میں بھگوان کا اوتار سمجھتی رہی خونخوار بھیڑیے نکلے۔ میں نہیں جانتی تھی کہ مندر عیاشی اور فحاشی کے اڈے بنے ہوئے ہیں۔ میں تو داسی بن کر مندر میں رہنا چاہتی تھی تاکہ یاترا کے لئے آنے والوں کی سیوا کر سکوں لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ داسی بن کر سیوا کرنے کا کیا مطلب ہوتا ہے۔" وہ خاموش ہو کر میری طرف دیکھتی رہی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "میں مندر میں نہیں خونخوار بھیڑیوں کے بھٹ میں پھنس گئی تھی اور پھر میری قسمت میں یہی لکھا تھا۔ مردوں کی آغوش گرماتی رہوں۔ ان کے بستروں کی زینت بنتی رہوں۔"

"روپ سیہائے مجھے اس جہنم سے نکال لایا۔ اس نے مجھے شادی کا لالچ دیا تھا مگر اپنی رکھیل بنا کر رکھا تھا۔ پھر تم دوبارہ ملے تو مجھے کچھ امید بندھی۔ مجھے یقین تھا کہ تم مجھے اس نرگ سے نکال کر لے جاؤ گے۔ میں ایک گھر چاہتی ہوں۔ اپنا گھر جہاں میں کسی خوف کے بغیر سکون سے زندگی بتا سکوں۔ مگر تم...." اس نے خاموش ہو کر میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔ "کیا میرا یہ سپنا کبھی پورا نہیں ہوگا' کیا میں جیون بھر ایسے ہی رہوں گی۔"

"نہیں سمترا۔" میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ مجھے واقعی اس پر ترس آنے لگا تھا۔ "میں جانتا ہوں تم نے بہت کشٹ اٹھائے ہیں لیکن اب تمہاری زندگی کا وہ خوفناک دور ختم ہونے والا ہے۔ بس آج کا دن... آج آخری مرحلہ سمجھ لو۔ آج کے بعد تمہیں کوئی دکھ نہیں اٹھانا پڑے گا۔"

سمترا مجھ سے لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اسے میں اس وقت سے جانتا تھا جب میں نے پنڈت بھیرو کے مندر میں پناہ لی تھی۔ اس وقت بھی اس نے مجھے اپنی کہانی سنائی تھی اس کے بعد بھی اس کے ساتھ جو کچھ ہوتا رہا تھا وہ میرے علم میں تھا۔ وہ جیون کے درد میں ڈوب ڈوب کر ابھر رہی تھی۔ وہ واقعی قابل رحم تھی لیکن ..... اس وقت ہم جس خوفناک صورتحال سے دوچار تھے اس کا تقاضا کچھ اور تھا۔

پنڈت رام اوتار سے اگرچہ میری ملاقات نہیں ہوئی تھی لیکن اس جیسے لوگوں کی فطرت سے میں واقف تھا۔ ان کے اندر زہر بھرا ہوا تھا۔ ہوس کی آگ بھڑک رہی تھی جو مرنے سے پہلے ختم نہیں ہوتی تھی۔

کستوری رام اوتار کے شکنجے میں پھنس گئی۔ وہ اس سے جان چھڑانا چاہتی تھی۔ جس کیلئے وہ ہمیں استعمال کرنا چاہتی تھی۔ پنڈت رام اوتار کو بھی یہ پتہ چل گیا تھا کہ دیال شنکر کے قتل میں کستوری ملوث ہے اور اس نے ہمیں بھی پناہ دے رکھی ہے۔ اگر دیال شنکر والا معاملہ نہ کھڑا ہوتا تو میرا منصوبہ یہی تھا کہ کستوری کو راستے سے ہٹا کر یا ڈھال بنا کر ہم اس شہر سے نکل جائیں گے مگر اس رات دیال شنکر نے سمترا کو پہچان لیا تھا جس سے ساری گڑبڑ ہو گئی تھی اور اب صورتحال بہت مختلف ہو گئی تھی۔

ایک راستہ اور بھی تھا لیکن وہ زیادہ خطرناک تھی۔ کستوری اس وقت ہمارے قبضے میں تھی۔ ہم یہ بھی کر سکتے تھے کہ کستوری کو ختم کر کے یہاں سے نکلنے کی کوشش کی جائے مگر پنڈت رام اوتار ہمارے راستے میں آ جاتا اور پولیس کو ہمارے بارے میں اطلاع دے دیتا۔ ایسی صورت میں ہمارے لئے یہاں سے فرار ممکن نہ ہوتا اور اس لئے میں نے کستوری کا ساتھ دینے کی حامی بھر لی تھی اور سمترا کی مرضی کے بغیر میں نے اس کی طرف سے حامی بھر لی تھی۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

"ٹھیک ہے۔" سمترا گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔ "تمہاری خاطر یہ بھی سہی۔"

وہ مجھ سے لپٹ گئی۔ میں اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتا رہا اور پھر باہر کے گیٹ کی آواز سنکر میں اس سے الگ ہوگیا۔

کستوری کھانا لے کر آ گئی تھی۔ کچھ دیر بعد سمترا بھی منہ ہاتھ دھو کر کمرے سے نکل آئی اور پھر اس کے کچھ ہی دیر بعد ہم تینوں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔

دو بجے کے قریب کستوری سمترا کو لے کر شرمیلا والے کمرے میں گھس گئی اور آدھے گھنٹے بعد جب سمترا اکیلی ہی اس کمرے میں برآمد ہوئی تو اسے دیکھ کر میں سانس لینا بھول گیا۔ وہ تو ویسے ہی حسین تھی لیکن میک اپ اور مخصوص تراش کے لباس نے اسے قیامت بنا دیا تھا اور یہ لباس ظاہر ہے شرمیلا کے وارڈ روب سے نکالا گیا تھا اسے دیکھ کر میرے ذہن میں فوراً ہی ایک اور خیال ابھرا تھا۔ "کیا سمترا کو دیکھ کر پنڈت رام اوتار اپنے آپ پر قابو پا سکے گا؟"

کستوری شاید اسی لئے سمترا کو اپنے ساتھ لے جا رہی تھی کہ پنڈت اپنے حواس کھو بیٹھے۔

چند منٹ بعد کستوری بھی کمرے سے باہر آ گئی۔ مجھے دل ہی دل میں اعتراف کرنا پڑا کہ وہ سمترا سے بھی زیادہ قیامت خیز لگ رہی تھی۔ اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔ میں بھی مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا اور پھر میں باری باری ان دونوں کی طرف دیکھنے لگا۔ مجھے اس طرح دیکھتے پا کر سمترا کی ہونٹوں پر بھی پھیکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

وہ دونوں چلی گئیں۔ کستوری نے جاتے ہوئے گیٹ کو باہر سے بند کر دیا تھا میں نے ہال کمرے میں صوفے پر بیٹھ کر وہ اخبار اٹھا لیا جو کستوری دوپہر کے کھانے کے ساتھ بازار سے لے آئی تھی اور میں نے ابھی تک اسے کھول کر نہیں دیکھا تھا۔

یہ مقامی اخبار تھا۔ پہلے صفحہ پر زیادہ تر خبریں ہمارے ہی بارے میں تھیں۔ ہنومان گڑھ پولیس کے افسر اعلیٰ کی پریس کانفرنس بھی نمایاں سرخی کے ساتھ چھاپی گئی تھی۔ اس نے بعض باوثوق ذرائع کے حوالے سے اس یقین کا اظہار کیا تھا کہ دونوں دہشت گرد ہنومان گڑھ میں ہی موجود ہیں۔ اور انہیں ایک دو دن میں گرفتار کر لیا جائے گا۔ پولیس آفیسر کے یہ باوثوق ذرائع کیا ہو سکتے تھے اس کا مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے پنڈت رام اوتار ہی نے اسے کوئی ٹپ دی ہو۔

آخری صفحہ پر ایک اور خبر پڑھ کر میں اچھل پڑا۔ وہ چھوٹی سی خبر روپ سیہائے کے حوالے سے تھی۔ وہ کل رات ہنومان گڑھ پہنچ گیا تھا اور ہماری تلاش میں پولیس سے تعاون کر رہا تھا۔

میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ اگر میں پہلے یہ خبر پڑھ لیتا تو سمترا کو کسی بھی صورت میں کستوری کے ساتھ نہ جانے دیتا۔ روپ سیہائے کو معلوم تھا کہ سمترا مندروں کی رہنے والی تھی۔ ہو سکتا ہے اس کے ذہن میں یہ خیال آ جائے کہ اسے مندروں ہی میں تلاش کرنا چاہئے۔ اس روز اخبار میں سمترا کی جو تصویر شائع ہوئی تھی کوئی عام آدمی اسے دیکھ کر سمترا کو شناخت نہیں کر سکتا تھا مگر روپ سیہائے .... وہ تو اسے دور سے ہی دیکھ کر پہچان لے گا اور اگر سمترا اس کی نظروں میں آ گئی تو وہ تو پولیس کے شکنجے میں آ ہی جائے گی اور میرے لئے بھی مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔

ایک اندیشہ میرے ذہن میں پیدا ہو چکا تھا جس سے میرا سکون رخصت ہوگیا تھا اور اس کے بعد میں اخبار کی دوسری خبریں بھی نہیں پڑھ سکا۔ ایک عجیب سی بے چینی پیدا ہو چکی تھی۔ میں کبھی اٹھ کر ٹہلنے لگا اور کبھی اخبار اٹھا کر بیٹھ جاتا۔

یہ میں جانتا تھا کہ اگر سمترا پکڑی گئی تو پولیس یہاں پہنچنے میں بھی زیادہ دیر نہیں لگائے گی۔ میں نے اپنے آپ کو آنے والے وقت کے لئے تیار کر لیا اور پستول جیب سے نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔

وقت گزارنا محال ہو رہا تھا۔ ایک ایک لمحہ صدیوں پر بھاری پڑ رہا تھا۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا میری بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔

چھ بج گئے۔ شام کے سائے گہرے ہو چلے تھے۔ میری بے چینی نقطہ عروج پر پہنچ چکی تھی۔ میں اب برآمدے میں آ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ پانچ منٹ اور گزر گئے اور پھر گیٹ کا ذیلی دروازہ کھلنے کی آواز سنکر میں نے اس طرف دیکھا اور میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا وہ کستوری اور سمترا تھیں۔

میں ان کے ساتھ ہی اندر آ گیا۔ ان دونوں کے چہرے مسکرا رہے تھے۔ سمترا کو مسکراتے پا کر مجھے اطمینان ہوا اس کا مطلب تھا کہ اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوئی تھی۔

"تمہارے چہرے پر بارہ کیوں بج رہے ہیں؟" سمترا نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا تم سمجھتی ہو کہ مجھے تمہاری طرف سے پریشانی نہ ہوتی اور یہ خبر پڑھنے کے بعد تو مجھ جیسا کوئی بھی شخص پاگل ہو سکتا تھا۔" میں نے کہتے ہوئے اخبار اٹھا کر اس کے سامنے کر دیا۔

روپ سیہائے کے بارے میں خبر پڑھ کر سمترا کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا۔

"کیسی خبر ہے؟" کستوری نے ہاتھ میں پکڑا ہوا شاپنگ بیگ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

سمترا نے اخبار اس کی طرف بڑھا دیا۔ خبر پڑھ کر وہ بھی کچھ نروس سی ہوگئی۔ لیکن اس نے اپنی کیفیت پر فوراً قابو پا لیا۔

"آج کی رات ہے۔" وہ اخبار میز پر ڈالتے ہوئے بولی۔ "کل تو ہم یہاں سے نکل ہی جائیں گے۔ روپ سیہائے یہاں ٹاپتا رہ جائے گا۔"

"آج کی رات" میں نے کہتے ہوئے شاپنگ بیگ میں جھانکا اور اس میں سے ایک سیب نکال کر کھانے لگا۔ "گویا کوئی امید بندھی ہے۔"

"ہاں...." کستوری مسکرائی۔ "تمہاری اس دوست کو دیکھ کر اس کے ہوش اڑ گئے تھے۔ پاگل ہوگیا ہے وہ۔" وہ مڑ کر سمترا کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے کل کا پروگرام بنا رکھا تھا۔ لیکن سمترا کو دیکھنے کے بعد اس نے پروگرام بدل دیا۔ گویا اس نے خود ہی اپنی زندگی کے چوبیس گھنٹے کم کر دیئے اور آج رات کا پروگرام بنا لیا۔"

"پروگرام کیا ہے؟" میں دانتوں سے سیب کا ایک اور ٹکڑا کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے چائے کی طلب ہو رہی ہے۔" کستوری نے کہا۔ "میں چائے بنالوں پھر بات کرتے ہیں۔"

سمترا بھی اپنے کمرے کی طرف جا چکی تھی۔ میں اٹھ کر اس کمرے میں آ گیا۔ اس وقت سمترا

www.pdfbooksfree.pk

منہ ہاتھ دھوکر باتھ روم سے نکل رہی تھی۔

''اوہ .... میں تو کچھ اور سوچ کر آیا تھا اور تم نے....''

''نجانے کیا بات ہے کہ یہ لیپا پوتی اب مجھے اچھی نہیں لگتی۔'' اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''دل بجھ سا گیا ہے اب تو جیون بھی بوجھ سا لگنے لگا ہے۔''

''مندر میں کوئی بات ہوئی تھی کیا؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں' ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' سمترا نے جواب دیا۔

''پنڈت رام اوتار تو میرے قریب بھی نہیں آیا۔ دور ہی سے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا رہا اور پھر وہ گھنٹہ بھر ایک الگ کونے میں بیٹھا کستوری سے کھسر پھسر کرتا رہا۔''

''اس کا مطلب ہے کہ تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ انہوں نے کیا پروگرام بنایا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

سمترا نے نفی میں سر ہلا دیا۔ کچھ ہی دیر بعد کستوری کی آواز سنائی دی۔ وہ چائے کیلئے بلا رہی تھی۔ ہم ہال کمرے میں آ گئے۔

''یہ سیب بازار سے لے کر آئی تھی۔'' میں نے تھیلے میں سے ایک اور سیب نکالتے ہوئے کہا۔ ''بہت دنوں بعد سیب کی شکل دیکھی ہے۔ یہاں تو بہت مہنگے بکتے ہوں گے؟''

''یہ سیب پنڈت رام اوتار نے دیئے تھے۔'' کستوری نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''یہ کشمیری سیب ہیں' بازار میں کم از کم سو روپے کلو تو ضرور ہوں گے مگر مندروں کے سیوکوں کو تو ہر چیز مفت میں ملتی ہے اسی لئے تو کھا کھا کر سور کی طرح پلے ہوئے ہیں۔''

لوگ تو مندروں میں دیوی اور دیوتاؤں کے چرنوں پر سونے کی مورتیاں اور زیورات بھینٹ کر دیتے ہیں۔ سو روپے کلو والے سیب کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ بھینٹ چڑھانے والوں سے بھگوان خوش ہو نہ ہو پجاری ضرور خوش ہو جاتے ہیں۔'' تو پھر پروگرام کیا بنا؟'' اس مرتبہ میں نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''گیارہ بجے پنڈت کا ایک قابل اعتماد آدمی گاڑی پر ہمیں لینے کے لئے یہاں پہنچ جائے گا۔ پہاڑی والا بنگلہ یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ تم آسانی سے پہنچ جاؤ گے۔'' وہ مجھے پتہ سمجھانے لگی۔ ''دائیں طرف یہی سڑک تقریباً ایک میل آگے ختم ہو جاتی ہے۔ وہیں پہاڑی کے دامن میں بڑے بڑے بنگلے ہیں۔ پہاڑی کا وہ دامن چند سال پہلے ہی آباد ہونا شروع ہوا ہے۔ اس لئے بنگلوں کی تعداد کم اور وہ ایک دوسرے سے خاصے فاصلے پر واقع ہیں۔'' وہ خاموش ہو کر چائے کے گھونٹ بھرنے لگی پھر بولی ''سڑک کے اختتام پر بائیں طرف مڑ جانا' وہاں سے تقریباً نصف میل آگے سڑک کے ساتھ ہی ایک بہت بڑا بنگلہ ہے جس کے گیٹ پر کالی ماں کی مورتی لگی ہوئی ہے اس کے ساتھ ایک بلب بھی رات بھر جلتا رہتا ہے۔ اس بنگلے کے پہلو ہی میں ایک راستہ اوپر کی طرف چلا گیا ہے اور تقریباً سو گز آگے وہ بنگلہ ہے اس کے آس پاس اور کوئی بنگلہ نہیں ہے۔ کالی مورتی والا بنگلہ یاد رکھنا۔ وہاں سے تم آسانی سے آگے پہنچ سکو گے۔''

''وہاں پنڈت کے علاوہ کتنے آدمی ہوں گے؟'' میں نے پوچھا۔

aazzamm@yahoo.com

''کوئی نہیں...!'' کستوری نے جواب دیا۔ ''اس کے ساتھ حسین عورت ہو تو کسی اور کو حصے دار نہیں بناتا۔'' اس نے کن انکھیوں سے سمترا کی طرف دیکھا۔

''اور وہ آدمی جو تم لوگوں کو لینے آئے گا؟'' میں نے پوچھا۔

''شمبو ناتھ۔'' کستوری بولی۔ ''وہی پجاری جو آج صبح یہاں آیا تھا وہ اس کا قابل اعتماد ساتھی ہے لیکن ایسے موقع پر رام اوتار اسے بھی قریب نہیں پھٹکنے دیتا۔ ہو سکتا وہ مجھے اس کے حوالے کر دے۔ یا یہ بھی ممکن ہے آج کی رات اسے محروم ہی رکھے اور اسے بنگلے کی چوکیداری کیلئے باہر ہی بٹھا دے۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ پنڈت خود تہہ خانے میں ہوگا لیکن اگر میں شمبو ناتھ پر قابو پالوں تو کیا وہ اس راستے کی نشاندہی کر سکے گا۔'' میں نے پوچھا۔

''ہاں .... شمبو ناتھ سب کچھ جانتا ہے۔'' کستوری مسکرائی۔

''ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا ''تم لوگ گیارہ بجے نکلو گی اور اس کے چند منٹ بعد مجھے بھی یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ مجھے پیدل وہاں تک پہنچنے میں کچھ وقت تو لگ جائے گا۔''

''ہاں.... اور میرا اندازہ ہے کہ تم ساڑھے گیارہ بجے تک وہاں پہنچ جاؤ گے۔'' کستوری نے جواب دیا۔

اور پھر ہمارا موضوع بدل گیا۔ آٹھ بجے کے قریب کستوری بازار سے جا کر کھانا لے آئی اور دس بجے کے قریب وہ سمترا کو لے کر شرمیلا والے کمرے میں گھس گئی۔

تقریباً پون گھنٹے بعد وہ دونوں اکٹھی ہی باہر نکلی تھیں۔ انہیں دیکھ کر میں پلکیں جھپکنا بھول گیا۔ کستوری شرمیلا کا وارڈ روب بڑی آزادی سے استعمال کر رہی تھی۔ اس وقت ان دونوں کے جسموں پر دوسرے لباس نظر آ رہے تھے۔

سوا گیارہ بجے کے قریب باہر کا دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز سنائی دی۔ کستوری ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

''میں تمام بتیاں بجھا رہی ہوں۔'' اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔ ''باہر گیٹ کے دروازے پر میں تالا لگا دوں گی۔ تم برآمدے والا دروازہ بھیڑ جانا۔''

میں کھڑکی کے قریب پردے کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا۔ کستوری نے تمام بتیاں بجھا دیں اور سمترا کا ہاتھ پکڑ کر باہر چلی گئی۔

میں اندھیرے میں کھڑکی کے قریب کھڑا انہیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

.....☆.....

اس وقت بارہ بج رہے تھے اور پہاڑی کے دامن میں کالی دیوی کی مورتی والا بنگلہ تلاش کرنے میں مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ اس طرف سناٹا تھا۔ میں اس بنگلے سے چند گز آگے اوپر جانے والے پتھریلے راستے پر مڑ گیا۔

میں طے شدہ وقت سے آدھا گھنٹہ لیٹ ہو گیا تھا اور میرے خیال میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

پہاڑی پر کانٹے دار جھاڑیاں تھیں اور تاریکی میں کہیں کہیں درختوں کے سائے بد روحوں کی طرح جھولتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ وہ کوئی باقاعدہ سڑک نہیں تھی۔ غالباً بلڈوزر وغیرہ سے زمین ہموار کرکے کشادہ راستہ سا بنا لیا گیا تھا جس پر پہلو بہ پہلو دو کاروں کی آمدورفت ہو سکتی تھی۔

پتھر میرے پیروں سے ٹکرا کر لڑھک رہے تھے۔ میں بہت محتاط ہو کر قدم اٹھانے لگا۔ سناٹے میں پتھروں کے لڑھکنے کی آواز دور تک پھیل سکتی تھی۔

تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر میں کسی قدر بائیں طرف مڑ گیا۔ میں سامنے کے بجائے پہلو کی طرف سے جانا چاہتا تھا۔ بنگلہ بظاہر تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ لیکن ہو سکتا ہے اندر برآمدے میں یا کسی اور جگہ بتی جل رہی ہو لیکن دیوار اونچی ہونے کی وجہ سے روشنی نظر نہیں آرہی تھی۔

میں نے پستول ہاتھ میں لے رکھا تھا اور اب کانٹے دار جھاڑیوں میں بہت احتیاط سے قدم اٹھا رہا تھا۔ خشک جھاڑیوں کے پیروں کے نیچے دبنے سے چرچراہٹ کی ہلکی سی آواز ابھر رہی تھی۔ ہوا کا رخ بنگلے کے مخالف سمت میں تھا۔ اس لئے مجھے توقع تھی کہ جھاڑیوں کی آواز بنگلے کے اندر نہیں سنی جا سکتی تھی۔

دیوار کے قریب پہنچ کر میں رک گیا اور سر اٹھا کر اوپر دیکھنے لگا۔ دیوار تقریباً آٹھ فٹ اونچی تھی۔ اگر اس پر پلستر ہوتا تو اس پر چڑھنا آسان نہ ہوتا۔ یہ دیوار پہاڑی کے پتھر تراش کر بنائی گئی تھی۔ پتھروں میں ابھار تھا اور یہ ابھار غالباً دیوار میں خوبصورتی پیدا کرنے کے لئے رکھا گیا تھا لیکن پتھروں کے یہی ابھار اب میرے لئے اوپر چڑھنے کا ذریعہ بن گئے تھے۔

میں نے پستول جیب میں ڈال لیا اور پتھروں کے ابھاروں پر ہاتھ پیر جماتا ہوا اوپر چڑھنے لگا اور مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

کمپاؤنڈ بہت وسیع تھا۔ عمارت گیٹ سے تقریباً بیس گز کے فاصلے پر تھی۔ پورچ میں ایک سفید کار کھڑی نظر آرہی تھی اور اس کے دوسری طرف ایک کمرے کی کھڑکی سے بہت مدھم سی روشنی جھلک رہی تھی۔ کھڑکی کے سامنے اگر دبیز پردہ نہ ہوتا تو تیز روشنی باہر آ سکتی تھی۔

میں دیوار پر بیٹھا تاریکی میں ادھر ادھر گھورتا رہا۔ میرے بائیں طرف عمارت سے ذرا ہٹ کر غالباً سرونٹ کوارٹر تھا جس کے سامنے قریب قریب دو درخت بھی تھے۔ لیکن وہ سیدھے تنے تھے۔ کئی فٹ کی اونچائی تک تو کوئی شاخ نہیں تھی البتہ بہت اوپر چوٹی پر درخت چھتریوں کی طرح پھیلے ہوئے تھے۔ اندھیرے میں اندازہ لگانا دشوار تھا کہ وہ کس چیز کے درخت تھے۔

میں نے جیب سے پستول نکال لیا تھا۔ میری نظریں سرچ لائٹس کی طرح اندھیرے میں گردش کر رہی تھیں لیکن کسی ذی روح کی موجودگی کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ شمبو ناتھ ڈرائیور کی حیثیت سے آیا تھا۔ وہ پنڈت اوتار کا یار غار تھا۔ اگر پنڈت نے بھی اسے عیاشی میں اپنے ساتھ شامل کر لیا ہو تو وہ بھی اس کے ساتھ تہہ خانے میں ہوگا۔ بصورت دیگر اسے باہر یا اوپر ہی کسی کمرے میں ہونا چاہئے تھا۔

دیوار کے اندر کی طرف بھی پتھر ابھرے ہوئے تھے جن کی وجہ سے مجھے نیچے اترنے میں بھی کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ نیچے کچی زمین تھی اور خشک جھاڑیاں تھیں۔ میں اپنی جگہ پر بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ میری نظریں برآمدے کے دوسری طرف اس کھڑکی پر مرکوز تھیں جس سے مدھم سی روشنی جھلک رہی تھی۔

میں کچھ دیر سانس روکے کھڑا رہا اور پھر دبے قدموں برآمدے کی طرف بڑھنے لگا۔ خشک جھاڑیاں میرے پیروں کے نیچے دب کر چرچرا رہی تھیں۔ میں محتاط انداز میں آگے بڑھتا رہا اور پورچ میں کھڑی ہوئی کار کے قریب پہنچ کر رک گیا۔

ابھی تک کسی طرف سے کوئی آہٹ سنائی نہیں دی تھی۔ شمبو ناتھ اگر باہر ہوتا تو میں اب تک اس کی نظروں میں آچکا ہوتا۔ میری نظریں اب بھی روشن کھڑکی پر مرکوز تھیں۔ میرا بایاں ہاتھ کار پر تھا اور میں آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔

برآمدے میں پہنچ کر میں ایک ستون کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ اس لمحہ ایک ہلکی سی آہٹ سنائی دی جیسے کوئی چھوٹا سا پتھر لڑھکا ہو۔ میں ستون کے ساتھ چپک گیا اور تاریکی میں اسی طرف گھورنے لگا جس طرف سے آہٹ سنائی دی تھی لیکن کچھ بھی دکھائی نہیں دیا۔

چند سیکنڈ بعد میں ستون کی آڑ سے نکل کر پھر آگے بڑھنے لگا اور کھڑکی کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ کھڑکی کے اندر کی طرف سے دبیز پردہ پڑا ہوا تھا لیکن نیچے ایک کونے سے پردہ ذرا سا سرکا ہوا تھا میں نے جھک کر اس جگہ آنکھ لگا دی۔

کمرے میں بیڈ بچھا ہوا تھا' دو کرسیاں بھی نظر آرہی تھیں۔ لیکن کسی ذی روح کی موجودگی کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ میں ابھی اندر جھانک ہی رہا تھا کہ کوئی سخت سی چیز میری پشت سے لگ گئی اور اس کے ساتھ ہی ایک غراہٹ سنائی دی۔

''سیدھا کھڑا ہو جا مورکھ' ہوشیاری دکھائی تو گولی مار دیوؤں گا۔''

میں ایک جھٹکے سے سیدھا ہو گیا۔ اس وقت مجھے اپنا دل کنپٹیوں میں دھڑکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

'مارے طرف کو پاسا پٹ لے' تھارا پھوٹو تو دیکھوں' کون ہے تو...؟'' وہی غراہٹ دوبارہ سنائی دی۔

میں اس کی طرف پلٹ گیا۔ وہ شمبو ناتھ تھا جس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ریوالور کا رخ میری طرف تھا۔ میرا پستول ابھی تک میرے ہاتھ میں تھا مگر شمبو ناتھ نے حیرت انگیز پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پستول میرے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔

''پنڈت جی ٹھیک کہتے تھے' لونڈیا اکیلی نہیں ہو سکتی' اس کا کوئی دلال ضرور ہوگا۔''

شمبو ناتھ کا آخری جملہ سن کر میرا خون کھول اٹھا۔ دل تو چاہا اس کی گردن توڑ دوں مگر مجبوری یہ تھی کہ میں اس کے ریوالور کی زد پر تھا۔

میں گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کستوری نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ یہ پجاری حرام کی روٹیاں کھا کھا کر سور کی طرح پھٹے ہوئے تھے۔ میں آج دن میں بھی اسے دیکھ چکا تھا۔ وہ لمبے قد اور کسرتی بدن کا مالک تھا جس سے اس کی طاقت کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا تھا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ میں نے اس کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ مجھے تو راجستھان کی پولیس' بلیک کیٹس اور دوسری ایجنسیاں نہیں گھیر سکی تھیں یہ پجاری کیا حیثیت رکھتا تھا۔

''یہ دلال اکیلا نہیں ہے' ذرا پیچھے مڑ کر دیکھو'' میں نے بڑے پرسکون لہجے میں کہا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

میرا نفسیاتی حربہ کام کر گیا۔ اس نے بڑی تیزی سے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ میں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس کے ریوالور والے ہاتھ پر ٹھوکر رسید کر دی۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل کر برآمدے میں جا گرا۔ وہ تیزی سے پلٹا تھا مگر میں نے اسے سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر اس کے جبڑے پر گھونسہ دما دیا اور وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا۔ میرا دوسرا گھونسہ اس کی ناک پر پڑا۔ وہ بلبلا اٹھا میں اس پر تابڑ توڑ حملے کرتا رہا اور پنڈلی پر لگنے والی ایک ٹھوکر سے دوسرے پیر پر ناچ کر رہ گیا۔ میں نے ایک اور ٹھوکر رسید کر دی۔ اس مرتبہ وہ لڑکھڑا کر نیچے گرا تو میں نے اس پر چھلانگ لگا دی۔

میں اس کی گردن اپنے بازو میں لپیٹ لینے کی کوشش کر رہا تھا مگر اس کا ایک داؤ چل گیا اور میں اس کی گرفت میں آ گیا۔ اس کم بخت میں بے پناہ طاقت بھری ہوئی تھی وہ مجھے بری طرح رگید رہا تھا۔

کئی منٹ تک ہم دونوں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوتے رہے۔ میں نے ایک مرتبہ اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کی لیکن اس کے نیچے دب گیا۔ اس نے میری گردن دبوچ لی۔ دونوں انگوٹھے میرے نرخرے پر تھے اور دباؤ بڑھ رہا تھا۔

میں نے گلے پر سے اس کی گرفت چھڑانے کی کوشش کے ساتھ ساتھ اپنا گھٹنا دوہرا کر لیا اور پھر اس کی ٹانگوں کے بیچ میں گھٹنے سے زوردار ٹھوکر رسید کر دی۔ وہ بلبلا اٹھا اور میرے گلے پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ میں نے زوردار جھٹکا دے کر اپنے آپ کو چھڑا لیا اور اسے ایک طرف پلٹ دیا اس کے ساتھ ہی میں نے اچھل کر اسے اپنی گرفت میں لے لیا اور اس مرتبہ اس کی گردن میرے بازو کی لپیٹ میں آ گئی۔

وہ اپنی گردن چھڑانے کی کوشش کرنے لگا اور اس میں شبہ نہیں کہ اس میں گینڈے کی طرح بے پناہ طاقت بھری ہوئی تھی۔ مگر یہ میرا پسندیدہ داؤ تھا۔ اور حریف کیلئے اس سے چھٹکارا حاصل کرنا ممکن نہیں تھا۔

میں نے ایڑیاں زمین پر جما لیں۔ میرے جسم کی تمام طاقت جیسے اس بازو میں سمٹ آئی تھی وہ بری طرح مچلتا رہا۔ اس کے حلق سے غرغراہٹ کی سی آوازیں نکل رہی تھیں۔

میں نے اس کی گردن کو زوردار جھٹکا دیا۔ لیکن کچھ نہیں ہوا۔ سوائے اس کے کہ وہ بری طرح مچل کر رہ گیا تھا۔ اس کی سور جیسی موٹی گردن لکڑی کی طرح اکڑی ہوئی تھی۔ میں پے در پے جھٹکے دیتا رہا اور کڑک کی آواز ابھری۔ اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔

وہ بری طرح تڑپ رہا تھا۔ لیکن میں نے گرفت ڈھیلی نہیں کی اور گردن کو مسلسل جھٹکے دیتا رہا۔

اس کی مزاحمت ختم ہو گئی۔ اس کا جسم ڈھیلا پڑنے لگا۔ لیکن میں نے اس کی گردن اس وقت تک نہیں چھوڑی جب تک وہ بالکل بے حس و حرکت نہیں ہو گیا۔

میں نے اسے ایک اور جھٹکا دے کر فرش پر پھینک دیا اور اٹھ کر گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ کم بخت میں گینڈے کی طرح طاقت بھری ہوئی تھی۔ مجھے واقعی پسینہ آ گیا تھا۔

میں نے جھک کر اس کی جیب سے اپنا پستول نکالا اور بڑی آہستگی سے برآمدے والا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ سب سے پہلے میں نے اس کمرے میں جھانکا تھا۔ جہاں روشنی ہو رہی تھی۔ وہ کمرہ خالی تھا۔ میں ہال نما کمرے میں آ گیا۔ اور کچھ دیر تک تاریکی میں کھڑا کسی قسم کی آہٹ سننے کی کوشش

کرتا رہا مگر گہری خاموشی تھی۔ میں نے دیوار ٹٹول کر بتی جلا دی۔

اس ہال نما کمرے کے اطراف میں تین کمرے تھے اور ایک طرف کشادہ راہداری تھی۔ کمروں کے دروازے بند تھے۔ میں دبے قدموں راہداری کی طرف بڑھ گیا۔ اس راہداری میں بھی آمنے سامنے دو کمرے تھے۔ راہداری کے اختتام پر نیچے جانے کے لئے سیڑھیاں تھیں۔

یہ تہہ خانے کا راستہ ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔ کستوری نے بتایا تھا کہ تہہ خانے کا راستہ بہت خفیہ ہے جس کا پنڈت رام اوتار کے علاوہ کسی کو علم نہیں ہے۔ ان سیڑھیوں کو دیکھ کر میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ یہ مکان پہاڑی پر بنا ہوا تھا۔ ہو سکتا ہے اس جگہ پہلے ہی سے گہرا کھڈ ہو جس کی بھرائی کرنے کے بجائے اسے بیس منٹ کے طور پر تیار کیا گیا ہو اور تہہ خانہ اس کے مزید نیچے بنایا گیا ہو۔

میں محتاط انداز میں سیڑھیاں اترتا ہوا نیچے آ گیا۔ بیس منٹ کا نقشہ بھی اوپر کی طرح تھا میں نے سیڑھیاں اترتے ہی دیوار پر ٹٹول کر بتی جلا لی تھی۔ بلب کی روشنی بہت آگے تک جا رہی تھی۔

یہ راہداری تھی جس کے دائیں بائیں اوپر کی طرح دو کمرے تھے۔ دونوں کے دروازے بند تھے۔ راہداری کے اختتام پر ویسا ہی ہال کمرہ اور اس کے اطراف میں تین کمرے تھے۔

میں نے ہال کی بتی جلا دی۔ کسی کی موجودگی کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ ہال کمرہ بالکل خالی تھا۔ فرنیچر نام کی بھی کوئی چیز دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ تینوں کمروں کے دروازے بند تھے۔ میں نے باری باری دو کمروں کے دروازے کھول کر اندر جھانک لیا۔ وہ دونوں کمرے خالی تھے اس کا مطلب تھا کہ تہہ خانے کا راستہ تیسرے کمرے ہی میں ہو سکتا تھا۔ میں دبے قدموں چلتا ہوا اس کمرے کے سامنے پہنچ گیا۔ ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر بڑی آہستگی سے اسے گھمایا اور دروازہ کھول دیا۔ میں نے جیسے ہی اندر قدم رکھا چٹ کی ہلکی سی آواز سے کمرہ روشنی سے بھر گیا۔ ایک لمحہ کو میری آنکھیں چندھیا سی گئیں اور اس لمحہ ایک آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

”سوا گیتم ... سوا گیتم ...!“

روشنی خاصی تیز تھی۔ میں نے آنکھیں مچ مچا کر دیکھا اور اس کے ساتھ مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

سامنے کستوری اور سمترا کرسیوں پر بندھی ہوئی تھیں۔ ان کے منہ میں بھی کپڑا ٹھنسا ہوا تھا۔ کپڑے پھٹے ہوئے اور بال الجھے ہوئے تھے۔ ان دونوں کی حالت دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ کہ ان کے ساتھ زیادتی کی جا چکی تھی یا ایسی کوئی کوشش کی گئی تھی۔

کمرے میں دائیں طرف دیوار کے ساتھ سوئچ بورڈ کے قریب پنڈت رام اوتار کھڑا تھا اس کے ہاتھ میں پستول تھا اور بائیں طرف روپ سیہا۔ اسے دیکھ کر میری گردن پر چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ اس کے ہاتھ میں بھی پستول تھا اور آنکھوں سے نفرت و حقارت کی چنگاریاں سی پھوٹ رہی تھیں۔

”یہ بندوقڑی پھینک دو مورکھ۔“ پنڈت رام اوتار نے غراتے ہوئے کہا۔ ”اب تمہارا کھیل ختم ہو چکا۔ تم نے بھارت دیش کی پولیس کو انگلیوں پر نچا رکھا تھا مگر رام اوتار کے جال میں کس قدر آسانی سے پھنس گئے اب تو تمہیں یم دوت ہی مکتی دلا سکتا ہے میں کہتا ہوں یہ بندوقڑی پھینک دو۔“

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

میں نے کستوری اور سمترا کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں بے پناہ مایوسی تھی میں نے ایک بار پھر باری باری پنڈت اور روپ سیہائے کی طرف دیکھا۔ میں جانتا تھا کہ میری کسی بھی غلط حرکت پر ان دونوں میں سے کوئی بھی مجھے گولی مارنے سے دریغ نہیں کرے گا۔ میں نے پستول کو گھما کر نال کی طرف سے پکڑ لیا اور ہاتھ سے اسی طرح آگے بڑھایا جیسے پستول پھینکنا چاہتا ہوں لیکن دوسرے ہی لمحے میں نے پستول زور سے رام اوتار کی طرف کھینچ مارا۔

میری یہ حرکت اس کے لئے غیر متوقع تھی۔ پستول اس کے سینے پر لگا اور وہ کراہ اٹھا۔ اس سے پہلے میں کوئی دوسرا قدم اٹھاتا کمرہ فائر کی آواز سے گونج اٹھا۔ روپ سیہائے نے میرے پیروں کے قریب گولی چلا دی تھی۔

''اب اگر کوئی ایسی حرکت کی تو دوسری گولی تمہارے سینے میں لگے گی۔'' روپ سیہائے غرایا۔

''اب یہ ایسی کوئی حرکت نہیں کرے گا روپ سیہائے۔''

اپنے عقب سے آواز سن کر میں اچھل پڑا اور اس کے ساتھ ہی میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ ایک پولیس انسپکٹر مجھ پر ریوالور تانے دروازے میں کھڑا تھا۔

''اب آئی سمجھ میں بات ...'' پنڈت رام اوتار میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ وہ ایک ہاتھ سے سینہ سہلا رہا تھا۔ اسے اچھی خاصی چوٹ لگی ہوگی۔'' اس نے کستوری کی طرف اشارہ کیا۔ ''مجھے کئی روز پہلے دیال شنکر نے بتا دیا تھا کہ یہ میری دولت اڑانے اور مجھے قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہی ہے۔ میں اسے پھانسنے کے لئے موقع کی تلاش میں تھا مگر یہ گاؤں چلی گئی اور اس روز شام کو واپس آئی تو اس نے دیال شنکر سے کہہ کر کھانا منگوایا تھا۔ دیال شنکر نے شام کو تمہیں اس کے ساتھ تانگے پر آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

''اس روز مجھے یہ خبر بھی مل گئی تھی کہ پولیس کو مطلوب دہشت گرد یہاں پہنچ چکے ہیں یا پہنچنے والے ہیں۔ مجھے کستوری پر شبہ تھا مجھ سے انتقام لینے کے لئے یہ کوئی بھی کام کر سکتی تھی۔''

''میں اس رات بغیر اطلاع کے کچی بستی میں اس کے گھر پہنچ گیا اس نے تم لوگوں کو دوسرے کمرے میں چھپا دیا اور میرے پوچھنے پر بتایا کہ دیال شنکر مہمانوں کو اسٹیشن چھوڑنے گیا ہوا ہے جو اتفاق سے اسے مل گئے تھے۔''

''میں نے تمہیں دوسرے کمرے میں روشن دان سے جھانکتے ہوئے دیکھ لیا پہلے تو مجھے شبہ تھا پھر یقین ہو گیا کہ تم لوگ وہی دہشت گرد ہو جنہیں اس کتیا نے پناہ دے رکھی ہے۔''

''کستوری تم لوگوں کو رات ہی رات کو لے کر شرمیلا کے مکان میں منتقل ہو گئی۔ لیکن میری نگاہوں سے چھپی ہوئی نہیں تھی۔ میں نے اسے اور تم لوگوں کو پھانسنے کے لئے مندر میں بلوا کر ایک منصوبہ بنایا اور کستوری سے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر وہ میرے لئے کسی نئی لڑکی کا انتظام کر دے تو میں اس کا پیچھا چھوڑ دوں گا۔''

''منصوبے دونوں طرف سے بن رہے تھے۔ میں نے روپ سیہائے کو فون کر کے کوٹ چکی سے یہاں بلوالیا تھا۔ اور آج جب کستوری اس چھوکری کو لے کر مندر میں آئی تو روپ سیہائے بھی وہاں چھپا ہوا تھا۔ اس نے اس چھوکری کو دیکھ کر تصدیق کر دی کہ یہ وہی ہے۔''

''اب صورت حال یہ تھی کہ تم لوگوں کی گرفتاری پر لاکھوں روپے کے انعامات مقرر ہیں۔ اگر ہم پولیس کو تم لوگوں کے ٹھکانے سے آگاہ کر دیتے تو پولیس وہاں ہلا بول دیتی اور ہم انعام سے محروم رہ جاتے۔ میں نے انسپکٹر چندر شیکھر کو بلا لیا اور اسے اعتماد میں لے کر صورت حال سے آگاہ کر دیا وہ اس بات پر آمادہ ہو گیا کہ اگر تم لوگوں کو اس کے ذریعے پولیس کے حوالے کر دیا جائے تو انعام کی رقم ہم تینوں آپس میں تقسیم کر لیں گے۔ تقریباً تینتیس لاکھ روپے کی رقم ایک کے حصے میں آئے گی۔ روپ سیہائے کو ملنے والی رقم سے اس کا نقصان بھی پورا ہو جائے گا۔ انسپکٹر چندر شیکھر بھی عیش کرے گا اور میرے بھی وارے نیارے ہو جائیں گے۔''

وہ بات کر کے خاموش ہو گیا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی مکروہ سی مسکراہٹ تھی۔ اور میرے پورے بدن میں سنسنی کی لہریں سی دوڑ رہی تھیں۔

''میں نے کستوری کو یقین دلایا تھا کہ یہاں میرے علاوہ اور کوئی نہیں ہوگا۔'' پنڈت رام اوتار کہہ رہا تھا۔ ''اس کا خیال تھا کہ تم لوگ مجھے موت کے گھاٹ اتار کر یہاں سے نکل جاؤ گے مگر میں نے جو جال بنا تھا وہ بڑا مضبوط تھا تم لوگ بڑی آسانی سے اس میں پھنس گئے۔''

وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ ''شمبو ناتھ کو میں نے ہدایت کر دی تھی کہ وہ تمہیں دیکھ کر مزاحمت تو کرے مگر تمہارا راستہ نہ روکے۔ ایک دو ہاتھ کھا کر بے ہوش ہو جائے۔ شمبو ناتھ عقل مند نکلا۔ اس نے تمہیں اندر آنے کا موقع دے دیا۔ تم نے یقیناً اسے بے ہوش کر دیا ہوگا۔ لیکن ہوش میں آنے کے بعد جب وہ یہاں آئے گا تو تمہارا اصل مقابلہ اسی سے ہوگا اور تم دیکھو گے کہ اس میں کس قدر طاقت بھری ہوئی ہے۔

''جس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ چکی ہو وہ ہوش میں نہیں آ سکتا پنڈت رام اوتار۔'' میں نے جواب دیا۔ اس وقت تک میں اپنی کیفیت پر مکمل طور پر قابو پا چکا تھا۔ کیونکہ مجھے اطمینان ہو گیا تھا کہ یہاں اب ان تینوں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ پولیس انسپکٹر بھی دنیا کا سب سے بڑا بے وقوف ثابت ہوا تھا جو پنڈت رام اوتار اور انعام کی رقم کے لالچ میں آ کر مجھے گرفتار کرنے کے لئے یہاں اکیلا ہی چلا آیا تھا۔

''کیا مطلب .... کیا کہنا چاہتے ہو تم؟'' پنڈت رام اوتار کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔

''تمہارا سورما شمبو ناتھ میرا ایک جھٹکا بھی برداشت نہیں کر سکا اور گردن کی ہڈی تڑوا بیٹھا۔ اسے دنیا ہی سے مکتی مل گئی ہے اسی لئے اب وہ کبھی ہوش میں نہیں آ سکے گا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اور کیا تم مجھے اتنا ہی بیوقوف سمجھتے ہو کہ سوچے سمجھے بغیر موت کے منہ میں چھلانگ لگا دوں گا۔ میں تم لوگوں کی مکارانہ ذہنیت سے اچھی طرح واقف ہوں اور میں نے قدم قدم پر اس کا توڑ کیا ہے مجھے معلوم تھا کہ یہاں بھی میرے ساتھ دھوکہ ہوگا اس لئے میں کسی ایسی صورت حال سے نمٹنے کے لئے پورا بندوبست کر کے آیا ہوں۔''

''کیا مطلب؟'' پنڈت کے چہرے کا رنگ ایک بار پھر بدل گیا۔

''میں جہاں بھی گیا ہوں مجھے دو چار حمایتی ضرور مل گئے ہیں جو میری مدد کرتے رہے ہیں۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

میں نے جواب دیا۔ ”اس وقت بھی میرے ساتھ دو آدمی ہیں جن میں ایک تو تمہارے ہی مندر کا پجاری ہے۔“ میں نے کہا۔

پنڈت رام اوتار کا چہرہ دھواں ہوگیا۔ روپ سیہائے کے چہرے کا رنگ بھی بدل گیا اور انسپکٹر کے چہرے پر بھی الجھن کے تاثرات ابھر آئے۔ پنڈت اور روپ سیہائے دروزے کے دائیں بائیں تھے۔ وہ باہر نہیں دیکھ سکتے تھے۔ انسپکٹر کی پشت دروازے کی طرف تھی۔ وہ بھی باہر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ میں نے ایک بار پھر پلٹ کیا تھا اور اس موقع پر پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ میں نے بائیں ہاتھ کی دو انگلیاں ہونٹوں میں دبالیں اور انسپکٹر کے پیچھے دروازے کے باہر دیکھتے ہوئے سیٹی بجادی۔

انسپکٹر نے بدحواس ہوکر پیچھے مڑ کر دیکھا اور میں یہی چاہتا بھی تھا۔ میں کسی طاقتور اسپرنگ کی طرح اپنی جگہ سے اچھلا اور انسپکٹر کو ساتھ لیتا ہوا دروازے سے ٹکرا کر نیچے گرا۔ انسپکٹر کی انگلی ٹریگر پر تھی۔ جھٹکا لگنے سے ٹریگر دب گیا۔ فائر کی آواز کے ساتھ ہی روپ سیہائے کی چیخ بھی سنائی دی تھی۔ گولی اس کی پیشانی میں لگی تھی اور وہ ڈھیر ہوگیا تھا۔

میں انسپکٹر کے ہاتھ سے پستول چھیننے کی کوشش کر رہا تھا کہ پنڈت رام اوتار نے آگے بڑھ کر میری پسلیوں پر ٹھوکر رسید کردی۔ میں دوسری طرف الٹ گیا مگر انسپکٹر کی کلائی میری گرفت میں رہی اور پھر میں نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے انسپکٹر کو بھی اپنے ساتھ رگید لیا اور اس کے چہرے پر سر کی ٹکر رسید کردی۔

ٹکر انسپکٹر کی ناک رگی وہ بری طرح بلبلا اٹھا۔ ناک سے خون کی دھار بہہ نکلی تھی۔ پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا مگر وہ میرے ہاتھ بھی نہیں آسکا تھا۔

انسپکٹر اور میں دونوں ایک دوسرے کو بری طرح رگید رہے تھے اور پنڈت رام اوتار ادھر ادھر ناچتا ہوا کبھی مجھے ٹھوکر رسید کردیتا اور کبھی پستول کے دستے سے سر پر ضرب لگانے کی کوشش کرتا لیکن میں ہر مرتبہ اپنے سر کو بچالیتا۔ ضرب کبھی میرے کندھے پر لگتی اور کبھی شولڈر بلیڈ پر۔

پنڈت رام اوتار اگر چاہتا تو بڑی آسانی سے مجھے گولی کا نشانہ بنا سکتا تھا لیکن میں اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ مجھے زندہ پکڑنا چاہتے تھے۔ وہ مجھے بے ہوش کرنے کے لئے میرے سر پر پستول کے دستے سے ضرب لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔

ایک موقع پر وہ جیسے ہی میری طرف بڑھا میں نے پوری قوت سے اس کے منہ پر لات رسید کردی۔ وہ چیخ کر پیچھے ہٹا۔ پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر ہوا میں اڑتا ہوا کستوری کی گود میں گرا۔ کستوری کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہ دہشت زدہ سی نظروں سے گود میں پڑے ہوئے پستول کو دیکھنے لگی۔ اس کے دونوں ہاتھ کرسی کے ہتھوں سے بندھے ہوئے تھے اس لئے وہ پستول سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتی تھی۔

میرے پیر کی ٹھوکر سے پنڈت رام اوتار کے اگلے دو دانت ٹوٹ گئے تھے۔ اس کے منہ سے خون بہہ رہا تھا اور وہ بری طرح چیخ رہا تھا۔

اس دوران انسپکٹر اٹھ کر مجھ سے لپٹ گیا۔ وہ دراز قامت اور بھاری تن و توش کا مالک تھا۔ اس کے بدن میں بھی شمبو ناتھ کی طرح بے پناہ طاقت بھری ہوئی تھی۔ لیکن جوش میں آکر وہ طاقت کے استعمال

کا طریقہ بھول گیا تھا اور شاید یہ بھی بھول گیا تھا کہ اس کا مقابلہ ایک ایسے شخص سے ہے جس نے ناگ راج سمیت درجنوں سورماؤں کی گردنیں مروڑ دی تھیں اور پورے ہندوستان کی پولیس کو انگلیوں پر نچا رکھا تھا۔

انسپکٹر نے مجھے پیچھے سے بانہوں کے حلقے میں لپیٹ رکھا تھا اور مجھے دبانے کے لئے پوری قوت استعمال کر رہا تھا۔ مجھے اعتراف ہے کہ اس کے دباؤ سے میرا دم گھٹنے لگا تھا۔ پسلیاں جیسے اندر کو دبی جارہی تھیں۔ اس نے اپنی ٹھوڑی بھی میرے دائیں کندھے سے لگا رکھی تھی اور میری ہنسلی کی ہڈی پر بھی شدید دباؤ پڑ رہا تھا۔

میں نے دونوں ہاتھ اس کی کلائی پر جمادیئے اور آہستہ آہستہ آگے کو جھکنے لگا۔ وہ میرے داؤ کو سمجھ گیا اور اس نے ایک گھٹنا میری کمر سے لگا دیا اور اوپر سے مجھے پیچھے کی طرف کھینچنے لگا۔

اب اس کا بوجھ صرف ایک پیر پر تھا۔ میں نے اپنے آپ کو زوردار جھٹکا دیا وہ توازن برقرار نہ رکھ سکا اور لڑکھڑانے لگا۔ میں نے ایک اور جھٹکا دیا اور اسے ساتھ لیتا ہوا نیچے گرا۔ اس کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑتے ہی میں نے اپنے آپ کو اس کی گرفت سے چھڑایا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

میرا سانس اب بھی گھٹ رہا تھا اور کمر میں جیسے آنکڑا سا لگ گیا تھا۔ میں گہرے گہرے سانس لینے کی کوشش کرتے ہوئے اپنی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔ اسی دوران پنڈت رام اوتار نے چھلانگ لگادی۔ اس نے سر سے میرے پیٹ میں ٹکر ماری اور مجھے دھکیلتا ہوا دیوار تک لے گیا۔ میں دیوار سے ٹکرایا۔ میرے منہ سے کراہ نکل گئی۔ اس نے پیچھے ہٹ کر ایک اور ٹکر ماری۔ اس مرتبہ ٹکر سینے پر لگی تھی۔ میں چیخ اٹھا۔ پنڈت نے پیچھے ہٹ کر تیسری ٹکر مارنے کی کوشش کی تو میں تیزی سے ایک طرف ہٹ گیا پنڈت اپنی ہی جھونک میں دیوار سے ٹکرا گیا۔ وہ بھی بری طرح چیخ اٹھا اور سر کو دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر ناچنے لگا۔

پیٹ اور سینے پر لگنے والی ٹکروں نے مجھے نڈھال سا کردیا تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے تاریکی سی چھانے لگی۔ میں دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا سر کو زور زور سے جھٹکے دینے لگا۔

پنڈت رام اوتار سنبھل چکا تھا۔ وہ ایک مرتبہ پھر ارنا بھینسے کی طرح میری طرف لپکا۔ اسی دوران انسپکٹر نے بھی سنبھل کر فرش پر پڑا ہوا اپنا ریوالور اٹھا لیا تھا۔ اس نے ریوالور کا رخ میری طرف کرکے ٹریگر دبادیا اور ٹھیک اس لمحہ پنڈت رام اوتار میرے سامنے آگیا۔

گولی کی آواز کے ساتھ پنڈت رام اوتار کی چیخ بھی کمرے میں گونج اٹھی تھی۔ پنڈت مجھ سے ٹکرایا تو تھا مگر اس کی ساری طاقت پشت پر لگنے والی گولی نے سلب کرلی تھی۔ اس کے جسم کو ایک زوردار جھٹکا لگا۔ میں نے اسے بانہوں سے پکڑ لیا۔

انسپکٹر دہشت زدہ سا ہوگیا۔ وہ بدحواس ہوکر پنڈت کو دیکھ رہا تھا جو میری بانہوں میں جھول گیا تھا۔ میں نے پنڈت کو دھکا دے کر ایک طرف گرادیا اور انسپکٹر پر چھلانگ لگادی۔

انسپکٹر نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوسکا۔ میرے پیر کی ٹھوکر اس کی کہنی پر لگی۔ وہ چیخ اٹھا۔ پستول بھی اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا تھا۔ میں نے دوسری ٹھوکر اس کے سینے پر ماردی اور وہ پیچھے الٹ گیا۔ میں نے آگے بڑھ کر ایک اور ٹھوکر مارنا چاہی مگر اس نے میرا پیر پکڑ کر زوردار جھٹکا دیا۔ میں

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

ایک پیر پر ناچ کر رہ گیا اور پشت کے بل پیچھے گرا۔ انسپکٹر نے سنبھلنے سے پہلے مجھے دبوچ لیا تھا۔

انسپکٹر مجھے بری طرح رگید رہا تھا۔ اسی دوران میری نظریں کستوری کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ کرسی کے ہتھوں پر بندھے ہوئے اپنے ہاتھ کھولنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ کی رسی ڈھیلی ہو چکی تھی۔

میں نے انسپکٹر کو پیروں پر اٹھا کر دور اچھال دیا اور بڑی پھرتی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ انسپکٹر نے بھی اٹھنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ اس نے جھک کر پتلون کا پائنچہ اٹھایا۔ اس کی پنڈلی پر چمڑے کے فیتے سے خنجر بندھا ہوا تھا۔ اس نے بڑی پھرتی سے وہ خنجر نکال لیا۔

انسپکٹر خنجر لہراتا ہوا میری طرف بڑھ رہا تھا میں پیچھے ہٹتا ہوا دیوار کے ساتھ جا لگا۔

انسپکٹر کے چہرے پر درندگی اور آنکھوں میں وحشیانہ چمک تھی۔ اس نے خنجر والا ہاتھ بلند کیا اور حملہ کرنے کے لئے میری طرف لپکا اور پھر اس کا خنجر والا ہاتھ اوپر لہرا کر رہ گیا۔ گولی کی آواز کے ساتھ اس کی چیخ بھی گونج اٹھی تھی۔

میں نے چونک کر دوسری طرف دیکھا۔ کستوری اپنی کرسی سے چند گز دور کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں انسپکٹر والا ریوالور تھا۔

گولی انسپکٹر کی پشت کی طرف سے دل میں لگی تھی۔ وہ لہرا کر گرا اور چند لمحے تڑپنے کے بعد بے حس و حرکت ہو گیا۔

کستوری کی آنکھوں میں وحشت سی بھری ہوئی تھی۔ میں نے لپک کر اس کے ہاتھ سے ریوالور لے لیا۔ کستوری جیسے ہوش میں آ گئی وہ دوڑ کر سمترا کے قریب پہنچ گئی اور اس کی بندشیں کھولنے لگی۔

کمرے میں تین لاشیں پڑی تھیں اور ان میں سے کوئی بھی میرے ہاتھوں سے نہیں مرا تھا۔ روپ سیہائے کو انسپکٹر کی گولی لگی تھی۔ پنڈت رام اوتار بھی انسپکٹر کی گولی کا نشانہ بنا تھا اور انسپکٹر کستوری کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔

یہاں اگرچہ کئی گولیاں چلی تھیں، چیخم دھاڑ بھی ہوئی تھی لیکن مجھے اطمینان تھا کہ یہ آوازیں باہر نہیں سنی گئی ہوں گی لیکن اب میں زیادہ دیر یہاں رکنا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔

''اور پنڈت رام اوتار کی دولت...'' کستوری بولی۔

''یہاں تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔'' میں نے کہا ''تم نے سنا نہیں تھا پنڈت نے دھوکے سے تمہیں یہاں بلایا تھا۔ وہ اتنا بے وقوف ہرگز نہیں تھا کہ تم جیسی عورت کو اپنی زندگی کے قیمتی ترین راز سے آگاہ کر دیتا۔ اب یہ راز بھی اس کے ساتھ ہی ختم ہو چکا ہے۔''

کستوری کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔ میں نے ریوالور کھول کر دیکھا گیارہ گولیوں والا ریوالور تھا۔ دو چیمبر خالی ہو چکے تھے اور نو گولیاں باقی تھیں۔ میں نے ریوالور بند کر دیا اور ان دونوں کو اشارہ کرتے ہوئے کمرے سے نکل کر سڑھیوں کی طرف چل پڑا۔

میں نے پورچ میں کھڑی ہوئی کار کا دروازہ کھول کر دیکھا، چابی اگنیشن میں لگی ہوئی تھی۔

''تم جا کر گیٹ کھولو، میں گاڑی اسٹارٹ کر کے لا رہا ہوں۔'' میں نے اندر بیٹھتے ہوئے کستوری

سے کہا اور سمترا کے لئے دوسری طرف کا دروازہ کھول دیا۔

انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے مجھے اچانک ہی ایک اور خیال آ گیا اور میں کار سے اتر کر برآمدے میں شمبو ناتھ کی لاش کے قریب پہنچ گیا اور جھک کر اس کا لباس اتارنے لگا۔ دھوتی اور پیلے رنگ کا ساڑھوں والا یہ لباس میرے کام آ سکتا تھا۔ میں نے اس کے گلے سے ساری مالائیں بھی اتار لیں۔ کلائی سے چاندی کے کڑے اتارتے ہوئے مجھے کچھ دشواری پیش آئی تھی۔

یہ سب چیزیں میں نے سمترا کے حوالے کر دیں اور کار اسٹارٹ کر کے گیٹ سے باہر لے آیا۔ کستوری نے گیٹ بند کر دیا اور دوڑ کر کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

میں نے کار کی بتیاں نہیں جلائیں۔ تاریکی میں بہت ہلکی رفتار سے اسے پہاڑی ڈھلان سے نیچے لے آیا۔ موڑ پر میں نے کالی کی مورتی والے بنگلے کی طرف دیکھا۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ میں نے کار سڑک پر موڑتے ہی رفتار بڑھا دی اور ہیڈ لیمپس بھی روشن کر دیے۔

.....☆.....

شرمیلا والے بنگلے تک پہنچنے زیادہ دیر نہیں لگی۔ اندر آتے ہی کستوری صوفے پر گر گئی۔ اس کا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ چہرے پر خوف اور دہشت نمایاں تھی۔ اس کی زندگی اگرچہ بدمعاشوں، غنڈوں اور بدقماش لوگوں میں گزری تھی لیکن ایسی صورت حال سے غالباً پہلی مرتبہ واسطہ پڑا تھا۔ تین لاشیں اس نے اپنے سامنے گرتے دیکھی تھیں۔ اور چوتھی لاش برآمدے میں پڑی ہوئی تھی۔

اگرچہ سمترا کی حالت بھی ابتر تھی مگر ماضی میں وہ اس قسم کے سنگین حالات سے دو چار رہ چکی تھی۔ ان دونوں کے لباس پھٹے ہوئے تھے۔ میں نے سوالیہ نگاہوں سے سمترا کی طرف دیکھا۔ وہ میری نگاہوں کا مطلب سمجھ گئی۔

''روپ سیہائے نہ ہوتا تو پنڈت رام اوتار اور شمبو ناتھ اپنی من مانی کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔'' وہ کہہ رہی تھی۔ ''ان دونوں پر تو وحشی پن کا دورہ پڑا تھا مگر روپ سیہائے نے انہیں دھمکی دی کہ اگر انہوں نے ہمیں نہ چھوڑا تو وہ واپس چلا جائے گا۔''

کستوری اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ اپنی کیفیت پر بڑی حد تک قابو پا چکی تھی۔ وہ پنڈت رام اوتار اور شمبو ناتھ کو جی بھر کر گالیاں دے رہی تھی۔

''اگر ان دونوں میں سے کوئی زندہ بچ جاتا تو مجھے افسوس ہوتا۔'' وہ کہہ رہی تھی۔ ''ان جیسے پاپیوں کا یہی انجام ہونا چاہئے۔''

''وہ تو اپنے انجام کو پہنچ گئے۔'' میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اب اپنے انجام کے بارے میں سوچو۔''

''کیا مطلب؟'' اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

''مطلب یہ کہ اگر کوئی اس بنگلے پر پہنچ گیا تو پھر ہم بھی محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔'' میں نے کہا ''مندر کے دوسرے پجاریوں کو یقیناً یہ معلوم ہوگا کہ تم کل دن میں اس سے ملی تھیں۔ لاشیں دریافت ہونے کے بعد سب سے پہلا شبہ تم پر ہوگا اور پولیس یہاں پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگائے گی۔ اس کے بعد جو کچھ

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

ہوگا وہ تم بہتر سمجھ سکتی ہو۔"

"کم از کم دو چار دن تو لاشیں دریافت ہونے کا کوئی امکان نہیں۔" کستوری نے جواب دیا۔ "پنڈت رام اوتار اپنے خاص چیلے شمبو ناتھ کے ساتھ اکثر دو دو تین تین دن کے لئے غائب ہو جاتا تھا۔ اس مرتبہ بھی لوگ یہی سمجھیں گے کہ وہ کہیں گئے ہوئے ہیں۔ دو تین دن بعد شاید اس کے کسی اور خاص چیلے کو اس مکان کا خیال آ جائے۔"

"مگر روپ سہائے اور انسپکٹر کی گمشدگی سے شہر میں ہلچل مچ سکتی ہے اور ہوسکتا ہے ہمارے لئے مزید مشکلات پیدا ہو جائیں۔" میں نے کہا "ویسے یہ کار کس کی ہے؟"

"پنڈت رام اوتار کی۔" کستوری نے جواب دیا۔

"گڈ....." میں نے کہتے ہوئے سمترا کی طرف دیکھا۔ جو کچن میں جا کر چائے بنا لائی تھی۔ ہم سب اس وقت واقعی بڑی شدت سے چائے کی طلب محسوس کر رہے تھے۔ میں نے ایک کپ لے لیا اور دو تین چسکیاں بھرنے کے بعد بولا۔

"اس سے پہلے کہ پنڈت رام اوتار اور دوسروں کی تلاش شروع ہو جائے ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ بعد میں یہاں سے فرار ہونا آسان نہیں ہوگا۔"

"تجویز معقول ہے۔" کستوری بولی "لیکن میں کہاں جاؤں گی۔ گنگا نگر..." وہ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی "میری گمشدگی سے بھی پولیس کو مجھ پر شبہ ہوگا۔ وہ گنگا نگر پہنچ جائیں گے اور میں آسانی سے دھر لی جاؤں گی۔"

"تم اگر چاہو تو ہمارے ساتھ جا سکتی ہو۔" میں نے کہا "ہندوستان بہت بڑا ملک ہے' تم کہیں بھی نام بدل کر زندگی گزار سکتی ہو۔"

کستوری کچھ دیر سوچتی رہی اور پھر وہ بھی ہمارے ساتھ جانے پر آمادہ ہوگئی۔

چائے پیتے ہوئے ہم یہاں سے نکلنے کا پروگرام بناتے رہے۔ میرا خیال تھا کہ ہمیں صبح سویرے یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ صبح پولیس انسپکٹر اور روپ سہائے کی تلاش شروع ہو جائے گی اور ہمارے لئے کچھ مشکلیں پیدا ہو سکتی ہیں۔

"ٹھیک ہے' تم لوگ تھوڑی نیند لے لو' ہم دن کا اجالا طلوع ہوتے ہی یہاں سے نکل جائیں گے۔" میں نے کہا۔

وہ دونوں سمترا والے کمرے میں چلی گئیں۔ شاید الگ الگ کمروں میں جانے سے ڈر رہی تھیں۔

اس وقت تین بج رہے تھے۔ میں نے تمام بتیاں بجھا دیں۔ صرف راہداری والی بتی جلتی رہنے دی۔ اس کی مدھم سی روشنی ہال کمرے تک بھی پہنچ رہی تھی۔ میں صوفے پر بیٹھا صورت حال کا جائزہ لیتا رہا۔ ریوالور نکال کر میں نے گود میں رکھ لیا۔ کستوری نے اگرچہ کہا تو تھا کہ دو چار دن سے پہلے لاشوں کے ملنے کا امکان نہیں۔ لیکن ہندوؤں کی مکارانہ ذہنیت کی طرح مجھے اس سرزمین کے موسم اور حالات پر بھی بھروسہ نہیں تھا اور میں اپنی طرف سے کسی غفلت کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

کستوری پنڈت رام اوتار سے انتقام لینے کے ساتھ اس کی دولت پر بھی قبضہ کرنا چاہتی تھی۔ اس کا انتقام تو پورا ہوگیا تھا مگر دولت کے سلسلے میں اسے بڑی مایوسی ہوئی تھی۔ پنڈت کی دولت کے بارے میں سوچتے ہوئے مجھے اپنے سوٹ کیس کا خیال آ گا۔ جو سمترا والے کمرے میں پلنگ کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ میں نے آگے کے لئے جو منصوبہ بنایا تھا اس میں سوٹ کیس لے لئے پھرنا مناسب نہیں تھا۔

میں اٹھ کر شرمیلا والے کمرے میں آ گیا۔ وہاں الماری کے اوپر سیاہ رنگ کا ایک سفری بیگ رکھا ہوا تھا میں نے بیگ کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور اسے دوبارہ الماری پر رکھ دیا یہ میرے کام کی چیز نہیں تھی۔

میں اس کمرے سے نکل کر پورے گھر میں اپنے مطلب کی چیز تلاش کرتا رہا اور کچن سے ملحق برتن والے اسٹور میں مجھے کپڑے کا ایک میلا سا تھیلا مل گیا۔ یہ تھیلا غالباً سبزی بھاجی اور دوسرا سودا سلف لانے کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ اس میں ایک لمبا اسٹریپ بھی لگا ہوا تھا جس سے تھیلے کو کندھے پر لٹکایا جا سکتا تھا۔

میں نے تھیلا صوفے پر ڈال دیا اور بڑی آہستگی سے اس کمرے میں جا کر پلنگ کے نیچے سے سوٹ کیس نکال لیا

پہلے میں نے کپڑوں کا ایک جوڑا تھیلے میں رکھا۔ اس کے اوپر تمام زیورات اور نوٹوں کی گڈیاں رکھ کر ان کے اوپر اپنے اور سمترا کے کپڑے ڈال دیئے۔ نوٹوں کی دو گڈیاں میں نے الگ نکال لی تھیں۔ ایک گڈی دس کے نوٹ والی تھی۔ اور دوسری سو کے نوٹوں والی۔ تھیلا پیک کرتے ہوئے میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ میں نے جو منصوبہ بنایا تھا اگر اس پر عمل کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو میری مشکلات کا خاتمہ ہو جاتا اور پھر مجھے سرحد پار کرنے سے کوئی روک نہیں سکتا تھا۔

مجھے رات بھر جاگنا تھا۔ اگرچہ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ لیکن میں نے ایک بار پھر چائے بنا لی تھی۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا میں کبھی ٹہلنے لگتا اور کبھی صوفے پر ٹانگیں پسار کر بیٹھ جاتا۔

دن کا مدھم سا اجالا پھیلنے لگا تھا۔ میں نے کمرے میں جا کر دونوں کو جگا دیا۔

ان دونوں کو تیار ہونے میں ایک گھنٹہ لگا۔ اس وقت سورج طلوع ہونے میں کچھ ہی دیر باقی تھی۔ کستوری اور سمترا نے اب بھی شرمیلا کے وارڈ روب پر ہاتھ صاف کیا تھا اور دونوں نے ساڑھیاں پہنی تھیں۔ کستوری کچن میں جا کر ناشتہ تیار کرنے لگی۔

ناشتے کے دوران میں نے انہیں بتا دیا کہ ہم اس وقت نکلیں گے جب سڑکوں پر اچھا خاصا ٹریفک شروع ہو چکا ہو۔

ناشتہ کر کے میں تیار ہونے کے لئے کمرے میں گھس گیا میں نے اپنے کپڑے اتار کر شمبو ناتھ والے کپڑے پہن لئے۔ دھوتی میں نے بالکل اسی طرح باندھی تھی جس طرح ہندو باندھتے تھے۔ شمبو ناتھ کی تمام مالائیں بھی گلے میں ڈال لیں اور چاندی کے کڑے بھی کلائی میں پہن لئے۔ شرمیلا کی ڈریسنگ ٹیبل کی دراز میں مختلف شیڈز کی لپ اسٹکس موجود تھیں۔ میں نے مناسب رنگ کی لپ اسٹک اٹھا کر ماتھے پر تین افقی لکیریں کھینچ لیں۔ یوں تو بیشتر ہندو مرد ماتھے پر ٹیکا لگاتے ہی تھے لیکن کشکا پنڈتوں کی خاص نشانی

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

تھی۔

میں جب کمرے سے باہر نکلا تو وہ دونوں مجھے دیکھ کر چونک گئیں۔ اس وقت آٹھ بجنے والے تھے میں نے صوفے پر رکھا ہوا تھیلا اٹھا لیا اور گیروی کرتے کے نیچے کندے پر لٹکا لیا۔ اس طرح وہ تھیلا ڈھیلے ڈھالے کرتے کے نیچے چھپ کر رہ گیا تھا۔

''اب ہمیں یہاں سے نکلنا چاہئے۔'' میں نے کہا۔

''اور وہ سوٹ کیس...'' سمترا نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

''سوٹ کیس لے جانا مناسب نہیں تھا۔ میں نے سب کچھ اس تھیلے میں ڈال لیا ہے۔'' میں نے کرتے کے ابھار کو تھپتھپایا۔

ہم تینوں باہر آ گئے۔ کستوری نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ سمترا پسنجرز سیٹ پر اور میں پیچھے بیٹھ گیا۔

کار گیٹ پر پہنچی تو میں نے نیچے اتر کر گیٹ کھولا۔ کار کے نکلنے کے بعد گیٹ بند کر دیا اور دوبارہ کار میں بیٹھ گیا۔

کار شہر کی مختلف سڑکوں پر ہوتی ہوئی تقریباً بیس منٹ بعد شہر سے باہر جانے والی سڑک پر پہنچ گئی۔ شہر سے باہر آنے جانے والی لاریاں اکثر یہاں رکا کرتی تھیں اور اس جگہ پولیس نے ایک عارضی چوکی بھی بنا رکھی تھی۔

ہماری کار کو بھی روک لیا گیا۔ وہ سب انسپکٹر تھا جو چیکنگ کے لئے آیا تھا۔ کستوری نے مسکراتے ہوئے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔

''اوہ' کستوری دیوی جی' کہاں قیامت ڈھانے جا رہی ہیں۔'' سب انسپکٹر بھی مسکرا دیا۔

''گنگا نگر آفیسر...'' کستوری نے مسکراتے ہوئے کہا۔'' آپ تو جاتے ہی ہیں یہ چکر لگتے رہتے ہیں۔''

سب انسپکٹر نے سمترا کی طرف دیکھا مگر بولا کچھ نہیں پھر میری طرف متوجہ ہو گیا۔

''اور پنڈت جی آپ؟'' اس نے میرے سامنے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

''گنگا نگر مہاراج' ان بالکیوں کے ساتھ۔'' میں نے جواب دیا۔

''جائیے جی' ضرور جائیے۔'' سب انسپکٹر نے کہتے ہوئے ایک سپاہی کو اشارہ کیا اس نے بیریر ہٹا دیا۔

''جے رام جی کی۔'' میں نے ہاتھ جوڑ کر انسپکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

کار حرکت میں آ گئی اور کچھ ہی دیر بعد تیزی سے دوڑنے لگی۔ گنگا نگر والی سڑک پر چند میل کا فاصلہ طے کر کے کستوری نے کار دائیں طرف ایک سڑک پر موڑ لی اور ایک گھنٹے بعد ہم مانک سر والی شاہراہ پر پہنچ گئے۔ یہ سڑک سنگھاریا' بیرنگ کھیرا' باغ والی' کرتار سنگھ والی سے ہوتی ہوئی بٹھنڈا کی طرف چلی گئی تھی۔ یہ راستہ پہلے سے طے شدہ پلاننگ کے تحت تبدیل کیا گیا تھا۔ وہ لوگ ہمیں گنگا نگر کی طرف تلاش کرتے رہتے اور ہم اطمینان سے بٹھنڈا کی طرف سفر جاری رکھتے۔

میں نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ مجھے نیند آ رہی تھی اور میں کچھ دیر سو لینا چاہتا تھا۔ کار تیز رفتاری سے دوڑتی رہی۔

.....☆.....

دوپہر کا کھانا ہم نے باغ والی کے ایک ریسورنٹ میں کھایا اور صورتحال کا اندازہ کرنے کے بعد کچھ دیر آرام کے لئے رک گئے۔

راجستھان سے ہم بہت پہلے نکل چکے تھے۔ یہ پنجاب کا علاقہ تھا اور یہاں سکھ بھی ایک معقول تعداد میں نظر آنے لگے تھے۔ جس ریسٹورنٹ میں ہم کھانے کے لئے رکے تھے اس کا مالک بھی ایک سکھ ہی تھا۔ خاصا بڑا ریسٹورنٹ تھا۔ پچھلی گلی میں بھی ایک بڑا دروازہ تھا جس سے تازہ ہوا اندر آ رہی تھی۔

ریسٹورنٹ میں آنے والے لوگ گھور گھور کر ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔ کستوری اور سمترا... دونوں کم بخت بہت حسین تھیں۔ ان کے ساتھ ایک پنڈت کو دیکھ کر بعض لوگوں کی نظروں میں رشک تھا اور بعض کی نظریں حسد سے بھری ہوئی تھیں۔

ہماری میز پر سرو کرنے والا ویٹر ایک نوعمر سکھ تھا۔ میں نے مختلف بہانوں سے اس سے صورت حال کے بارے میں معلوم کر لیا۔ یہ جان کر مجھے اطمینان ہوا کہ یہاں کی صورتحال نارمل اور پرسکون تھی۔ لوگ اخبارات کے ذریعے تو پاکستانی دہشت گرد کے بارے میں تھوڑا بہت جانتے تھے لیکن انہیں اس سے کچھ زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔

ہم تقریباً ایک گھنٹے تک ریسٹورنٹ میں ٹھہرے کستوری نے ویٹر کو بلا کر بل کے ساتھ اسے معقول ٹپ بھی دی اور ہم ریسٹورنٹ سے باہر آ گئے۔

باغ والی ایک بڑا قصبہ تھا۔ یہاں پنجاب کی چھاپ نمایاں تھی۔ ہماری کار مختلف راستوں سے ہوتی ہوئی کرتار سنگھ والی کی طرف جانے والی سڑک پر آ گئی۔ یہی سڑک بٹھنڈا تک چلی گئی تھی۔

اس وقت سمترا ڈرائیو کر رہی تھی۔ کستوری پسنجرز سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی اور میں پچھلی سیٹ پر بیٹھا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ یہ میدانی علاقہ تھا۔ تاہم کہیں کہیں ٹیلے بھی دکھائی دیئے تھے۔

باغ والی سے نکلنے کے تقریباً ایک گھنٹے بعد سامنے پہاڑیاں دکھائی دینے لگیں۔ خاکستری پہاڑیوں کا وہ سلسلہ کسی قلعے کی اونچی فصیل کی طرح دائیں بائیں دور تک پھیلا ہوا تھا۔

ان پہاڑیوں سے ذرا پہلے ایک سڑک دائیں طرف چلی گئی تھی۔ ہمارے آگے کافی دور ایک مال بردار ٹرک تھا۔ جو بائیں طرف والی سڑک پر مڑ گیا تھا۔ مگر سمترا کار کو سیدھی لیتی چلی گئی۔

کار پہاڑیوں میں داخل ہو گئی۔ دور سے بنجر دکھائی دینے والی پہاڑیاں کانٹے دار اونچی جھاڑیوں سے لدی ہوئی تھیں۔ کہیں کہیں بلند درخت بھی نظر آ رہے تھے۔ سڑک ایک تنگ سے درے میں بل کھاتی ہوئی مسلسل بلندی کی طرف جا رہی تھی۔ سمترا بڑی مہارت سے ڈرائیو کر رہی تھی۔

ایک جگہ پختہ سڑک ختم ہو گئی۔ اس سے آگے پتھریلا راستہ تھا۔ جہاں ہندی زبان میں لکھا ہوا ایک بورڈ لگا ہوا تھا۔ ''آگے خطرناک موڑ ہیں گاڑی احتیاط سے چلائیے۔''

ہمیں ان پہاڑیوں میں سفر کرتے ہوئے تقریباً آدھا گھنٹہ ہو چکا تھا لیکن اس دوران پیچھے سے یا

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

آگے سے آنے والی کوئی گاڑی نہیں ملی تھی۔ حالانکہ میدانی علاقے میں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد ہمیں کوئی نہ کوئی بس کار یا مال بردار ٹرک نظر آتا رہا تھا۔

''میرا خیال ہے ہم غلط راستے پر آ گئے ہیں۔'' سمترا نے ایک موڑ پر کار کی رفتار کم کرتے ہوئے کہا۔ ''ہمیں اسی سڑک پر جانا چاہئے تھا جس طرف وہ ٹرک گیا تھا۔''

''واپس جانا بے کار ہے اب اس راستے پر چلتی رہو۔ بس ذرا محتاط رہنا۔'' میں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

راستہ واقعی بہت خطرناک تھا۔ موڑ بہت خطرناک تھے۔ سڑک کے ایک طرف عمودی چٹانیں اور دوسری طرف گہری کھائیاں تھیں۔ ڈرائیور کی ذرا سی غفلت موت کے منہ میں پہنچا سکتی تھی۔

ایک جگہ سمترا نے گاڑی روک لی۔ وہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ میں پچھلی سیٹ پر دائیں طرف بیٹھا تھا۔ اس طرف عمودی چٹانیں اتنی قریب تھیں کہ میں ہاتھ کھڑکی سے باہر نکال کر اسے چھو سکتا تھا۔

''تھک گئی ہو۔'' میں نے اپنی طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ ''تم پیچھے آ جاؤ میں گاڑی چلاتا ہوں۔''

سمترا بھی نیچے اتر آئی اور جب میں اسٹیرنگ سیٹ پر بیٹھنے کے لئے آگے آیا تو سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ سمترا کے کار روکنے کی وجہ بھی سمجھ میں آ گئی۔ تقریباً دس گز آگے سڑک کے دائیں طرف تو عمودی چٹان تھی اور بائیں طرف گہرا کھڈ تھا۔ اس طرف سے آدھی سڑک غائب تھی۔ میرا خیال ہے پہاڑی تو وہ ٹوٹ کر گرا ہوگا جس سے سڑک کا کچھ حصہ بھی غائب ہو گیا تھا اور سڑک کا باقی حصہ اتنا چوڑا نہیں تھا کہ کار بھی گزر سکتی۔

میں نشیب کی طرف دیکھنے لگا بالکل عمودی ڈھلان تھی۔ اور سینکڑوں فٹ نیچے سرسبز وادی پھیلی ہوئی تھی اور بہت دور سرمئی رنگ کی ایک لکیر دھوپ میں چمکتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ وہ سڑک تھی جو کہیں بہت دور پہاڑیوں میں گھوم کر اس طرف چلی گئی تھی۔

''تم دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھو میں گاڑی ریورس میں لے کر اسے واپس موڑتا ہوں۔'' میں نے سمترا اور کستوری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

سمترا تو پہلے ہی باہر کھڑی تھی۔ کستوری بھی اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتر آئی اور وہ دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں۔

میں نے اسٹیرنگ کے سامنے بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کر دیا۔ اور کار کو ریورس گیئر میں پیچھے ہٹانے لگا اور پھر چند گز پیچھے لے جا کر میں نے کار کو بار بار آگے پیچھے کرتے ہوئے اس کا رخ بدل دیا۔ اس کار کا رخ اس طرف تھا۔ کھڈ کا وہ کنارہ کار کے پچھلی طرف تقریباً دس گز کے فاصلے پر تھا۔

میں نے انجن کو نیوٹرل میں رکھا اور پیچھے مڑ کر سمترا اور کستوری سے باتیں کرنے لگا۔

''اب یہاں بیٹھے باتیں کرتے رہو گے یا آگے بھی بڑھو گے' دھوپ میں چٹانیں تپ رہی تھیں اور گرمی بہت ہو رہی تھی۔'' کستوری نے ساڑھی کے پلو سے چہرے کا پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

میں نے آخری مرتبہ ان دونوں کی طرف دیکھا اور سیدھا ہو کر انجن اسٹارٹ کر دیا۔ میرا پیر کلچ پلیٹ پر اور بایاں ہاتھ گیئر لیور پر تھا میں نے سامنے لگے ہوئے آئینے میں ان دونوں کے چہروں کا عکس دیکھا اس وقت میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ میں نے انجن کو ریورس گیئر میں ڈال دیا۔ دوسرا ہاتھ دروازے کے ہینڈل پر رکھا اور ایک دم کلچ موڑ کر دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی۔

کار مینڈک کی طرح پھدک کر ایک زوردار جھٹکے سے پیچھے کی طرف دوڑی۔ میرے ٹکرانے سے دروازہ کھل گیا۔ میں نیچے گرا' کستوری اور سمترا ایک وقت چیخ اٹھی تھیں۔

ہو سکتا ہے بات ان کی سمجھ میں نہ آئی ہو لیکن اب ان کے پاس سمجھنے کے لئے وقت بھی نہیں تھا۔

میں بھی زمین پر گر کر پیچھے کی طرف لڑھکتا چلا گیا اور پھر میں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔

پچھلا دس گز کا فاصلہ کار نے چند سیکنڈ رمیں طے کر لیا۔ وہ دونوں مسلسل چیخ رہی تھیں۔ کار کے پچھلے پہیے کھڈ کے کنارے سے اترے اور پھر کار کا اگلا حصہ اوپر اٹھتا چلا گیا۔ میں نے کار کو پیچھے کی طرف قلابازی کھاتے ہوئے دیکھا اور پھر وہ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ ان دونوں کی چیخیں اب بھی میری سماعت سے ٹکرا رہی تھیں۔ میں گھٹنوں کے بل رینگتا ہوا کنارے پر پہنچ گیا۔ کار عمودی ڈھلان پر قلابازیاں کھاتی ہوئی نیچے جا رہی تھی اور پھر ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ کار کے پرخچے اڑ گئے اور آگ کا گولہ سا پھیلتا چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

Scanned By:
Azam & Ali
aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com
www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

میں چند لمحے کنڈ میں دیکھتا رہا پھر اٹھ کر کپڑے جھاڑے اور شکستہ راستے کے دوسری طرف آ کر تیز تیز چلنے لگا۔

میں ان دونوں کو ساتھ ساتھ لے کر نہیں پھر سکتا تھا۔ مجھے اب ان کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ میں نے ایک بہت بڑے بوجھ سے نجات حاصل کر لی تھی۔

میں ان پہاڑیوں سے نکل کر کئی میل دور سانگر ہامی قصبے تک کیسے پہنچا تھا یہ ایک الگ داستان ہے۔ بہر حال سانگر سے کرتار سنگھ والی اور وہاں سے بٹھنڈا پہنچنے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

وہ رات میں نے بٹھنڈا کے ایک آشرم میں گزاری اور خوش قسمتی سے اگلے روز مجھے ایک سردار جی مل گئے جو اپنی کار پر فیروز پور جا رہے تھے۔

سردار اونتر سنگھ ہندوستان کی ایک بڑی تجارتی کمپنی کا نمائندہ تھا جو اپنے کاروباری دورے پر تھا۔ اسے دو تین گھنٹوں کیلئے فرید کوٹ رکنا تھا اور پھر فیروز پور جانا تھا۔ مجھے مندروں کی یاترا کرنے والا سادھو سمجھ کر اس نے اپنی کار میں لفٹ دے دی تھی۔ میں نے اسے یہی بتایا تھا کہ پچھلے چھ مہینوں سے مندروں کی یاترا کرنے کیلئے قصبوں اور شہروں میں گھوم رہا ہوں۔ کبھی پیدل سفر کرتا ہوں اور کبھی اس جیسے نیک دل لوگ اپنی گاڑی میں لفٹ دے دیتے ہیں۔

''اب تم بے فکر ہی ہو جاؤ سوامی جی۔'' اس نے کہا تھا۔ ''فیروز پور تک تو میں لے جاؤں گا اس کے بعد رب راکھا۔''

کار بٹھنڈا سے فرید کوٹ کی طرف جانے والی سڑک پر دوڑتی رہی اور میں ایئر کنڈیشنڈ کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا اونگھتا رہا۔

سردار اونتر سنگھ کو فرید کوٹ میں کاروباری سلسلے میں دو تین گھنٹوں کیلئے رکنا تھا لیکن کام لمبا تھا اسے رات رہنا پڑا اور اس نے مجھے بھی اپنے ساتھ روک لیا۔

''میری وجہ سے آپ کو پریشانی ہوگی شریمان جی۔'' میں نے کہا۔

''کوئی گل نہیں سوامی جی۔'' سردار جی نے کہا۔ ''آپ کے نال تو ساڈا دل لگ گیا ہے' گپ شپ ہوتی رہے گی۔''

سردار اونتر سنگھ نے ہوٹل میں ڈبل بیڈ کا کمرہ لے لیا اور مجھے ہوٹل میں چھوڑ کر اپنے کام کے سلسلے میں چلا گیا۔ اس کی واپسی رات آٹھ بجے کے قریب ہوئی تھی۔

ہم رات کو دیر تک باتیں کرتے رہے۔ ہماری گفتگو کے موضوعات ایسے تھے کہ میں بلا جھجک بولتا رہا۔

صبح ناشتہ کرتے ہی ہم فیروز پور کیلئے روانہ ہو گئے۔ فیروز پور مشرقی پنجاب کا سرحدی شہر تھا اور مجھے یقین تھا کہ مجھے وہاں سے سرحد پار کر کے پاکستان میں داخل ہونے میں دشواری پیش نہیں آئے گی۔

دوران سفر بھی ہماری باتوں کا سلسلہ جاری رہا لیکن میں نے صاف طور پر محسوس کیا تھا کہ فرید کوٹ سے روانگی کے بعد سردار اونتر سنگھ کی باتوں کا رخ کچھ بدل گیا تھا جیسے اسے مجھ پر کسی قسم کا شبہ ہو گیا ہو۔

فیروز پور سے کچھ پہلے کرمانوالا قصبے میں رک کر ہم نے دوپہر کا کھانا کھایا اور پھر آگے روانہ ہو گئے۔ سردار جی کے کہنے کے مطابق فیروز پور اب زیادہ دور نہیں رہ گیا تھا۔

چاروں طرف ہریالی تھی' سبزہ تھا' لہلہاتے کھیت تھے۔ راستہ میں کئی چھوٹی چھوٹی بستیاں تھیں۔ سڑک کے کنارے پر کھیلتے ہوئے ننگ دھڑنگ بچے' سروں پر کچھ نہ کچھ اٹھائے چلتی ہوئی عورتیں اور کھیتوں میں کام کرتے ہوئے کسانوں کو دیکھ کر مجھے اپنا پنجاب یاد آ رہا تھا۔

ایک بستی سے آگے نکلنے کے تھوڑی ہی دیر بعد سردار جی نے کار کھیتوں کے بیچ ایک کچے راستے پر موڑ لی۔ راستے کے دونوں طرف ٹاہلی کے درخت تھے۔ میری آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔

''اس طرف سے کم از کم پندرہ میل کا فاصلہ طے ہو جائے گا۔'' سردار نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں خاموش بیٹھا رہا۔ تقریباً نصف میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اس نے پیپل اور ٹاہلی کے درختوں کے ایک جھنڈ میں کار روک لی اور انجن بند کر کے نیچے اتر گیا۔ میں بھی نیچے اتر آیا۔

یہاں درختوں کے نیچے دور دور تک خشک گوبر پھیلا ہوا تھا۔ ایک طرف دو کمروں پر مشتمل ٹوٹی پھوٹی سی عمارت تھی۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ یہ جگہ کسی وقت کسانوں کا ڈیرہ ہو گی لیکن کسی وجہ سے یہ جگہ چھوڑ کر ڈیرہ کہیں اور منتقل کر دیا گیا تھا۔ اس ڈیرے کے پچھلی طرف کنکریٹ کی دیواروں والا ایک حوض بنا ہوا تھا اس کی لمبائی چھ فٹ' چوڑائی چار فٹ اور گہرائی بھی چار فٹ کے قریب تھی۔ اٹھارہ انچ قطر کے ایک پائپ سے حوض میں پانی گر رہا تھا اور دوسری طرف سے یہ پانی ایک ندی کی صورت میں بہہ رہا تھا۔ یہ پائپ یہاں تک کس طرف سے آ رہا تھا مجھے اندازہ نہیں تھا۔

مجھے اندازہ نہیں تھا کہ سردار نے گاڑی یہاں کیوں روکی تھی۔ آس پاس کھیتوں میں دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ لیکن میں چونکا تو اس وقت جب سردار اونتر سنگھ نے جیب سے پستول نکال کر مجھ پر تان لیا۔

''اب بتاؤ تم کون ہو؟'' اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم وہ ہرگز نہیں ہو جو خود کو ظاہر کر رہے ہو۔ آج صبح جب تم ہوٹل میں نہانے کیلئے گئے ہوئے تھے تو میں نے تمہارے تھیلے کی تلاشی لی تھی۔ زیورات اور نقدی کہاں سے لوٹی ہے۔ تم نے یقیناً کوئی قتل بھی کیا ہو گا۔ سچ بتاؤ کون ہو تم ورنہ گولی مار دوں گا۔''

میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ وہ مجھے اس لئے اس طرف لے کر آیا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے' میں کوئی۔"

"کوئی بکواس نہیں سننا چاہتا۔" اس نے میری بات کاٹ دی۔ "تم یقیناً بہت بڑے مجرم ہو اور اپنے آپ کو چھپانے کیلئے بھیس بدل رکھا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ "تم مجھے گولی نہیں مار سکتے' ذرا پیچھے دیکھو۔"

اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اسی لمحے میں نے اس پر چھلانگ لگا دی اور اسے اپنے ساتھ لیتا ہوا زمین پر گرا۔ اس کی پگڑی لڑھکتی ہوئی دور چلی گئی۔ میں نے اس کے پستول والے ہاتھ کو گرفت میں لے لیا۔ دو تین جھٹکوں میں پستول اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ میں اسے زمین پر رگیدتا رہا لیکن پھر اس کا بھی داؤ چل گیا۔

وہ چالیس کی عمر کے لگ بھگ صحت مند آدمی تھا لیکن پھسپھسا نکلا۔ وہ لڑائی جھگڑے کا آدمی نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ پستول کے بل بوتے پر مجھے زیر کر لے گا۔

اس وقت اس نے مجھے حوض کی دیوار کے ساتھ لگا رکھا تھا اور دونوں ہاتھوں سے میرا گلا دبوچ رکھا تھا۔ میں نے پوری قوت استعمال کرتے ہوئے لوٹ لگائی اور اب وہ میرے شکنجے میں تھا۔ میں نے اسے ٹانگوں سے پکڑ کر اوپر اٹھا دیا۔ اس کا اوپر والا دھڑ حوض کے پانی میں تھا۔ وہ ہاتھ مارتا رہا مگر میں نے اس کی ٹانگوں کو مضبوطی سے جکڑ رکھا تھا اور اسے اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک پانی کے اندر اس کا سانس نہیں گھٹ گیا۔ اس کے بعد میں نے کافی دیر اس کی ٹانگوں کو جکڑے رکھا اور اسے پانی میں دھکیل دیا۔

میں جلدی سے واپس مڑا۔ کار کی اگنیشن میں چابیوں کا گچھا لگا ہوا تھا۔ میں نے گچھا نکال لیا۔ ڈگی کھول کر اس کا سوٹ کیس نکالا اور اس کے کپڑے نکال کر پہننے لگا۔ سنتریوں والا لباس اتار کر میں نے وہیں پھینک دیا۔ اس کی شرٹ اور پینٹ کوٹ مجھے اس طرح فٹ آ گیا تھا جیسے یہ کپڑے میرے لئے ہی سلوائے گئے ہوں۔

میں نے حوض پر منہ دھو کر ماتھے کا کٹا اچھی طرح صاف کیا اور اس کی پگڑی اٹھا کر جھاڑنے کے بعد سر پر جمالی۔

کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر میں نے سامنے لگے ہوئے آئینے میں دیکھا۔ کئی دن سے بڑھی ہوئی داڑھی اور سر پر پگڑی۔ میں دیکھنے میں سکھ ہی لگ رہا تھا۔

میں نے اپنا تھیلا بھی سردار اونتر سنگھ کے سوٹ کیس میں ڈال دیا تھا۔ سوٹ کیس پچھلی سیٹ پر رکھ دیا۔ انجن سٹارٹ کر کے کار موڑی اور اسے تیزی سے واپسی کے راستے پر دوڑا دیا۔

پکی سڑک پر آ کر میں نے کار کو فیروز پور کی طرف موڑ دیا اور اس کی رفتار بڑھاتا چلا گیا۔

ایک گھنٹے میں میں فیروز پور کے نواح میں پہنچ گیا۔ اس وقت پانچ بجنے والے تھے۔ میں نے ایک مناسب سی جگہ دیکھ کر کار روک لی اور پچھلی سیٹ پر سے سوٹ کیس اٹھا کر ایک طرف چل دیا۔ وہ بارونق جگہ تھی مگر کسی نے میری طرف توجہ نہیں دی تھی۔

میں تقریباً آدھے گھنٹے تک چلتا رہا اور ایک ٹیکسی سٹینڈ پر رک گیا۔

"کتھے جانا ہے سردار جی۔" ایک سکھ ڈرائیور فوراً ہی میرے قریب آ گیا۔

"بس والے نے غلط جگہ پر اتار دیا' کسی ہوٹل میں لے چلو۔" میں نے ٹیکسی کا پچھلا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "بلکہ یہاں کوئی گیسٹ ہاؤس ہو تو....."

"فکر ہی نہ کرو جی۔" ڈرائیور نے کہا۔ "میں سمجھ گیا جی کیسی جگہ چاہتے ہو' سکون ہو اور رات گزارنے کیلئے کوئی سوہنا سجن بھی۔ یاد کرو گے سردار جی۔"

میں اس کا مطلب سمجھ گیا تھا۔

آدھے گھنٹے بعد اس نے مجھے ایک شاندار گیسٹ ہاؤس میں پہنچا دیا۔ چاروں طرف وسیع لان اور درختوں کے جھنڈ تھے۔ ایک طرف سوئمنگ پول بھی نظر آ رہا تھا۔ لان میں رنگ برنگی چھتریوں کے نیچے میز پر کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ رنگین آنچل لہرا رہے تھے۔

مجھے دوسری منزل پر کارنر کا ایک کمرہ مل گیا۔ لگتا تھا یہ کوئی گیسٹ ہاؤس نہیں فائیو سٹار ہوٹل ہو۔ کمرے کی ہر چیز شاندار تھی۔

میں نے نہا دھو کر اپنا حلیہ درست کیا اور کمرے کو تالا لگا کر لان میں آ گیا۔ ایک میز پر بیٹھا ہی تھا کہ ایک حسینہ آ گئی۔ وہ زبردستی میرے گلے پڑنا چاہتی تھی مگر میں نے اسے لفٹ نہیں دی اور چائے پی کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

رات کا کھانا کھانے کیلئے مجھے ڈائننگ ہال میں آنا پڑا۔ خوب رونق تھی۔ ہال کی فضا مختلف خوشبوؤں سے مہک رہی تھی۔ جن میں کھانوں کی اشتہا آمیز خوشبو بھی شامل تھیں۔

میں نے مینو دیکھ کر اپنی پسند کا کھانا منگوایا۔ کھانے کے دوران بھی ایک شکاری عورت میری میز پر آ گئی تھی۔ میں اس سے باتیں تو کرتا رہا لیکن اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ میں اس وقت محتاط رہنا چاہتا تھا۔ میں اس وقت لب بام تھا اور میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے نیچے سے سیڑھی کھینچ لی جائے۔

کھانے سے فارغ ہو کر میں نے ویٹرس کو ہدایت کر دی کہ آدھے گھنٹے بعد چائے میرے کمرے میں پہنچا دی جائے اور پھر میں اٹھ کر اپنے کمرے میں گیا اور ٹی وی کھول کر بیٹھ گیا۔ اس وقت امرتسر کے دربار صاحب سے گرنتھ صاحب کے پاٹھ کا کوئی پروگرام آ رہا تھا۔

میں نے ٹی وی کھلا چھوڑ دیا اور کرسی پر بیٹھ کر آنکھیں موند لیں۔ اس وقت میرے ذہن میں صرف ایک ہی بات تھی۔ یہاں سے کھیم کرن کس طرح پہنچا جائے۔ کھیم کرن پاکستان کی سرحد سے سولہ سترہ میل کے فاصلے پر تھا اور سرحد اس طرف سے پار کی جا سکتی تھی۔

مجھے یاد تھا قصور میں رضیہ کا خاوند شجاع سگلنگ کے چکر میں اس طرف آیا کرتا تھا۔ ایک دو مرتبہ وہ مجھے بھی ساتھ لے کر آیا تھا۔ مجھے ایک دو نام یاد تھے۔ اگرچہ کئی سال گزر چکے تھے مگر مجھے یقین تھا کہ ان میں کوئی نہ کوئی آدمی مل جائے گا جو مجھے سرحد پار کرا دے گا۔

میں ابھی یہ سب کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی ایک باریک سی آواز سنائی دی۔

"ویٹریس سر۔ آپ کی چائے۔"

"دروازہ کھلا ہے آ جاؤ۔" میں نے کرسی سے اٹھے بغیر جواب دیا۔ چند سیکنڈ بعد دروازہ کھلا اور

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

ویٹریس کے لباس میں جو عورت اندر داخل ہوئی اسے دیکھ کر میں اچھل پڑا۔

وہ بیلا تھی۔ اس کے ہاتھ میں چائے کی ٹرے نہیں پستول تھا جس کا رخ میری طرف تھا۔

میرے بدن میں سنسنی کی لہریں سی دوڑنے لگیں۔ میں وحشت زدہ نظروں سے بیلا کی طرف دیکھ رہا تھا اور وہ چمکتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

اس کے ہونٹوں پر بڑی گہری مسکراہٹ تھی۔

آپ نے کبھی اس بلی کو دیکھا ہے جو دیوار سے لگے' سمٹے' سہمے ہوئے چوہے پر جھپٹنے کیلئے تیار ہو۔ بالکل یہی کیفیت اس وقت بیلا کی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر کھیلتی ہوئی مسکراہٹ اور آنکھوں کی چمک بڑی خوفناک تھی اور میں واقعی گھیرے میں آئے ہوئے چوہے کی طرح سہما ہوا تھا۔ میرا دماغ جیسے سن ہو کر رہ گیا تھا۔ سوچنے سمجھنے کی ساری قوتیں سلب ہو کر رہ گئی تھیں۔ میں وحشت زدہ سی نظروں سے پلکیں جھپکے بغیر بیلا کی طرف دیکھ رہا تھا جس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی تھی اور اس کی آنکھوں کی چمک میں فتح مندی کا احساس نمایاں تھا۔

میں نے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے بیلا کے پیچھے دیکھا دروازہ آدھا کھلا ہوا تھا اور نیلی پینٹ اور پنک دار شرٹ میں ملبوس ایک دراز قامت سکھ ٹہلتا ہوا کمرے کے سامنے سے گزر گیا تھا۔ بیلا یقیناً اکیلی نہیں ہو گی۔

میرے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے۔ بیلا کو میں بھولا تو نہیں تھا لیکن شاید اسے نظر انداز کر چکا تھا۔ آخری بار اس سے میرا آمنا سامنا جے پور میں ہوا تھا۔ اس کے بعد وہ میرا تعاقب کرتی ہوئی کوٹ پتلی تک بھی آئی تھی لیکن اس چھوٹے سے شہر میں وہ میرا سراغ نہیں لگا سکی تھی۔ مجھے سمترا کے ذریعے اور بعض دوسرے ذرائع سے اس کی سرگرمیوں کا پتہ چلتا رہتا تھا پھر میں کوٹ پتلی سے بھی نکل گیا۔

میں نے رتنا کو کھو دیا۔ سمترا میرے ہمرکاب رہی۔ اس دوران بیلا کے بارے میں کوئی بات سننے میں نہیں آئی لیکن تمام طاغوتی قوتیں میرے تعاقب میں لگی رہیں۔ پہاڑیوں میں سمترا اور کستوری سے نجات حاصل کرنے کے بعد میں سانگر اور کرتار سنگھ والی نام کے قصبوں میں ہوتا ہوا بھنڈا پہنچا تو سردار اوتر سنگھ سے ملاقات ہو گئی جو فیروز پور جا رہا تھا۔ اسے بھی مجھ پر شبہ ہو گیا اور راستے میں ایک جگہ اس نے مجھ پر قابو پانے کی کوشش بھی کی تھی۔ وہ میری اصلیت جاننا چاہتا تھا لیکن اپنی ہی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا اور میں اس کی گاڑی میں فیروز پور پہنچ گیا۔

اس گیسٹ ہاؤس میں آنے کے بعد میں بڑی حد تک مطمئن ہو گیا۔ صرف ایک مرحلہ باقی رہ گیا تھا اور میں نے سوچا تھا کہ کل کسی نہ کسی طرح کھیم کرن پہنچ جاؤں گا اور وہاں سے سرحد پار کرنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئے گی لیکن اس وقت بیلا کو اپنے سامنے دیکھ کر مجھے لگ رہا تھا جیسے میں بازی ہار گیا ہوں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ مجھ سے غلطی کہاں پر ہوئی تھی لیکن بیلا نے مجھے سوچنے کا موقع نہیں دیا۔ اس کی آواز سے میرے خیالات منتشر ہو گئے۔

''مجھے یقین تھا کہ کوٹ پتلی سے فرار کے بعد تم اسی طرف آؤ گے۔'' بیلا میرے چہرے پر نظریں جمائے کہہ رہی تھی۔ ''تم ہر صورت میں سرحد پار کرنا چاہتے تھے۔ راجستھان کی طرف سے سرحد پار

کرنا تمہارے لئے ممکن نہیں تھا۔ صرف یہی ایک راستہ تھا جو تم اختیار کر سکتے تھے۔ امرتسر یا فیروز پور۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ''امرتسر کا رخ تم نہیں کر سکتے تھے۔ وہ علاقہ تمہارے لئے اجنبی تھا۔ مجھے ایک مرتبہ تم نے بتایا تھا کہ تم قصور کے رہنے والے ہو اور لڑکپن میں کسی سمگلر کے ساتھ کام بھی کر چکے ہو۔'' اس نے بات کرتے ہوئے میرے چہرے پر نظریں جما دیں۔ مجھے یقین تھا کہ تم اس طرف آنا پسند کرو گے۔ کھیم کرن کی طرف سے تمہیں سرحد پار کرنے میں آسانی ہو گی لیکن ہم نے بھی یہاں تمہارے استقبال کا سارا بندوبست کر رکھا تھا اور پھر اس طرف آنے میں ہم تمہاری حوصلہ افزائی بھی کرتے رہے۔''

''کیا مطلب؟'' میرے منہ سے پہلی مرتبہ آواز نکلی تھی۔

''ہانکا کے بارے میں کبھی سنا ہے۔'' بیلا نے کہا۔

''میں سمجھا نہیں؟'' میں اب بھی واقعی کچھ نہیں سمجھ سکا تھا۔

''جنگل میں شکار کو گھیرنے کیلئے ہانکا لگایا جاتا ہے۔'' بیلا مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''ہم بھی تمہیں گھیرے کے لئے ہانکا لگا رہے تھے۔ تمہارے لئے اس طرف آنے کا راستہ کھلا رکھا تھا۔ اگر تم کسی اور طرف نکلنے کی کوشش کرتے تو کامیاب نہ ہو پاتے۔ بھنڈا میں ایک مرتبہ تم میرے آدمیوں کی نظروں میں آ چکے تھے لیکن تم ایک کار میں بیٹھ کر غائب ہو گئے۔ اس کار کا نمبر بہرحال نوٹ کر لیا گیا تھا۔ چندی گڑھ کے رجسٹریشن پلیٹ والی اس کار کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں ہمیں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ وہ کار اوتر سنگھ نامی ایک سکھ کی ملکیت تھی جو اپنی کمپنی کے بزنس کے سلسلے میں گھومتا رہتا تھا۔ ہم نے اس کی کمپنی کے ہیڈ کوارٹر سے یہ بھی معلوم کر لیا کہ وہ بھنڈا سے فیروز پور جانے والا ہے۔ ہم نے فیروز پور آنے والی ہائی وے کی ناکہ بندی کر دی۔ ہمارا خیال تھا کہ تمہیں شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی روک لیا جائے گا مگر چیک پوسٹ پر تمہاری کار نظر نہیں آئی۔

''اور پھر وہ کار لاری اڈے کے قریب کھڑی ہوئی مل گئی اور فوراً ہی تمہاری تلاش شروع ہو گئی۔ اس ٹیکسی کو بھی تلاش کرایا گیا جس پر تم نے اپنی کار چھوڑنے کے بعد سفر کیا تھا اور اس طرح ہمیں یہ پتہ چلانے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی کہ تم کہاں ٹھہرے ہوئے ہو۔ تمہارے یہاں آنے کے ایک گھنٹے بعد ہی نہ صرف اس گیسٹ ہاؤس کی نگرانی شروع کر دی گئی تھی بلکہ ہمارے دو ایجنٹوں سے رابطہ کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔''

''اوہ۔'' میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ ''وہ دو عورتیں.....''

''ہاں۔'' بیلا نے میری بات کاٹ دی۔ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی۔ ''ان کی رپورٹ سن کر مجھے حیرت بھی ہوئی تھی۔'' وہ کہہ رہی تھی۔ ''جوان اور حسین عورتیں تمہاری سب سے بڑی کمزوری ہیں۔ ان دونوں عورتوں کا انتخاب تو بہت سوچ سمجھ کر کیا گیا تھا لیکن مجھے یہ جان کر بڑی حیرت ہوئی کہ تم نے ان دونوں کو جھٹک دیا تھا۔''

''شاید اس لئے کہ تمہیں یہاں آنا تھا۔'' میں نے پہلی مرتبہ مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ اس وقت تک میں اپنی کیفیت پر بڑی حد تک قابو پا چکا تھا۔ ''جب میں ہندوستان میں داخل ہوا تھا تو

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

راجستھان کی تپتی ہوئی پہاڑیوں میں تم نے ہی اپنے آپ کو میرے سپرد کر کے میرا سواگت کیا تھا اور آج ہندوستان میں یہ میری آخری رات ہے اور یہ الوداعی رات بھی میں تمہارے ساتھ ہی گزاروں گا۔"

"اس بات کو بھول جاؤ کہ اب تم یہاں سے جا سکو گے۔" بیلا نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"اس گیسٹ ہاؤس کو اس وقت کم از کم ایک درجن نہایت خونخوار قسم کے ایجنٹوں نے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ دو آدمی راہداری میں موجود ہیں میں اگرچہ تمہیں زندہ گرفتار کرنا چاہتی ہوں لیکن اگر تم نے بھاگنے کی کوشش کی تو بلا جھجک تمہیں گولیوں سے بھون دیا جائے گا۔"

"نہیں بیلا۔" میں کہتے ہوئے کرسی سے اٹھ گیا۔ "تم مجھے نہیں روک سکو گی۔ تمہارے آدمی تمہارا ساتھ نہیں دیں گے جس طرح پہلے بچتا رہا ہوں اس طرح آج بھی یہاں سے نکل جاؤں گا۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔" بیلا نے جواب دیا۔ "تمہاری آزادی کے دن ختم ہو چکے ہیں۔ تم اپنی مرضی سے ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکو گے۔" اگر تم نے ایسا کرنے کی کوشش کی تو میرے آدمی تمہیں چھلنی کر ڈالیں گے۔"

"تمہارے آدمی۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تم مجھے بے وقوف سمجھتی ہو۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ "تمہارے کم از کم دو آدمی بہت پہلے میری نظروں میں آ گئے تھے اور تم جانتی ہو دنیا کی ہر چیز بکاؤ ہے۔ خاص طور پر ہندوستان میں تو دولت سے ہر چیز خریدی جا سکتی ہے۔ میں نے بھی تمہارے دو آدمی خرید لئے۔ ان کے نام میں نہیں جانتا لیکن وہ دونوں میرے ہاتھوں بک چکے ہیں۔ ان میں ایک نیلی پتلون اور چیک کی شرٹ پہنے ہوئے ہے۔ اس کی کلائی میں اس وقت میرا دیا ہوا سونے کا کڑا پڑا ہوا ہے۔"

"تم جھوٹ بکتے ہو۔" بیلا کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔ "میرے آدمی اپنی جانیں تو دے دیں گے مگر....."

"تمہیں شاید میری بات کا یقین نہیں آ رہا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ذرا مڑ کر دیکھو راہداری میں کھڑے ہوئے سردار جی نے تمہیں پستول کی زد پر لے رکھا ہے۔"

بیلا بڑی تیزی سے پیچھے مڑی۔ مجھے ایسا ہی موقع چاہئے تھا۔ بار بار کا آزمایا ہوا نسخہ ایک بار پھر کام آ گیا۔ وہ جیسے ہی مڑی میں نے پھرتی سے چھلانگ لگا دی اور اسے رگیدتا ہوا دروازے تک لے گیا۔ دروازہ آدھا کھلا ہوا تھا۔ وہ دروازے سے ٹکرائی اور دروازہ ایک زوردار جھٹکے سے بند ہو گیا۔

میرا ایک ہاتھ سب سے پہلے اس کے پستول والے ہاتھ پر پڑا تھا۔ بیلا کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔ وہ ایک لمحہ کو بدحواس ہوئی تھی لیکن اس نے فوراً ہی اپنے آپ کو سنبھال لیا۔

میں اس کے پستول والے ہاتھ کو جھٹکے دے رہا تھا لیکن پستول پر بیلا کی گرفت بڑی مضبوط تھی۔ میں نے ایک ہاتھ سے اس کی کلائی کو تھام رکھا تھا اور دوسرے سے اس کی بغل میں زوردار گھونسہ رسید کر دیا۔ بیلا کراہتے ہوئے تقریباً ایک فٹ اوپر اچھلی۔

اب بیلا پر مجھے بالکل رحم نہیں آ رہا تھا۔ اس سے پہلے بھی دو بدو مقابلے ہوتے رہے تھے۔ بعض اوقات میں نے عورت سمجھ کر اس کا لحاظ کیا تھا اور بعض اوقات اسے جان بوجھ کر چانس دیا تھا لیکن اب یہ

میرے لئے آخری چانس تھا۔ مجھے بیلا کی اس بات پر ذرا بھی شبہ نہیں تھا کہ اس گیسٹ ہاؤس کو درجن بھر خطرناک ایجنٹوں نے گھیرے میں لے رکھا ہے اور بیلا کے آنے سے پہلے میں نے نیلی پتلون اور چیک کی شرٹ والے جس سکھ کو راہداری میں ٹہلتے ہوئے دیکھا تھا وہ بھی یقیناً بیلا ہی کا آدمی تھا اور اس لئے تو وہ میرے جھانسے میں آ گئی تھی۔

میں جانتا تھا کہ اگر اس مرتبہ ان کے قابو میں آ گیا تو زندگی بھر یہاں سے نہیں نکل سکوں گا۔ زندگی بھر کا لفظ تو میں نے محاورتاً استعمال کیا ہے جبکہ مجھے یقین تھا کہ یہ لوگ مجھے چند گھنٹے بھی زندہ رہنے کا موقع نہیں دیں گے۔ اس لئے اس وقت میں بیلا کے ساتھ کسی رعایت کے موڈ میں نہیں تھا۔ میں نے اس کی بغل میں ایک اور گھونسہ رسید کر دیا۔ وہ ایک بار پھر اچھلی' میں نے اس جگہ پر تیسرا وار کرنے کے بجائے اس مرتبہ اس کی کہنی پر نیچے کی طرف سے ضرب لگائی۔

یہ وار کارگر ثابت ہوا۔ بیلا چیخ اٹھی اور اس مرتبہ پستول بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر بیڈ پر جا گرا۔

کہنی پر لگنے والی ضرب کی تکلیف سے بیلا کے چہرے پر کرب کے تاثرات ابھر آئے۔ میرے خیال میں کسی اور عورت کو اتنی چوٹ لگتی تو وہ چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیتی لیکن وہ بیلا تھی جس کے بارے میں اب تک آپ لوگ بھی اچھی طرح جان چکے ہوں گے کہ وہ کس ڈھیٹ مٹی کی بنی ہوئی تھی۔ اب اس کی تمام تر توجہ اپنا ہاتھ چھڑانے پر مرکوز تھی۔ میں نے اس کا بازو مروڑ دیا تھا۔ لیکن وہ بڑی پھرتی سے بل کھا کر گھوم گئی اور اس سے بھی زیادہ پھرتی سے اس نے میری ٹانگوں کے بیچ میں گھٹنے سے ضرب لگائی۔ گھٹنا وہاں نہیں لگا جہاں وہ چوٹ لگانا چاہتی تھی میں اچھل کر پیچھے ہٹ گیا مگر دوسرے ہی لمحہ وہ چوٹ لگانے میں کامیاب ہو گئی۔

بیلا کا گھٹنا بڑے زور سے میری ٹانگوں کے بیچ میں لگا تھا۔ میں کراہتا ہوا دوہرا ہو گیا۔ میرے دونوں ہاتھ ٹانگوں کے بیچ میں تھے اور مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میری جان نکلی جا رہی ہو۔ سینے میں دل ڈوبتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

میں ابھی اس تکلیف سے نہیں سنبھل پایا تھا کہ بیلا نے میری گردن پر دو ہتڑ سے ضرب لگائی۔ مجھے یوں لگا جیسے کسی وزنی ہتھوڑے سے وار کیا گیا ہو۔ میں کراہتا ہوا منہ کے بل قالین پر بیلا کے قدموں میں گرا۔

گردن پر لگنے والی اس زوردار ضرب سے میرا دماغ جھنجھنا اٹھا تھا۔ آنکھوں کے سامنے دھند سی چھانے لگی۔ میں نے سر کو ایک دو جھٹکے دیئے اور اپنے حواس پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔

میرا چہرا بیلا کے پیروں سے چند انچ کے فاصلے پر تھا۔ اس نے سفید سینڈل پہن رکھے تھے جن کے فیتے ٹخنوں سے ذرا اوپر تک پنڈلیوں پر لپٹے ہوئے تھے۔ وہ دائیں پیر کی ٹو کو آہستہ آہستہ اوپر نیچے حرکت دے رہی تھی۔

میں نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ بیلا کے ہونٹوں پر بڑی سرد سی مسکراہٹ تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو مخصوص انداز میں حرکت دیتے ہوئے مجھے اٹھنے کا اشارہ کیا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

"بس ایک ہی ہاتھ میں ڈھیر ہو گئے۔" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی سی آواز نکلی۔ "اٹھو آج میں تمہیں بتاؤں کہ بیلا کیا ہے اور وشواش کرو بیلا آج بھاگنے کی کوشش نہیں کرے گی۔"

میرے ہونٹوں پر بھی خفیف سی مسکراہٹ آ گئی اور اس طرح حرکت کی جیسے اٹھنا چاہتا ہوں لیکن دوسرے ہی لمحہ میں نے بڑی پھرتی سے اس کی دونوں ٹانگوں کو پکڑ کر زوردار جھٹکا دیا۔

بیلا نے شاید اس بات کا خیال نہیں رکھا تھا کہ میں ایسی کوئی حرکت بھی کر سکتا ہوں۔ اس کے دونوں پیر زمین سے اکھڑ گئے اور وہ کراہتی ہوئی پشت کے بل گری۔

میں بڑی پھرتی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ بیلا بھی اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی مگر میں نے موقع نہیں دیا اور اس پر چھلانگ لگا دی۔

ہم دونوں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے۔ کبھی میں بیلا کو رگیدنے لگتا اور کبھی وہ مجھے دبوچ لیتی۔ وہ تیز ناخنوں سے میرا چہرہ بھی نوچنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن میں نے اپنے آپ کو بچائے رکھا۔ تاہم گردن پر ایک دو خراشیں آئی تھیں۔

دروازہ خود بخود لاک ہو چکا تھا اس لئے فوری طور پر باہر سے کسی کی مداخلت کا اندیشہ نہیں تھا۔ بیلا اگر چاہتی تو چیخ کر باہر موجود اپنے ساتھیوں کو صورتحال سے آگاہ کر سکتی تھی۔ ایسی صورت میں وہ لوگ دروازہ توڑ کر اندر داخل ہونے کی کوشش کرتے لیکن میں بیلا کی فطرت سے بہت اچھی طرح واقف تھا۔ وہ اس وقت تک کسی کو اپنی مدد کیلئے نہیں بلائے گی جب تک اس کے دم میں دم ہے۔ اسے شاید یہ بھی اطمینان تھا کہ اگر میں نے بھاگنے کی کوشش کی تو باہر موجود اس کے ساتھی مجھے چند قدم بھی آگے جانے کا موقع نہیں دیں گے۔

میرا بھاگنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں نے یہاں سے نکلنے کا ایک ہی منصوبہ بنا لیا تھا اور میں اسی منصوبے پر عمل کرنا چاہتا تھا۔

دھینگا مشتی میں بیلا کی شرٹ ایک کندھے سے پھٹ گئی تھی۔ سامنے کے دو بٹن بھی ٹوٹ گئے تھے۔ میری قمیص کے بھی دو بٹن ٹوٹ چکے تھے لیکن جب جان پر بنی ہو تو بٹن ٹوٹنے یا قمیص پھٹنے کی پروا کسے تھی۔

بیلا اس وقت میرے سینے پر سوار تھی۔ اس نے ایک ہاتھ کی مٹھی میں میرے سر کے بال جکڑ رکھے تھے اور دوسرے ہاتھ سے میرے منہ پر پے در پے گھونسے رسید کر رہی تھی۔

میرے دونوں ہاتھ میری ہی پشت کے نیچے دبے ہوئے تھے۔ میں نے بڑی مشکل سے اپنا سیدھا ہاتھ کھینچا اور بیلا کے منہ پر سیدھی ہتھیلی سے وار کیا۔ وہ کراہ اٹھی۔ ہاتھ اس کی ناک پر پڑا تھا۔ خون کی دھار بہہ نکلی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے میرے بال چھوڑ دیئے۔ میں نے ایک زوردار ہاتھ مارا۔ اس مرتبہ اس کے ہونٹوں کے گوشوں سے خون رسنے لگا۔

بیلا پر اب گویا جنون سا طاری ہو گیا تھا۔ اس نے بڑی تیزی سے جھک کر میرے سر پر ٹکر ماری۔ میں نے بڑی پھرتی سے سر ایک طرف جھکا لیا۔ اگر ایک لمحہ کی بھی تاخیر ہو جاتی تو میری ناک کی ہڈی ٹوٹ چکی ہوتی مگر سر ایک طرف گھما لینے سے ٹکر میرے کان پر لگی اور کان میں سیٹیاں سی بجتی ہوئی محسوس

ہونے لگیں۔ میرا دماغ ایک بار پھر جھنجنا اٹھا تھا۔

میں نے بیلا کو پوری قوت سے ایک طرف دھکیل دیا۔ وہ ایک کرسی سے ٹکرائی کھوپڑی پر پہلی مرتبہ زوردار چوٹ لگی تھی۔ وہ چیخ اٹھی۔ میں موقع پا کر اٹھ چکا تھا۔ سر پر چوٹ لگنے کے باوجود بیلا نے بھی اٹھنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ اس نے سنبھلتے ہی جنونی انداز میں حملہ کر دیا اور مجھے دھکیلتی ہوئی دیوار تک لے گئی۔ میرا سر دیوار سے ٹکرایا اور میری آنکھوں کے سامنے چمکتے ہوئے لہریے سے رقص کرنے لگے۔ میں سر کو زور زور سے جھٹکے دینے لگا۔

بیلا نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ اس نے پہلے میرے پیٹ اور سینے پر سر سے دو تین ٹکریں ماریں اور پھر دو قدم پیچھے ہٹ کر لاتوں اور گھونسوں کی بارش کر دی۔

میں آہستہ آہستہ دیوار کے ساتھ گھسٹتا ہوا نیچے جھکتا چلا گیا۔ بیلا کی ایک اور ٹھوکر میرے سر پر لگی۔ میری آنکھوں کے سامنے تاریکی سی چھانے لگی۔

میں سر کو زور زور سے جھٹکے دینے لگا۔ اسی لمحہ پسلیوں پر زوردار ٹھوکر لگی۔ بیلا اب پوری طرح فارم میں تھی اور مجھے زیر کرنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔

میری آنکھوں کے سامنے تاریکی گہری ہو رہی تھی۔ میں حواس پر قابو پانے کیلئے سر کو جھٹکے دیتا رہا اور پھر اتفاق سے بیلا کا پیر میری گرفت میں آ گیا۔

"اب یا کبھی نہیں۔"

میرے ذہن میں صرف یہی ایک خیال ابھرا۔ میں نے سر کو ایک اور جھٹکا دیا اور بیلا کو پیچھے دھکیل کر خود بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ بیلا سنبھل کر ایک بار پھر حملہ آور ہوئی لیکن اس مرتبہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ میں نے اسے دونوں ہاتھوں سے گرفت میں لے لیا اور اوپر اٹھا کر پوری قوت سے دور اچھال دیا۔ وہ ایک طرف دیوار کے ساتھ رکھے ہوئے صوفے پر گری۔

اور اسی وقت دروازہ دھڑ دھڑایا جانے لگا۔ میرا خیال ہے بیلا کو کمرے میں آئے اتنی دیر ہونے اور اس کے چیخنے کی آواز سن کر اس کے آدمی کو کوئی شبہ ہوا ہو گا۔

"سدھیر! دروازہ توڑ دو جلدی کرو۔ یہ راکھشس مجھے مار ڈالے گا۔" بیلا چیخی۔ اس نے پہلی مرتبہ کسی کو مدد کیلئے پکارا تھا۔

دروازے پر زور زور سے ٹکریں ماری جانے لگیں۔ باہر سے شور کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ اس دوران ایک بھاری آواز سنائی دی۔

"کاؤنٹر سے ماسٹر کی لے کر آؤ ہری اپ۔"

دروازے پر بدستور ٹکریں ماری جا رہی تھیں۔ میں نے بیلا کی طرف دیکھا۔ اس کے زخمی ہونٹوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ میں کانپ کر رہ گیا۔ میرے دماغ میں سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ میرے اور موت کے بیچ صرف چند ہی سیکنڈ کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ بس دروازہ کھلنے کی دیر تھی۔

میں نے متجسس نظروں سے ادھر ادھر دیکھا اور پھر آہستہ آہستہ کھڑکی کی طرف سرکنے لگا۔ یہ کھڑکی سامنے والے لان کی طرف کھلتی تھی لیکن کھڑکی سے کودنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں تو کن

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

آنکھوں سے بیڈ پر پڑے ہوئے بیلا کے پستول کی طرف دیکھ رہا تھا اور میں کسی طرح اس پستول تک پہنچنا چاہتا تھا۔

بیلا نے بھی میری نظروں کو تاڑ لیا تھا اور پھر اچانک ہی اس نے بیڈ کی طرف چھلانگ لگا دی۔ میں بھی طاقتور سپرنگ کی طرح اپنی جگہ سے اچھلا۔

ہم دونوں بیک وقت بیڈ پر گرے تھے لیکن پستول پر پہلے میرا ہاتھ پڑا تھا۔ ایک ہاتھ میں پستول آتے ہی میں نے دوسرے ہاتھ سے بیلا کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا۔ وہ چیخ اٹھی۔

بیلا نے مجھ سے دور ہٹنا چاہا مگر میں نے بڑی پھرتی سے اس کی گردن کو اپنے بائیں بازو کی لپیٹ میں لے لیا اور اسے کھینچ کر ڈھال کی طرح اپنے سامنے کر لیا۔ اس وقت دروازے میں چابی گھومنے کی آواز سنائی دی اور دوسرے ہی لمحے دروازہ دھڑ سے کھل گیا۔

وہ دو آدمی تھے جو بیک وقت اندر داخل ہوئے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں پستول تھے۔ ان میں ایک وہی نیلی پتلون اور چیک دار شرٹ والا سکھ تھا جسے بیلا کے آنے سے پہلے میں نے راہداری میں ٹہلتے ہوئے دیکھا تھا۔ ان کے پیچھے اور آدمی بھی تھے لیکن بیلا کو میری گرفت میں دیکھ کر وہ سب ایک جھٹکے سے رک گئے۔ میں نے دوسرے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول کی نال بیلا کی کنپٹی سے لگا رکھی تھی اور انگلی ٹرائیگر پر تھی۔

''اگر کسی نے آگے بڑھنے کی کوشش کی تو اس کی کھوپڑی اڑا دوں گا۔'' میں نے ان آدمیوں کی طرف دیکھتے ہوئے چیخ کر کہا پھر بیلا کے کان کے قریب منہ لا کر غرایا۔ ''ان سے کہو کہ اپنے ہتھیار پھینک دیں اور کمرے سے بلکہ راہداری سے بھی باہر چلے جائیں۔ میں تین تک گنوں گا اگر تم نے انہیں حکم نہ دیا تو ٹرائیگر دبا دوں گا اور تم مجھے اچھی طرح جان چکی ہو۔ میں جو کہتا ہوں اس پر عمل کرنا بھی جانتا ہوں۔'' میں نے اس کی کنپٹی پر پستول پر دباؤ بڑھا دیا۔

بیلا کراہ اٹھی۔ میں نے گنتی شروع کر دی۔ ابھی دو کہا تھا کہ نیلی پتلون والے سکھ نے اپنا پستول پھینک دیا اور ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

''یہ کیا کر رہے ہو احمق۔'' بیلا کے منہ سے گھٹی گھٹی سی آواز نکلی۔ ''میری پروا مت کرو۔ گولی چلا دو۔ مار ڈالو اسے۔''

''نہیں میڈم۔'' دوسرے آدمی نے بھی پستول پھینک دیا۔ وہ درمیانے قد کا صحت مند جسم کا مالک تھا۔ اس کے ماتھے پر سرخ رنگ کا ٹیکہ اس کے ہندو ہونے کی عکاسی کر رہا تھا۔ ''آپ کی زندگی ہمارے لئے بہت قیمتی ہے اور اسے تو ہم بچ کر جانے نہیں دیں گے۔''

''بے وقوفو.....یہ.....''

''یہ تم سے زیادہ عقلمند ہیں بیلا۔'' میں نے اس کی بات کاٹ دی اور دروازے کی طرف دیکھا۔ دروازے کے باہر راہداری میں بھی تین آدمی نظر آ رہے تھے۔ ''تم لوگ واقعی عقلمند ہو۔'' میں نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اگر تم لوگوں نے میرے حکم کی تعمیل نہ کی تو میں تمہاری میڈم کی کھوپڑی اڑانے میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہیں کروں گا۔ اب تم لوگ راہداری سے بھی باہر نکل جاؤ۔ گڈ بوائز۔ اور سنو.....کسی

بھی موقع پر کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش مت کرنا سمجھے۔''

ان سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور دروازے سے باہر نکل گئے۔ ممکن ہے انہوں نے مجھے پکڑنے کا کوئی منصوبہ بنا رکھا ہو اور اس لئے آسانی سے ہتھیار بھی پھینک دیئے تھے لیکن میں جانتا تھا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔

میں بیلا کی گردن پر گرفت ڈھیلی کئے بغیر اسے اٹھا کر بیڈ سے اتر آیا۔ بیڈ کے قریب ہی ایک کرسی پر سردار اونتر سنگھ والا سوٹ کیس رکھا ہوا تھا میں نے قریب پہنچ کر بیلا کی کنپٹی سے پستول ہٹا لیا۔ سوٹ کیس کا ڈھکنا اٹھا کر اس میں سے اپنا تھیلا نکال کر اپنی گردن کے اوپر سے کندھے پر لٹکا لیا اور پستول دوبارہ اس کی کنپٹی سے لگا دیا۔

راہداری میں جھانکنے کیلئے میں نے بیلا کو پہلے آگے کیا اور پھر اس کی آڑ سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وہ پانچوں راہداری کے بائیں سرے پر زینے کے قریب کھڑے تھے۔ دائیں طرف کوئی نہیں تھا۔ میرا خیال ہے گیسٹ ہاؤس کے مہمانوں کو راہداری میں آنے سے روک دیا تھا۔

راہداری تقریباً آٹھ فٹ چوڑی تھی۔ ایک طرف تو کمروں کی قطار تھی اور سامنے والی دیوار میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بڑی بڑی کھڑکیاں تھیں ہوا اور روشنی کیلئے ان کھڑکیوں میں شیشے بھی تھے اور جالیاں بھی۔

میں بیلا کو اپنے سامنے ڈھال بنائے دیوار کے ساتھ ساتھ الٹے قدموں دائیں طرف چلنے لگا۔ میں بار بار پیچھے مڑ کر بھی دیکھ رہا تھا۔

''مم.....میری سانس گھٹ رہی ہے۔'' بیلا کراہی۔ ''میری گردن پر گرفت ڈھیلی کرو۔ میں تمہارے ساتھ چل رہی ہوں۔''

''یہ گرفت اس وقت تک ڈھیلی نہیں ہو گی جب تک میں تمہارے ان سورماؤں کے گھیرے سے نکل جاؤں۔'' میں نے غراتے ہوئے کہا اور اسے اپنے ساتھ گھسیٹتا رہا۔

میں پچھلی طرف والے زینے پر آ گیا۔ پہلے نیچے جھانک کر دیکھا اور پھر بیلا کو سیدھا کر کے تیزی سے نیچے اتر آیا۔ لیکن آخری سیڑھی پر آتے ہی میں نے بیلا کو پھر ڈھال بنا لیا تھا۔

زینے کے سامنے چند قدم آگے عقبی سمت کھلنے والا دروازہ تھا جو اس وقت کھلا ہوا تھا۔ وہ پانچوں بھی دوسری طرف کی سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گئے تھے۔ نیچے بھی ایسی ہی راہداری تھی۔ اس کے پہلے بہت بڑی لابی تھی جہاں استقبالیہ کاؤنٹر بھی تھا۔ لابی میں بہت سے لوگ کھڑے نظر آ رہے تھے۔

پچھلی طرف سوئمنگ پول تھا۔ اس گڑبڑ کی خبر پورے گیسٹ ہاؤس میں پھیل چکی تھی۔ سوئمنگ پول بھی ویران ہو چکا تھا۔ ایک طرف لکڑی کے تختوں والی لمبی کرسیوں پر دو عورتیں اور دو مرد بیٹھے ہوئے تھے مردوں نے جانگئے پہن رکھے تھے اور عورتوں کے جسموں پر بکنیاں تھیں۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ چاروں اٹھ کر چیختے ہوئے ایک طرف بھاگ نکلے۔

راہداری کے دوسری طرف کھڑے ہوئے آدمیوں میں سے ایک نے چیخ کر کچھ کہا اور اس کے کئی ساتھی لابی میں ادھر ادھر دوڑ پڑے۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

میں بیلا کو کھینچتا ہوا سوئمنگ پول کے دائیں طرف بنے ہوئے ڈریسنگ اور باتھ رومز کی طرف دوڑا۔ بیلا میرے ساتھ گھسیٹ رہی تھی۔ گلے پر میرے بازو کی گرفت خاصی سخت تھی۔ جس سے وہ بار بار کراہ رہی تھی۔

میں اسے لے کر ایک اور گلی میں گھس گیا۔ چند گز آگے ایک بنگلہ کے سامنے ایک آدمی اور دو عورتیں کھڑی تھیں۔ بنگلے کے سامنے کار میں ایک عورت اور ایک مرد بیٹھا ہوا تھا۔ کار کا انجن سٹارٹ تھا۔ وہ شاید مہمان آئے ہوئے تھے جو رخصت ہو رہے تھے۔ ہمیں دیکھ کر وہ چونک سے گئے۔ میں نے کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص پر پستول تان لیا۔

''نیچے اترو جلدی انجن چلتا چھوڑ دو۔'' میں غرایا۔

گیٹ کے سامنے کھڑا ہوا آدمی اور دونوں عورتیں چیختی ہوئی بنگلے کے کھلے ہوئے گیٹ میں گھس گئیں۔ وہ شخص بھی انجن چلتا چھوڑ کر کار سے اتر آیا۔ اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی عورت بھی چیختی ہوئی نیچے اتر گئی۔

''اندر بیٹھو۔'' میں نے بیلا کو ڈرائیونگ سیٹ پر دھکیل دیا۔ زور سے دروازہ بند کیا اور اوپر سے گھوم کر دوسری سیٹ پر بیٹھ گیا۔

''کار آگے بڑھاؤ اور یہاں سے نکلو۔ جلدی کرو۔'' میں چیخا۔

''میں کار نہیں چلا سکتی۔'' بیلا نے ہاتھ کی پشت سے ہونٹوں پر جما ہوا خون پونچھتے ہوئے کہا۔ اس کا نیچے کا ہونٹ اور ناک بھی پھول گئی تھی۔ ''میری حالت دیکھ رہے ہو میں کار نہیں چلا سکتی۔''

''کار آگے بڑھاؤ۔'' میں نے غراتے ہوئے اس کے کندھے پر پستول کے بٹ سے زوردار ضرب لگا دی۔

بیلا چیخ اٹھی۔ اس کا دوسرا ہاتھ کندھے پر پہنچ گیا اور جب میں نے دوبارہ پستول والا ہاتھ اوپر اٹھایا تو اس کا ایک ہاتھ سٹیئرنگ پر اور دوسرا گیئر پر پہنچ گیا اور پھر اگلے ہی لمحے کار حرکت میں آ گئی۔

میں نے بیلا کی طرف دیکھا۔ سٹیئرنگ پر اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اس کی حالت واقعی قابل رحم تھی۔ ناک اور ہونٹ زخمی تھے۔ پیشانی پر بھی گومڑ ابھر آیا تھا اور سر کے پچھلے حصے پر بھی ابھار سا دکھائی دے رہا تھا لیکن اس پر ترس کھانے کا مطلب اپنے آپ کو بے رحم موت کے حوالے کرنا تھا۔

''کہاں جانا ہے؟'' بیلا نے میری طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

''کہیں بھی۔'' میں نے جواب دیا۔ ''کم سے کم وقت میں جتنا زیادہ سے زیادہ دور نکل سکتے ہیں۔ رفتار بڑھاؤ۔''

کار دو تین منٹ تک گلیوں میں گھومتی رہی اور پھر ایک کشادہ سڑک پر نکل آئی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ اگر ہمارے بارے میں پولیس کے کنٹرول روم میں اطلاع دے دی گئی تو چند سیکنڈ کے اندر اندر پورے شہر کی پولیس اور گشتی گاڑیاں ہماری تلاش شروع کر دیں گی اور ہم بہت جلد گھیرے میں آ جائیں گے۔

میرے کہنے پر بیلا نے کار ایک ذیلی سڑک پر موڑ لی۔ سڑک کے دونوں طرف کوٹھیاں تھیں۔ بیلا کی حالت واقعی بہت ابتر تھی۔ اس کے ہاتھ اب بھی کانپ رہے تھے اور وہ بڑی مشکل سے سٹیئرنگ کو قابو

میں رکھے ہوئے تھی۔ میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ وہ پہلی بار مجھ سے اس قدر خوفزدہ ہوئی تھی۔

بائیں طرف کھیل کا ایک میدان دیکھ کر میں نے کار رکوا لی۔ بیلا الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی۔ سڑک کے ایک طرف میدان تھا اور دوسری طرف بنگلے لیکن سڑک پر سناٹا تھا۔

''کیا بات ہے۔ کار یہاں کیوں رکوائی۔ کیا کرنا چاہتے ہو؟'' بیلا کے لہجے میں بھی خوف نمایاں تھا۔

''فکر مت کرو تمہیں ماروں گا نہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''کئی مہینوں سے میرا تمہارا ساتھ رہا ہے۔ بڑا اچھا وقت گزرا ہے۔ تم سے اگر دوستی ہوتی تو شاید میں ہندوستان سے جانے کا خیال بھی ذہن میں نہ لاتا۔ تم سے دوستی تو نہیں ہو سکی البتہ تم ایک ذہین اور اصول پسند اور حوصلہ مند دشمن ثابت ہوئی ہو۔ تمہاری جگہ اگر کوئی مرد ہوتا تو عرصہ پہلے میرے ہاتھوں سے مارا جا چکا ہوتا لیکن تمہیں جان سے مارنے کو دل نہیں چاہتا۔ یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔ یہاں تک ساتھ دینے کا شکریہ اور یہ جو کچھ ہوا ہے اس کا مجھے افسوس ہے۔'' میں نے اس کے چہرے کی طرف اشارہ کیا۔ ''اب میں تم سے رخصت ہو رہا ہوں۔ وہ دیکھو اس بنگلے کے گیٹ کے اندر کی طرف ایک آدمی نظر آ رہا ہے میرے جانے کے بعد تم اسے اپنی مدد کیلئے بلا لینا۔''

بیلا نے دیکھنے کیلئے دائیں طرف گردن گھمائی اور اس لمحہ میں نے پستول کا دستہ اس کی کھوپڑی پر رسید کر دیا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی اور وہ سیٹ پر لڑھک گئی۔

میں نے ہاتھ ہلکا ہی رکھا تھا۔ اسے صرف بے ہوش کرنا چاہتا تھا اور مجھے یقین تھا کہ اگر کسی نے اسے تلاش نہ کر لیا تو وہ آدھے گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گی۔

میں دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔ آخری بار مڑ کر بے ہوش بیلا کی طرف دیکھا اور میدان میں دوڑتا چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

میدان کے دوسری طرف سڑک تھی اور اس کے ساتھ ساتھ چھوٹے بنگلے تھے۔ سامنے کئی گلیاں تھیں۔ میں ایک گلی میں گھس کر کچھ دور تک دوڑتا رہا اور پھر ایک گلی کے موڑ پر رک کر پیچھے دیکھا اور تیز تیز چلنے لگا۔

میرا خیال تھا کہ آدھے گھنٹے سے پہلے بیلا کو ہوش نہیں آئے گا یا ممکن ہے پہلے ہی اسے تلاش کر لیا جائے۔ ہوش میں آنے کے بعد بیلا کے ذہن میں سب سے پہلے یہی بات آئے گی کہ میں اس نواح میں کہیں چھپا ہوں۔ اس لئے میں اس علاقے سے بہت دور نکل جانا چاہتا تھا۔

میرا حلیہ بھی ایسا تھا کہ مجھ پر شک کیا جا سکتا تھا۔ الجھے ہوئے بال، قمیص کے ٹوٹے ہوئے بٹن اور گلے پر خراشیں، گلے میں لٹکا ہوا تھیلا کوئی بھی شخص اس حلیے میں دیکھ کر چور اچکا سمجھ سکتا تھا اور میں تو یوں بھی محفوظ نہیں تھا۔ درجنوں لوگ میری تلاش میں نکل کھڑے ہوئے ہوں گے۔ اس لئے میں کسی سڑک پر آنے کے بجائے ایسی تنگ اور اندھیری گلیوں میں چل رہا تھا جہاں کسی سے آمنا سامنا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

میں اس علاقے سے تقریباً دو میل دور نکل آیا۔ اس طرف شاید نچلے طبقے کی آبادی تھی۔ ایک گلی

www.pdfbooksfree.pk

میں گھومتے ہی میں کسی چیز سے ٹکرا کر لڑکھڑا گیا۔ میں سنبھل کر آگے بڑھنا چاہتا تھا کہ ٹھٹک کر رک گیا۔

میں جس چیز سے ٹکرایا تھا وہ کوئی پتھر وغیرہ نہیں ایک انسان تھا۔ میں جھک کر اسے دیکھنے لگا۔ گلی کے آخری سرے پر ایک بلب جل رہا تھا جس کی مدھم سی روشنی یہاں تک بھی پہنچ رہی تھی۔ میں جھک کر دیکھنے لگا۔ وہ کوئی آدمی تھا۔ مٹھی بھر لمبی گول داڑھی' گھنی مونچھیں جو داڑھی سے اس طرح مل گئی تھیں کہ منہ کا دہانہ چھپ گیا تھا۔ سر کے بال بھی بے تحاشہ لمبے اور بکھرے ہوئے تھے۔ اس حلیے میں وہ کوئی سکھ ہی لگتا تھا۔

پہلے تو میں اسے لاش ہی سمجھا تھا مگر سینے پر ہاتھ رکھ کر دیکھا تو پتہ چلا کہ وہ زندہ ہے۔ میں کسی بکھیڑے میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس سے اظہار ہمدردی کے چکر میں خود ہی دھر لیا جاؤں۔

میں وہاں سے ہٹنا ہی چاہتا تھا کہ اس آدمی کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی اور اس نے میری پتلون کا پائنچہ پکڑ لیا۔

''اوئے' کون ہے تو۔ مجھے اٹھا کے ادھر رکھ دے یہاں تو کتے میرا منہ چاٹ رہے ہیں۔'' اس کے حلق سے لڑکھڑاتی ہوئی سی آواز نکلی۔

میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ وہ شراب کے نشے میں دھت تھا۔ میں نے اسے سہارا دے کر اٹھا دیا۔

''لگتا ہے یار کیسا ویلا آ گیا ہے۔'' وہ سہارا لینے کیلئے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

''آج تھوڑا زیادہ دارو پی کر آیا تو تمہاری پابھو نے مجھے گھر سے نکال دیا۔ پر میں سب سمجھتا ہوں اس نے بھی گھر میں کسی یار کو بٹھا رکھا ہو گا۔ اس لئے مجھے ہری جھنڈی دکھا دی۔ پر کوئی گل نہیں۔'' وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوا پھر بولا۔ ''پر کوئی گل نہیں..... چلو..... ہم بنتو کی طرف چلتے ہیں۔ وہ آج اکیلی ہو گی۔''

''بنتو کون ہے؟'' میں نے پوچھا۔ میرے ذہن میں اچانک ہی ایک اور خیال ابھرا تھا۔ ''کیا وہ تمہیں گھر میں گھسنے دے گی۔''

''اوئے وہ مجھے کیسے روکے گی۔'' وہ نفی میں ہاتھ لہراتے ہوئے بولا۔ اس کا بندہ آج ہی تو لدھیانے گیا ہے۔ چل تو بھی میرے ساتھ چل۔ اوئے۔'' اس نے گھور کر میری طرف دیکھا۔ ''پر تو ہے کون؟''

''تمہارا دوست ہوں سردار جی۔'' میں نے جواب دیا۔

''دوست ہے تو خیر ٹھیک ہے چل تو بھی چل ..... پر..... تو میری بنتو کو ہاتھ نہیں لگائے گا۔'' وہ بولا۔

''بالکل نہیں لگاؤں گا۔' میں نے کہا۔ مجھے اس کی بنتو سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ مجھے تو کسی ایسی جگہ کی ضرورت تھی جہاں رات بھر کیلئے پناہ حاصل کر سکوں۔

''بنتو کے گھر میں اور کون ہے سردار جی۔'' میں نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

''کوئی بھی نہیں یار۔ اکیلی ہوتی ہے۔ بالکل اکیلی۔'' سردار جی نے جواب دیا۔

میں اسے سہارا دے کر چلتا رہا۔ ہم گلیوں سے نکل کر کھلی جگہ پر آ گئے۔ اس طرف درختوں کا

aazzamm@yahoo.com

بہت لمبا چوڑا ذخیرہ تھا۔ اس ذخیرے کے دوسری طرف بھی آبادی تھی اور ان مکانوں کو دیکھ کر لگتا تھا جیسے وہ کسی قسم کے سرکاری کوارٹرز ہوں۔

سردار جی جھومتے ہوئے ٹہلتے ہوئے چل رہے تھے۔ اگر میں نے اسے سہارا نہ دیا ہوتا تو وہ اب تک دس مرتبہ گر چکا ہوتا۔

وہ دوسری گلی کے کارنر والے کوارٹر کے سامنے رک گیا اور دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز سناٹے میں دور تک گونج گئی۔ وہ دوسری مرتبہ ہاتھ مارنا چاہتا تھا کہ اندر سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

''کون ہے وے صبر سے کم لے۔''

وہ یقیناً بنتو کی آواز تھی۔ اس آواز سے میں نے اندازہ لگایا کہ اس کی عمر تیس اور پینتیس کے درمیان رہی ہو گی۔

''میں ہوں بنتو' پھیرو سنگھ۔ دروازہ کھول۔'' سردار جی نے دروازے کے ساتھ منہ لگا کر سرگوشی کی۔

دروازہ فوراً ہی کھل گیا۔ سردار پھیرو سنگھ ایک لمحہ کی تاخیر کیے بغیر اندر گھس گیا اور ظاہر ہے میں بھی اس کے ساتھ ہی تھا۔ بنتو دروازے کے ایک طرف کھڑی تھی۔ اس نے فوراً ہی دروازہ بند کر دیا اور پھر مجھے دیکھ کر وہ اچھل پڑی۔

''یہ..... یہ کون ہے تمہارے ساتھ؟'' اس کی آواز سہمی ہوئی سی تھی۔

''اوئے یار ہے اپنا۔'' پھیرو سنگھ نے جواب دیا۔ ''تجھے ہاتھ بھی نہیں لگائے گا۔ چل اندر چل۔''

یہ پختہ اینٹوں کا مختصر سا آنگن تھا۔ سامنے برآمدے میں ساتھ ساتھ دو کمرے تھے۔ ایک کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اندر بتی جل رہی تھی جس کی روشنی کھلے ہوئے دروازے سے یہاں تک پہنچ رہی تھی۔

بنتو چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی پھر برآمدے کی طرف بڑھ گئی۔ ہم بھی اس کے پیچھے چلتے ہوئے کمرے میں داخل ہو گئے۔

کمرے میں ایک طرف چارپائی بچھی ہوئی تھی۔ سامنے والی دیوار کے ساتھ لوہے کی ایک الماری استادہ تھی۔ دو کرسیاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ سامنے آتشدان کے کارنس پر آرائش کی کچھ چیزیں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ اس سے اوپر دیوار پر بابا گرونانک کی تصویر آویزاں تھی۔

سردار پھیرو سنگھ تو اندر داخل ہوتے ہی چارپائی پر گر گیا تھا اور میں دروازے کے قریب کھڑا بنتو کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے بارے میں میرا اندازہ درست نکلا تھا۔ اس کی عمر تیس بتیس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ اونچی لمبی صحت مند گداز جسم' گوری رنگت اور چہرے کے نقوش بھی بڑے دلکش تھے۔ موٹی موٹی سیاہ آنکھیں اور سیاہ ریشمی بال کمر تک جھول رہے تھے۔

بنتو نے بھی میری طرف دیکھا۔ میرا حلیہ دیکھ کر اس کی خوبصورت آنکھوں میں خوف کی ہلکی سی پرچھائیں لہرا گئی تھی۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

"میں پچھیر سنگھ کے تمام دوستوں کو جانتی ہوں تمہیں پہلی بار دیکھا ہے۔کون ہو تم؟" بجو نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"ڈرو نہیں میں بھی پچھیر سنگھ کا دوست ہوں۔اس سے میری دوستی آج ہی ہوئی ہے۔اس کی وجہ سے آج میں ایک بڑی مصیبت سے بچ گیا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"تمہاری یہ حالت؟" اس نے ایک بار پھر الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"مجھے کچھ غنڈوں نے گھیر لیا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"اگر پچھیر سنگھ بروقت وہاں نہ پہنچ جاتا تو وہ لوگ مجھے مار ہی ڈالتے۔تمہارا یہ دوست بڑا بہادر آدمی ہے۔اس نے مجھے ان غنڈوں سے بچایا تھا۔یہ مجھے اس خیال سے اپنے ساتھ لے آیا ہے کہ غنڈے مجھے دوبارہ پریشان نہ کریں۔ویسے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں میں صبح یہاں سے چلا جاؤں گا اور ہاں..... " میں نے پتلون کی جیب سے نوٹوں کی گڈی نکال لی اور ہزار روپے کے نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیئے۔"یہ تھوڑی سی رقم رکھ لو اپنے پاس کام آئے گی۔"

بجو کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔سردار پچھیر سنگھ مجھے لے کر یہاں آیا تھا تو میں نے بجو کو دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ ایک لالچی عورت ہے۔کوئی شادی شدہ عورت کسی غیر مرد سے اس وقت تعلقات قائم کرتی ہے جب شوہر سے اس کی ضروریات پوری نہ ہوتی ہوں۔بجو بھی شادی شدہ تھی مگر ایک غیر مرد سے اس کے تعلقات تھے۔اس کا شوہر لدھیانے گیا ہوا تھا اور پچھیر سنگھ فائدہ اٹھا کر یہاں آ گیا تھا جبکہ اس کی اپنی بیوی بقول اس کے اور مرد سے رنگ رلیاں منا رہی تھی۔

بجو چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی پھر اس نے نوٹ لے کر اپنی قمیص کے گریبان میں ٹھونس لئے۔

"اس کو مت بتانا۔" وہ سرگوشیانہ لہجے میں بولی۔"برا مان جائے گا۔"

"بالکل نہیں بتاؤں گا تم اطمینان رکھو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔"اور مجھے کوئی ایسی جگہ بتا دو جہاں رات گزار سکوں۔"

وہ مجھے دوسرے کمرے میں لے آئی۔یہ کمرہ بیٹھک کے طور پر آراستہ تھا۔لکڑی کا پتھے والا ایک پرانا سا صوفہ بھی رکھا ہوا تھا۔

"تم یہاں سو جاؤ۔" اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا اور باہر جاتے جاتے دروازے کے قریب رک گئی۔"تم صبح چلے جاؤ گے نا؟"

"ہاں لیکن اگر تم روکنا چاہو گی تو میں انکار نہیں کروں گا۔" میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

بجو عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔میں نے دروازہ بند کر دیا اور صوفے پر لیٹ گیا۔اپنا تھیلا میں نے تکیہ بنا کر سر کے نیچے رکھ لیا تھا۔صوفے کے کشن بہت زیادہ پچکے تھے۔نیچے سے لکڑی کی پٹیاں چبھ رہی تھیں۔

میں دیر تک جاگتا رہا اور صورتحال کے بارے میں سوچتا رہا۔آج کی رات کو محض اتفاق سے مجھے یہاں پناہ مل گئی تھی لیکن صبح یہاں سے جانا ہوگا۔میری تلاش شروع ہو چکی ہوگی اور شہر سے باہر جانے والے راستوں کی ناکہ بندی بھی کر دی گئی ہوگی۔

پیلا ہوش میں آنے کے بعد بری طرح بھنا گئی ہوگی۔وہ کوشش کرے گی کہ میں اس شہر سے نہ نکلنے پاؤں لیکن مجھے بہر حال یہاں سے نکلنا تھا۔

میں رات کے آخری پہر سو گیا تھا۔صبح نو بجے کے قریب آنکھ کھلی۔میں ابھی صوفے پر لیٹا ہوا تھا کہ بجو دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔

"تم اٹھ کر تیار ہو جاؤ پچھیر سنگھ آدھے گھنٹے بعد آ کر تمہیں اپنے گھر لے جائے گا۔" بجو نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"میں کسی غیر مرد کو اپنے گھر نہیں رکھ سکتی۔سب کو پتہ ہے کہ میرا بندہ لدھیانے گیا ہوا ہے۔اگر کسی کو پتہ چل گیا کہ....."

"پریشان مت ہو میں چلا جاؤں گا۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔"اگر مجھے اپنے بندے کی کوئی قمیص دے دو تو بڑی مہربانی ہوگی۔"

وہ چند لمحے مجھے گھورتی رہی پھر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔تھوڑی دیر بعد اس نے گہرے نیلے رنگ کی ایک قمیص لا کر میری طرف اچھال دی۔میں نے اپنی پھٹی ہوئی قمیص اتار کر وہ نیلی قمیص پہن لی اور کمرے سے باہر آ گیا۔میں نے بجو سے غسل خانے کے بارے میں پوچھا تو اس نے صحن کے کونے میں ایک دروازے کی طرف اشارہ کر دیا۔

میں نے نہا کر اپنا حلیہ درست کیا اور جب غسل خانے سے باہر نکلا تو بجو باورچی خانے کے دروازے میں کھڑی تھی اور پھر وہ ناشتہ لے کر میرے پیچھے پیچھے ہی کمرے میں آ گئی۔ایک پلیٹ میں انڈے کا آملیٹ تھا اور اس پلیٹ میں ایک پراٹھا بھی دوہرا کیا ہوا رکھا ہوا تھا۔

میرے ناشتہ کرنے کے دوران پچھیر سنگھ بھی آ گیا۔وہ بڑی عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"تم کہتے ہو کہ میرے دوست ہو اور کل رات میں نے غنڈوں سے تمہاری جان بچائی تھی۔" وہ میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔

"یہ درست ہے اگر تم نہ آ جاتے تو وہ لوگ مجھے مار ہی ڈالتے۔" میں نے کہا۔

"حد ہو گئی یار۔" وہ ہاتھ جھٹکتے ہوئے بولا۔"میں شراب کے نشے میں تھا اور مجھے پتہ ہی نہیں چلا کہ میں نے تمہاری جان بچائی تھی۔خیر چھوڑو اس قصے کو یاروں کیلئے تو اپنی جان بھی حاضر ہے۔اب تم میرے ساتھ چلو میرے گھر۔لگتا ہے تم فیروز پور پہلی دفعہ آئے ہو جتنے دن رہنا ہو میرے پاس ہی رہنا۔"

تقریباً بیس منٹ بعد ہم جب رخصت ہونے لگے تو بجو نے موقع پا کر میرے کان میں سرگوشی کی۔

"میرا بندہ تین دن لدھیانے میں رہے گا۔موقع ملے تو آج یا کل رات کو آ جانا۔"

میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔رات کو میں نے اسے جو ہزار روپے دیئے تھے وہ اپنا رنگ دکھانے لگے تھے۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

ہم درختوں کے ذخیروں سے ہوتے ہوئے اس آبادی میں پہنچ گئے جہاں سے گزشتہ رات میں نے مچھیر سنگھ کو نشے کی حالت میں اٹھایا تھا۔ میں چلتے ہوئے محتاط انداز میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

دوسری گلی میں وہ پرانی طرز کے ایک مکان کے سامنے رک گیا۔ دروازہ بھڑا ہوا تھا مگر اندر سے بند نہیں تھا۔ مچھیر سنگھ دروازہ کھول کر بے دھڑک اندر داخل ہو گیا اور مجھے بھی بلا لیا۔

بیچ میں کشادہ آنگن تھا۔ فرش سرخ اینٹوں کا تھا۔ صحن کے تین اطراف میں کمرے تھے۔ دو ایک طرف اور ایک کمرہ دوسری طرف۔ ایک طرف باورچی خانہ اور غسل خانہ وغیرہ تھا۔ جب ہم اندر داخل ہوئے تو سامنے والے برآمدے میں ایک عورت کھڑی تھی جو مجھے دیکھتے ہی کمرے میں گھس گئی۔

مچھیر سنگھ مجھے اس طرف لے آیا جہاں ایک ہی کمرہ تھا۔ فرش سیمنٹ کا تھا جس میں سرخ رنگ ملایا گیا تھا۔ چاروں طرف سے ایک ایک فٹ جگہ چھوڑ کر نیچے رنگ کی چھ انچ چوڑی پٹی تھی جس میں پیلے رنگ سے بیل بوٹے بنے ہوئے تھے۔ اس زمانے میں متوسط اور نچلے درجے کے گھروں میں اس قسم کے فرش بنانے کا رواج عام تھا۔ قالین تو بڑے گھروں میں ہی بچھتے تھے۔ درمیانے گھروں میں زیادہ سے زیادہ دری بچھائی جاتی تھی۔ ویسے عام طور پر اس قسم کے رنگ برنگے فرش ہی بنا لئے جاتے تھے۔

یہ کمرہ بیٹھک کے طور پر آراستہ تھا۔ چند کرسیاں اور ان کے درمیان میں ایک کافی ٹیبل پڑی تھی۔ ایک طرف تخت کی طرح لکڑی کی چوکی بچھی ہوئی تھی جس پر گدا اور سفید چادر بچھی ہوئی تھی۔ آتش دان کے کارنس پر لکڑی کے فریم میں بابا گورونانک کی تصویر رکھی ہوئی تھی۔ ایک دیوار پر پرانا کیلنڈر بھی آویزاں تھا۔ اس پر بھی بابا گرونانک ہی کی تصویر تھی۔

مچھیر سنگھ مجھے کمرے میں بٹھا کر باہر چلا گیا۔ اس کی واپسی دس منٹ بعد ہوئی۔ اس کے عقب میں وہی عورت ٹرے اٹھائے ہوئے داخل ہوئی تھی۔ ٹرے میں لسی سے بھرے ہوئے دو بڑے گلاس رکھے ہوئے تھے۔ اس عورت نے دوپٹے سے گھونگھٹ نکال رکھا تھا۔ میں اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا لیکن اس کے ہاتھوں کی گوری رنگت اور مخروطی انگلیاں دیکھ کر اندازہ ہوا کہ وہ خاصی حسین ہوگی اور اس کی عمر بھی زیادہ نہیں لگ رہی تھی۔

اس نے لسی کے گلاس میز پر رکھ دیئے اور واپس جانے لگی تو مچھیر سنگھ نے اسے روک لیا۔

''اوئے بسنت کور... کہاں جا رہی ہے۔ بیٹھ جا یہاں پر۔'' وہ میرے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ''اور یہ گھونگھٹ ہٹا دے یہ تو اپنا بیلی ہے موتی سنگھ۔ اس سے کیا پردہ۔'' اس نے خود ہی میرا نام بھی تجویز کر دیا تھا۔

میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ بسنت کور جھجکتی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی اور پھر اس نے گھونگھٹ بھی ہٹا دیا۔ دوپٹہ نہ صرف چہرے سے بلکہ سینے سے بھی ہٹ گیا۔ میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اس کے بارے میں میرا اندازہ درست نکلا تھا۔ وہ بے حد حسین اور بھرپور جوان عورت تھی۔ عمر چھبیس ستائیس سے زیادہ نہیں تھی لیکن بسنت کور کے مقابلے میں تو وہ ہیچ تھی۔ مجھے افسوس بھی ہوا مچھیر سنگھ اتنی حسین بیوی کو چھوڑ کر دوسری عورتوں کے پیچھے مارا مارا پھر رہا تھا۔

''موتی سنگھ میرا بیلی ہے باہر سے آیا ہوا ہے۔'' سردار جی اپنی بیوی کو بتا رہے تھے۔ ''کل رات کچھ غنڈوں نے اس پر حملہ کر دیا تھا۔ وہ اسے اجنبی سمجھ کر لوٹنا چاہتے تھے۔ وہ تو میں وقت پر پہنچ گیا اور بچا لیا ورنہ پتہ نہیں وہ اس بیچارے کا کیا حشر کر دیتے۔ دیکھو اس کی گردن پر کھرونچیں آئی ہیں۔'' اس نے میری طرف اشارہ کیا۔ بسنت کور نے نظریں اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ مچھیر سنگھ کہہ رہا تھا۔ ''یہ کچھ روز ہمارے پاس رہے گا۔ اس کی سیوا میں کوئی کسر نہیں رہنی چاہئے۔ پروہنے کو کوئی شکایت نہ ہو۔ اوئے سمجھی کہ نہیں۔''

''سمجھ گئی جی۔'' بسنت کور نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ''اب آپ لسی پیو۔ گرم ہو جائے گی۔ میں دوپہر کی روٹی شوٹی کا بندوبست کرتی ہوں۔'' وہ اٹھ کر چلی گئی۔

''سردار جی برا نہ ماننا۔'' میں نے جیب سے چند بڑے نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیئے۔ ''میں چند دن یہاں رہوں گا مگر تم پر بوجھ نہیں بننا چاہتا۔ اپنا یار سمجھ کر تھوڑی سی رقم رکھ لو خرچ کیلئے۔'' اس نے بڑی مشکل سے وہ رقم قبول کی تھی۔

''میں تو نشے میں تھا یار مجھے پتہ ہی نہیں چلا۔ پر ہوا کیا تھا۔'' اس نے نوٹ جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

''ہونا کیا ہے سردار جی۔'' میں نے گہرا سانس بھرتے ہوئے کہا۔ ''کل غلطی سے سڑک پر ایک لڑکی کو اشارہ کر دیا تھا۔ مجھے پتہ نہیں تھا کہ اس کے ساتھ تین چار آدمی بھی تھے۔ پہلے تو لڑکی نے میری تواضع کی، قمیص پھاڑ دی۔ اپنے تیز ناخنوں سے مجھے نوچا پھر اس کے ساتھی میری ٹھکائی کرنے لگے۔ بہت سے لوگ مجھے ان غنڈوں کے ہاتھوں پٹتے دیکھتے رہے مگر کوئی آگے نہیں بڑھا وہ تو اتفاق سے تم اس طرف آ گئے۔ تم نے غنڈوں کو للکارا۔ ایک کو دو تین کرارے سے ہاتھ بھی جڑ دیئے۔ بھاگ گئے وہ سب لوگ اور تم مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔''

''یہ تو کمال ہو گیا واگرو دی قسم۔'' میں نشے میں تھا اس لئے مجھے یہ سب کچھ یاد نہیں اگر میں نشے میں نہ ہوتا تو ایک آدمی کے ہاتھ پیر ضرور توڑ دیتا۔ ویسے یہاں بازار میں اپنا بڑا ٹھکا ہے تم پریشان مت ہونا۔''

میں دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ اس نے یقین کر لیا تھا کہ کل رات اس نے غنڈوں سے میری جان بچائی تھی۔

''میں ماڑا جیسا بندہ ہوں سردار جی۔'' میں نے کہا۔ ''اپنے ایک بیلی سے ملنے آیا تھا پر پتہ چلا کہ وہ پٹیالہ گیا ہے اس لئے سڑکوں پر پھر رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ واپس چلا جاؤں یا رات کسی ہوٹل میں گزار لوں کہ اس دوران وہ واقعہ پیش آ گیا۔''

''میں بھی تو تمہارا بیلی ہوں یار۔'' اس نے کہا۔

''وہ تو ٹھیک ہے سردار جی۔'' میں نے کہا۔ ''پر میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تین چار دن گھر سے نہیں نکلوں گا۔ تم بھی کسی کو مت بتانا کہ میں تمہارے گھر میں ہوں۔''

''کوئی گل ہی نہیں۔'' وہ بولا۔ ''ویسے تم آئے کہاں سے ہو؟''

''رہنے والا تو میں ترن تارن کا ہوں۔ کل آیا بھی وہیں سے تھا لیکن۔'' میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ''میرا باپو ہم سب گھر والوں کو ہوشیار پور لے گیا تھا۔ وہاں ہماری

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

رہائش مسلمانوں کے محلے میں تھی۔ ہمارا رہن سہن بھی مسلمانوں جیسا ہی ہو گیا۔ بس کیا بتاؤں سردار جی' جب کبھی دھرم کی بات ہوتی ہے تو جیسے بڑی شرم آتی ہے۔''

''دھرم کیا چیز ہے ویر میرے۔'' سردار جی بولے۔ ''انسان میں اپنائیت ہو وہی سب سے بڑا دھرم ہے۔''

''ٹھیک کہتے ہو سردار جی۔'' میں نے کہا۔ ''پر ایک بات کہوں' برا مت ماننا۔''

''ہاں ہاں کہو۔ میں تمہاری گل کا بالکل برا نہیں مانوں گا۔'' اس نے کہا۔

''تمہاری گھر والی بسنت کور اتنی خوبصورت ہے' جوان ہے' تمہیں تو اس کے پیر دھو دھو کر پینے چاہئیں لیکن تم اسے چھوڑ کر دوسری عورتوں کے پیچھے بھاگے پھر رہے ہو۔''

''اوے یہ گل نہیں ہے سوترے۔'' اس نے کہا۔ محتاط انداز میں دروازے کی طرف دیکھا پھر آگے جھک کر رازدارانہ لہجے میں بولا۔ ''یہ جو بسنت کور ہے نا تمہاری پا جو نہیں ہے۔''

''کیا؟'' میں چونک گیا۔

''بات دراصل یہ ہے کہ میرا ایک دوست گور بخش کچھ عرصہ پہلے امبرسر گیا تھا۔ وہاں اس نے اس لاوارث لڑکی سے شادی کر لی۔ گور بخش آوارہ مزاج بندہ تھا اس کے پاس تو رہنے کو کوئی جگہ بھی نہیں تھی۔ وہ بسنت کور کو لے کر میرے گھر آ گیا۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ ''ایک سال بعد گور بخش گزر گیا۔ بسنت کور میرے پاس ہی رہنے لگی کہاں جاتی بے چاری۔ اس نے مجھے ہی اپنا سب کچھ سمجھ لیا تھا۔ میرے ساتھ رہتے ہوئے اس کے بھی پر پرزے نکل گئے۔ میں جب گھر میں نہیں ہوتا نا' یہ کسی اور کو بھی بلا لیتی ہے۔ تمہیں کبھی موقع ملے نا تو اس سے بچ کر ہی رہنا اور اس کی باتوں کا تو بالکل ہی یقین مت کرنا۔''

یہ انکشاف میرے لئے بہت حیرت انگیز تھا۔ میں نے سکھوں کے بارے میں بہت سی باتیں سنی تھیں مگر وہ سب لطیفوں کی حد تک تھیں لیکن یہ انکشاف میرے لئے واقعی حیرت انگیز تھا کہ ایک شخص کی بیوی اس کے دوست اور دوسروں کے استعمال میں بھی تھی۔

کچھ دیر اور ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر چھیر سنگھ کچھ سودا وغیرہ لینے کیلئے بازار چلا گیا۔ میں کرسی سے اٹھ کر چوکی پر لیٹ گیا اور کچھ ہی دیر بعد اونگھنے لگا۔

مجھے کھانے کے وقت اٹھایا گیا تھا۔ اس وقت کھانا ہم نے دوسرے کمرے میں بیٹھ کر کھایا تھا۔ دستر خوان فرش پر ہی بچھا تھا اور بسنت کور بھی ہمارے ساتھ بیٹھی تھی۔

بسنت کور شروع میں تو کچھ جھجکتی رہی لیکن پھر بتدریج کھلتی چلی گئی۔ وہ چھیر سنگھ کے سامنے تو مجھ سے دور ہی رہتی اور جب وہ گھر میں نہ ہوتا تو مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوشش کرتی۔

تین چار دن گزر گئے۔ اس دوران میں ایک مرتبہ بھی گھر سے باہر نہیں نکلا تھا جبکہ بسنت کور سودا سلف لینے کیلئے اکثر باہر جاتی رہتی تھی اور چھیر سنگھ کا تو زیادہ وقت اب گھر سے باہر ہی گزرتا تھا۔

اور پھر ایک روز وہ وقت بھی آ گیا جس کا مجھے انتظار تھا۔ بسنت کور تھوڑی دیر پہلے ہی بازار سے آئی تھی۔ میں اس وقت برآمدے میں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ بسنت کور بھی میرے سامنے بیٹھ گئی اور گہری

نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

''کیا بات ہے تم مجھے ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''پولیس کو ایک ایسے آدمی کی تلاش ہے جو چند روز پہلے گیسٹ ہاؤس سے ایک عورت کو یرغمال بنا کر لے گیا تھا۔ وہ عورت تو بعد میں زخمی اور بے ہوش حالت میں ایک کار میں پڑی ہوئی مل گئی مگر وہ آدمی لاپتہ ہو گیا۔'' اس نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

''میرا دل یکبارگی اچھل پڑا لیکن میں نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پا لیا۔''

''پھر؟'' میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''کچھ نہیں ویسے ہی میں نے تمہیں بتایا ہے۔'' اس نے جواب دیا اور اٹھ کر اپنے کاموں میں مصروف ہو گئی۔

اگلے روز وہ کچھ اور کھل گئی۔ اب مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ میرے بارے میں بہت کچھ جان چکی تھی۔ اب میرے لئے اپنے آپ کو روکنا مشکل تھا۔ میرے ایک اشارے پر وہ پکے ہوئے پھل کی طرح میری آغوش میں آن گری۔

''کیا کہنا چاہتی ہو؟'' میں نے اس کے گال پر انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔ ''کیا چاہتی ہو تم؟''

''تم مجھے اس شیطان کے شکنجے سے نکالو۔ میں تمہاری مدد کروں گی۔'' بسنت کور نے جواب دیا۔ ''تم کھیم کرن کی طرف جانا چاہتے ہو نا سرحد پار کرنے کیلئے۔ وہاں آج کل بڑی سختی ہے۔ بڑی سخت چیکنگ ہو رہی ہے۔ تم اس طرف سے سرحد پار نہیں کر سکتے۔ میں تمہیں چپالہ تک لے جا سکتی ہوں۔ وہاں میری پھوپو رہتی ہے۔ اس طرف سے تم آسانی سے سرحد پار کر لو گے۔''

''چپالہ کہاں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''کھیم کرن سے چند میل دور ترن تارن کی طرف۔ ایک چھوٹا سا ریلوے سٹیشن ہے۔ اس کے قریب ہی ایک گاؤں ہے۔ میں اس طرف سے سرحد پار کرنے میں تمہاری مدد کر سکتی ہوں۔''

''لیکن چھیر سنگھ کے بارے میں تم نے کیا سوچا۔ تم تو آزاد ہو جب چاہو جہاں چاہو جا سکتی ہو۔'' میں نے کہا۔

''مجھے نہیں معلوم اس نے تمہیں کیا کہانی سنائی ہو گی لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس نے میرے گھر والے کو زہر دے کر مار دیا تھا۔ میں نے یہاں سے جانے کی کوشش کی تو اس نے مجھے زبردستی روک لیا کہ اب میں کہیں نہیں جا سکتی۔ یہ خود بھی میری بوٹیاں نوچتا رہتا ہے اور دوسرے تیسرے دن کسی نہ کسی آدمی کو بھی لے آتا ہے۔ ان سے پیسے لیتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ تمہیں بھی کوئی کہانی سنا کر یہاں لایا ہو گا اور تم سے لمبی رقم بٹوری ہو گی۔''

چھیر سنگھ کے بارے میں یہ انکشاف میرے لئے سنسنی خیز تھا۔

''کیا واقعی اس نے اس رات تمہیں غنڈوں سے بچایا تھا۔'' بسنت کور نے پوچھا۔

''یہ شراب کے نشے میں دھت گلی میں پڑا ہوا تھا اور میں نے اسے اٹھایا تھا۔'' میں نے کہا۔ ''اس نے کہا تھا کہ اس کی گھر والی نے اپنے کسی یار کو بلا رکھا ہے اور اسے باہر نکال دیا ہے۔ میں نے اس

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

سے ہمدردی کا اظہار کیا تو وہ مجھے بنتو کے گھر لے گیا۔ وہاں میں نے اس کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی کہ اس نے مجھے غنڈوں سے بچایا تھا اور نشے میں ہونے کی وجہ سے اس نے اس بات کا یقین کر لیا۔''

''بنتو بھی طوائف ہے۔'' بسنت کور کے لہجے میں نفرت تھی۔ ''وہ بھی دھندہ کرتی ہے۔ اس کا بندہ سرکاری دفتر میں ملازم ہے مگر اپنی بیوی کے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔ یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ بہرحال اس نے تم سے کتنے پیسے لئے تھے؟''

''اس نے تو مجھ سے نہیں مانگے تھے لیکن میں نے خود ہی اسے پندرہ سو روپے دیئے تھے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''لیکن کیا وہ بھی میرے بارے میں جان چکا ہے یا کوئی شبہ اس نے کوئی ایسی بات کی ہو؟''

''وہ بے وقوف نہیں ہے۔'' بسنت کور نے جواب دیا۔ ''تم جس طرح گھر میں گھسے بیٹھے ہو اور پورے شہر میں جس طرح ایک مفرور کی تلاش ہو رہی ہے اس سے کسی کو بھی تم پر شبہ ہو سکتا ہے۔ میں نے تمہارے بارے میں بالکل صحیح اندازہ لگا لیا کہ نہیں۔ اس کے ذہن میں شبہ کیسے پیدا نہیں ہوا ہوگا۔''

''تم کیا چاہتی ہو۔'' میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

''تم مجھے اس شیطان کے شکنجے سے نکالو۔ میں تمہاری مدد کروں گی۔'' بسنت کور نے جواب دیا۔

''وہ کیسے' میں تمہیں اس سے کیسے نجات دلا سکتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''شہر میں تمہارے بارے میں بہت کچھ کہا جا رہا ہے۔ تم تو ایسی چیزوں کے ماہر ہو' یہ سوچنا تمہارا کام ہے اور.....''

دروازے پر دستک کی آواز سن کر بسنت کور بات ادھوری چھوڑ کر جلدی سے اٹھ گئی۔ وہ دروازے کی طرف جا رہی تھی اور میں اطمینان سے کرسی پر بیٹھا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

وہ پچھیر سنگھ ہی تھا اس کے ہاتھ میں ٹوکری تھی جس میں سبزی اور پھل وغیرہ بھرے ہوئے تھے۔ اتنے روز میں وہ پہلی مرتبہ پھل لے کر آیا تھا۔ حالانکہ بسنت کور جب بھی سبزی لینے جاتی تو کوئی پھل ضرور لے کر آتی تھی۔

اس روز اور اس کے بعد کے اگلے دو روز تک میں بڑی کڑی نظروں سے پچھیر سنگھ کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کی ایک ایک بات پر توجہ دے رہا تھا لیکن کوئی ایسی بات سامنے نہیں آئی جس سے اندازہ ہوتا کہ وہ میری اصلیت کے بارے میں کچھ جان چکا ہے۔

یا تو وہ اتنا گہرا تھا کہ میرے بارے میں جان لینے کے بعد بھی اس نے اپنے آپ پر اس قدر کنٹرول رکھا تھا کہ نہ تو اس سلسلے میں کوئی لفظ اس کی زبان پر آیا تھا اور نہ ہی اس کی کسی حرکت سے ایسی کوئی بات سامنے آئی تھی اور یا وہ اس قدر سادہ لوح تھا کہ شہر میں ایسی باتیں سننے کے باوجود اس کا دھیان میری طرف نہیں گیا تھا۔ اس کے برعکس بسنت کور فوراً ہی کھل گئی تھی۔

مجھے پچھیر سنگھ کا پروہنا بنے ہوئے ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔ اس دوران میں نے شیو نہیں بنایا تھا۔ سر کے بال ویسے ہی کئی مہینوں سے بڑھے ہوئے تھے۔ داڑھی میں نے جان بوجھ کر بڑھائی تھی اور میں اس وقت بڑی آسانی سے سکھ کا گیٹ اپ اپنا سکتا تھا۔

جب میں گیسٹ ہاؤس میں آیا تھا تو سکھ کے بھیس میں تھا اور میرا خیال تھا کہ اب بھی میں سکھ ہی کے بھیس میں فیروز پور سے نکلوں گا۔ ہو سکتا ہے پولیس کو میرے سکھ والے حلیے کی تلاش ہو لیکن وہ بھی جانتے تھے کہ میں اس حلیے میں نظروں میں آ چکا تھا اس لئے میں بھیس بدل لوں گا۔ گیسٹ ہاؤس کے کمرے میں' میں نے ہیلا پر نفسیاتی وار کیا تھا اور اب بھی نفسیاتی حربہ ہی استعمال کرنا چاہتا تھا۔

''یار پچھیر۔'' اس روز شام کو میں نے اس سے کہا۔ ''مجھے یہاں آئے ہوئے بڑے دن ہو گئے۔ ویسے تو میرا یہاں آنا بیکار ہی ثابت ہوا لیکن یہ فائدہ ضرور ہوا کہ تم جیسا بیلی مل گیا۔ کبھی آؤ نا ہوشیار پور مجھے بھی اپنی خدمت کا موقع دو۔ وہاں آ کر ہمارا بھی ٹھکا دیکھنا۔''

''ضرور آؤں گا دوست۔'' اس نے کہا۔ ''اب تم ہوشیار پور جاؤ گے؟''

''نہیں' ایک دن کیلئے موگا میں رکوں گا۔ وہاں بھی میرا ایک بیلی رہتا ہے۔ سوچتا ہوں اس سے بھی ملتا جاؤں۔'' میں نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ ''پر ایک بات ہے یار۔ میں ہوں ذرا تھڑ دلا۔ مجھے ڈر ہے کہ اس لڑکی کے رشتے داروں سے ٹاکرا نہ ہو جائے۔''

''ڈرتے کیوں ہو یار۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔'' پچھیر سنگھ بولا۔

''یہی میں چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''تم دونوں بھی میرے ساتھ موگا تک چلو وہاں میرے دوست سے بھی تمہاری ملاقات ہو جائے گی۔ بہت اچھا بندہ ہے وہ۔''

''ٹھیک ہے۔ ضرور چلیں گے۔'' پچھیر سنگھ نے کہا۔ ''کب تیاری ہے؟''

''کل صبح دس بجے کی گاڑی سے۔'' میں نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے۔'' اس نے کہا پھر بسنت کور کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''تو بھی تیاری کر لے بھئی بسنتے۔ ہم دو تین دن موگا میں رہیں گے۔ وہاں پر سوں سیلا بھی لگنے والا ہے۔''

بسنت کور نے سر ہلانے پر ہی اکتفا کیا تھا۔

یہ منصوبہ میں نے اور بسنت کور نے آج دوپہر اس وقت بنایا تھا جب پچھیر سنگھ بازار گیا ہوا تھا۔ ہمارا منصوبہ یہ تھا کہ ہم صبح دس بجے والی ٹرین سے موگا کیلئے روانہ ہوں گے۔ بسنت کور ٹرین میں میرے ساتھ رہے گی۔ ہم دونوں راستے میں تیل ونڈ نامی سٹیشن پر اتر کر ترن تارن کی طرف جانے والی بس پر بیٹھ جائیں گے۔ تیل ونڈ سے موگا تک تقریباً ایک گھنٹے کا فاصلہ تھا۔ بیچ میں ایک چھوٹا سا سٹیشن تھا جہاں ٹرین نہیں رکتی تھی۔ پچھیر سنگھ کو ٹرین پر ہماری عدم موجودگی کا پتہ چلے گا تو موگا پہنچنے تک تو وہ کچھ بھی نہیں کر سکے گا اور اس وقت تک ہم بہت دور نکل چکے ہوں گے۔

اس رات اگرچہ میں دیر تک جاگتا رہا تھا مگر صبح جلدی آنکھ کھل گئی۔ میں نے کپڑے تبدیل کر لئے۔ پچھیر سنگھ کی پینٹ شرٹ مجھے فٹ آ گئی تھی۔ اس نے میرے سر پر پگڑی بھی باندھ دی۔ میں نے دونوں کلائیوں میں چاندی کے روکڑے بھی پہن لئے جو دو روز پہلے بسنت کور بازار سے اس مقصد کیلئے لے کر آئی تھی۔ سکھ مذہب کے پیروکاروں کیلئے پانچ چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی تھیں جن میں کڑا بھی شامل تھا۔ آج کے ماڈرن دور میں اور بعض دیگر وجوہات کی بنا پر کرپان (تلوار) بہت کم سکھ اپنے پاس رکھتے ہیں۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

میں نے آئینے میں اپنا جائزہ لیا اور عش عش کر اٹھا۔ میں ایک مکمل سکھ لگ رہا تھا۔ مجھے اس سکھ کی حیثیت سے بھی نہیں پہچانا جا سکتا تھا جو گیسٹ ہاؤس سے بیلا کو لے کر فرار ہوا تھا۔

پچھیر سنگھ نے بھی پینٹ شرٹ پہن رکھی تھی۔ وہ بھی بڑا سمارٹ لگ رہا تھا اور بسنت کور نے مہندی رنگ کی ساڑھی پہنی تھی جو اسے خوب جچ رہی تھی۔

ٹرین مقررہ وقت پر روانہ ہوئی۔ میں اور بسنت کور اکٹھے بیٹھے تھے۔ بسنت کور نے بھی ایک سفری بیگ ساتھ لیا تھا اور میں نے بھی اپنا تھیلا اس میں ٹھونس دیا تھا۔ وہ بیگ بسنت کور نے اپنے پہلو میں ہی سیٹ پر رکھا ہوا تھا۔ پچھیر سنگھ ہم سے دو لائن آگے کھڑکی کے ساتھ سنگل سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔

فیروز پور ریلوے سٹیشن پر باوردی پولیس والے بھی بڑی تعداد میں موجود تھے اور سادہ لباس سکیورٹی والے بھی۔ وہ ایک ایک شخص کو بڑی گہری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ہم بھی ایک دو کی نظروں میں آئے تھے لیکن میرے ساتھ چونکہ بسنت کور تھی اس لئے کسی نے زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔

فیروز پور سے تیل ونڈ کا فاصلہ بھی تقریباً ایک گھنٹے کا تھا۔ ٹرین تیز رفتاری سے دوڑ رہی تھی۔ تیل ونڈ پہنچنے میں تقریباً بیس منٹ باقی تھے۔ بسنت کور نے بیگ میں سے براؤن پیپر کا ایک لفافہ نکال کر میرے حوالے کر دیا۔ اس میں برفی تھی۔ میں نے تھیلا کھول کر اندر جھانکا۔ ایک ٹکڑا نکال کر بسنت کور کو دیا۔ ایک اپنے منہ میں رکھا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر پچھیر سنگھ کے سامنے خالی سیٹ پر بیٹھ گیا اور تھیلا اس کی طرف بڑھا دیا۔

اس نے برفی کا ایک ٹکڑا نکال کر کھایا۔ دوسرا ٹکڑا میرے کہنے پر لے لیا۔ میں چند منٹ وہیں بیٹھا رہا۔ وہ کھڑکی سے ٹیک لگا کر اونگھنے لگا۔ میں اٹھ کر دوبارہ اپنی سیٹ پر آ گیا۔

ٹرین جب تیل ونڈ سٹیشن پر رکی تو پچھیر سنگھ مکمل طور پر اناغفیل ہو چکا تھا۔ بسنت کور کی برفی اپنا کام کر گئی تھی۔ میں نے بسنت کور کو اشارہ کیا اور وہ بیگ اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔

ٹرین یہاں صرف ایک منٹ رکی تھی۔ ہم جیسے ہی نیچے اترے ٹرین حرکت میں آ گئی۔ ہم پلیٹ فارم پر کھڑے ٹرین کو جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔

یہاں چند مسافر اترے تھے۔ ہم بھی ان کے ساتھ خارجی گیٹ کی طرف چل پڑے۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ ٹکٹ میرے پاس تھے۔ گیٹ پر ٹکٹ چیکر نے دھیان نہیں دیا کہ یہ ٹکٹ سوگا کیلئے ہیں اور ہم پہلے ہی اتر گئے تھے۔

ریلوے سٹیشن کے سامنے ہی کچھ فاصلے پر لاری اڈا تھا۔ تیل ونڈ زیادہ بڑا قصبہ نہیں تھا۔ اس قصبے کی اپنی کوئی ٹرانسپورٹ نہیں تھی۔ مختلف اطراف سے آنے والی بسیں یہاں رکتی تھیں۔ تقریباً پندرہ منٹ کے انتظار کے بعد ہمیں فرید کوٹ سے آنے والی ایک بس پر جگہ مل گئی۔ بس صرف پانچ منٹ وہاں رکی اور پھر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئی۔

ترن تارن بہت دور تھا۔ تقریباً چار گھنٹے کا راستہ تھا۔ میں کچھ دیر تک بسنت کور سے باتیں کرتا رہا اور پھر آگے والی سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر اونگھنے لگا۔

☆.....☆.....☆

بس راستے میں خراب ہونے کی وجہ سے بہت سا وقت ضائع ہو گیا تھا۔ اس طرح ہم تقریباً پانچ بجے کے قریب ترن تارن پہنچ سکے تھے۔ ہم لاری اڈے سے پہلے ہی بس سے اتر گئے۔ کچھ اور مسافر بھی وہاں اترے تھے۔ سفری بیگ اس مرتبہ میں نے کندھے پر لٹکا رکھا تھا۔

ترن تارن درمیانے درجے کا شہر تھا۔ خاصا بارونق اور زندگی سے بھرپور زیادہ آبادی سکھوں کی تھی۔ ہندو اور مسلمان بھی معقول تعداد میں آباد تھے۔ اس وقت شام کا جھٹپٹا ہونے والا تھا۔ بازاروں میں خاصی رونق تھی۔

بسنت کور ساڑھی میں بڑی شاندار لگ رہی تھی۔ لوگ مڑ مڑ کر اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ میں نے چلتے چلتے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔

''کہاں جانا ہے۔'' میں نے پوچھا۔ ''کوئی ٹھکانہ بھی ہے یا لاوارث گائے بھینسوں کی طرح بازاروں میں پھرتے رہیں گے۔''

''بس تم میرے ساتھ چلے آؤ۔'' بسنت کور نے کہا۔ ''یوں تو میرے دور کے کئی رشتے دار اس شہر میں رہتے ہیں لیکن میں کسی رشتے دار کے گھر نہیں جاؤں گی۔ ویسے میری ایک دوست بھی یہاں رہتی ہے۔ وہ میری شادی سے پہلے بیاہ کر یہاں آئی تھی۔ میں ایک مرتبہ اس کے ہاں گئی تھی۔ وہ مانک چند سٹریٹ پر رہتی ہے تم میرے ساتھ چلے آؤ۔''

تقریباً آدھا گھنٹہ سڑکوں پر گھومنے کے بعد ہم گنجان آبادی والے علاقے میں آ گئے۔ گلیاں تنگ اور پر پیچ تھیں۔ پرانی طرز کے زیادہ تر مکان دو منزلہ تھے۔ گلیاں اس قدر تنگ اور اوپر سے مکان ایک دوسرے کے بہت قریب تھے۔ اس وجہ سے یہاں شام ہونے سے پہلے ہی شام کا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔

بسنت کور ایک اور تنگ سی گلی میں مڑ گئی۔ جہاں چند ننگ دھڑنگ بچے کھیل رہے تھے۔ چند گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد بسنت کور ایک مکان کے سامنے رک گئی اور دروازے پر دستک دینے لگی۔

ایک منٹ بعد دروازہ کھلا۔ وہ ایک جوان عورت تھی۔ شلوار قمیص میں تھی اور دوپٹہ کمر پر باندھ رکھا تھا۔ وہ چند لمحے بسنت کور کی طرف دیکھتی رہی پھر چیختی ہوئی اس سے لپٹ گئی۔

''ارے بسنتی کہاں مر گئی تھی تو۔ شادی کے بعد تو ایسے غائب ہوئی کہ اپنا اتا پتا ہی نہیں چھوڑا۔ کہاں چلی گئی تھی؟''

''مجھے اندر تو آنے دو۔'' بسنت کور نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

وہ عورت بسنت کور سے الگ ہو کر راستے سے ہٹ گئی اور مڑ کر الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

''یہ تیرے جیجا جی ہیں۔'' بسنت کور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''جیجا جی۔'' اس عورت کے لہجے میں حیرت تھی۔ ''اری تو نے کھسم بدل لیا؟''

''بڑی لمبی کہانی ہے آرام سے بتاؤں گی۔ ہمیں اندر تو بیٹھنے دے۔'' بسنت کور نے جواب دیا۔

وہ کلدیپ کور تھی وہ ہمیں بیٹھک میں لے آئی۔ چند منٹ دونوں ایک دوسرے کی خیریت و عافیت دریافت کرتی رہیں پھر کلدیپ اٹھ کر چلی گئی۔ چند منٹ بعد وہ شربت بنا کر لے آئی۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

"ہاں۔اب بتا کیا قصہ ہے تیرا بیاہ تو....."

"وہ تو بیاہ کے دو مہینوں بعد ہی گزر گیا تھا۔" بسنت کور نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔"اگر یہ من موہن سنگھ جی مجھے سہارا نہ دیتے تو میں برباد ہو جاتی۔ انہوں نے مجھ سے شادی کیلئے کہا تو میں انکار نہ کر سکی۔اس طرح میں جیل خوار ہونے سے بچ گئی۔تو سنا' جیجا جی کہاں ہیں؟"

"جیل میں۔" بسنت کور اچھل پڑی۔"کیا کیا اس نے کسی کو جان سے مار دیا کیا؟"

"وہ تو چوہے کو نہیں مار سکتا کسی بندے کو کیا مارے گا۔" کلدیپ کور نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔"سیٹھ لال چند کے پاس چنگی بھلی نوکری کرتا تھا پھر کسی اوتترے نے اسے نشے کی چیزیں بیچنے پر لگا دیا۔ وہ بھی کہتا تھا ہیروئن بیچ کر راتوں رات امیر بن جائیں گے۔امیر تو کیا ہوتے' وہ پکڑا گیا۔ ڈیڑھ سال کی سزا ہو گئی وہ جیل میں چکی پیس رہا ہے اور میں لوگوں کے گھروں میں کام کر کے گزارہ کرتی ہوں۔

میں ایک طرف خاموش بیٹھا ان کی باتیں سن رہا تھا۔کلدیپ کور کی باتوں سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ بڑی کسمپرسی میں وقت گزار رہی ہے۔ وہ اس وقت کسی کے گھر سے لائے ہوئے کپڑے دھونے جا رہی تھی۔آنگن میں نلکے کے نیچے کھرے میں کپڑوں کا انبار لگا ہوا تھا۔

"کپڑے تو میں بعد میں دھولوں گی پہلے تم لوگوں کیلئے رات کی روٹی کا بندوبست کروں۔" کلدیپ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"بسنت کور نے مجھے اشارہ کیا۔کلدیپ کور کے جانے کے بعد میں نے جیب سے ہزار روپے کے نوٹ نکال کر بسنت کور کو دے دیئے۔ وہ کلدیپ کے پیچھے ہی کمرے سے نکل گئی۔

میں بیٹھک میں بیٹھا رہا۔اس دوران پڑوس کی کوئی عورت بھی آ گئی تھی۔ بسنت کور بھی ان کے ساتھ ہی تھی۔تھوڑی دیر بعد وہ بیٹھک میں آ گئی۔

"تم نے اس کے سامنے مجھے اپنا خصم کیوں بنا لیا۔" میں نے بسنت کور کو گھورتے ہوئے کہا۔

"تو اسے تمہارے بارے میں کیا بتاتی۔ یہی کہ اپنے یار کو لے کر آئی ہوں۔" بسنت کور نے جواب دیا۔

اس نے ٹھیک ہی کہا تھا۔میرے بارے میں کوئی عذر تو بنانا ہی تھا۔اس نے مجھے اپنا شوہر بنا لیا تھا اور اس طرح بات ختم ہو گئی تھی۔

نو بجے کے قریب ہم نے رات کا کھانا کھایا اور پھر کلدیپ کور ہمیں دوسرے کمرے میں لے گئی جہاں ایک چارپائی پڑی ہوئی تھی ہمیں رات اس کمرے میں گزارنی تھی۔

بسنت کور مجھے اس کمرے میں چھوڑ کر کلدیپ کور کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ میں نے پگڑی اتار کر احتیاط سے ایک کرسی پر رکھ دی اور چارپائی پر لیٹ گیا۔

میں اس وقت بیلا کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ مجھے گیسٹ ہاؤس سے فرار ہوئے دس روز ہو چکے تھے۔ بیلا نے میری تلاش میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہو گی۔ اسے یہ علم تھا کہ میں کھیم کرن کی طرف سے سرحد پار کرنے کی کوشش کروں گا۔اس نے تمام راستوں کی ناکہ بندی کروا دی تھی۔ کھیم کرن اور سرحد کے آس پاس بھی سکیورٹی کے انتظامات بڑھا دیئے گئے ہوں گے لیکن جس طرح بیلا قدم قدم پر میرے راستے

میں رکاوٹیں کھڑی کر رہی تھی اس طرح مجھے بھی ایسے لوگ ملتے جا رہے تھے جو ہمدردی کی بنا پر یا لالچ میں آ کر یا نادانستہ طور پر میری مدد کر رہے تھے۔

فیروز پور شہر کی جس طرح ناکہ بندی کی گئی تھی اس کے پیش نظر کہا جا سکتا تھا کہ میرے لئے وہاں سے نکلنا ممکن نہ ہوتا لیکن بسنت کور اور پچھیر سنگھ کی وجہ سے مجھے آسانی ہو گئی تھی۔ بسنت کور میرے لئے بڑی مددگار ثابت ہوئی تھی۔اس کی وجہ سے میں بڑی آسانی سے وہاں سے نکل آیا تھا۔پچھیر سنگھ کے بارے میں سوچتے ہوئے میری ہونٹوں پر خود بخود مسکراہٹ آ گئی۔ وہ واقعی بیوقوف آدمی تھا۔اگر وہ چالاک تھا تو اس کی چالاکی صرف بسنت کور کی کمائی کھانے تک تھی۔ باقی ہر طرف سے اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور اب میں سوچ رہا تھا کہ ٹرین میں ہوش میں آنے کے بعد ہمیں غائب پا کر اس کی کیا حالت ہوئی ہو گی۔

وہ رات کا غالباً آخری پہر تھا کہ میری آنکھ کھل گئی۔ پہلے تو میں گڑبڑا گیا لیکن پھر ساری بات میری سمجھ میں آ گئی۔ وہ بسنت کور تھی جو میرے ساتھ لپٹی ہوئی تھی۔ ظاہر ہے یہاں ہماری حیثیت میاں بیوی کی تھی اور بسنت کور اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

میرا خیال تھا کہ ہم اگلے روز یہاں سے چلے جائیں گے مگر بسنت کور نے دو تین دن یہاں رکنے کا پروگرام بنایا تھا۔

اس سے اگلے روز شام کے وقت ہم دونوں بازار میں گھوم رہے تھے کہ ایک موڑ پر میں ٹھٹک گیا۔ چوک کے دوسری طرف پچھیر سنگھ کھڑا ایک آدمی سے باتیں کر رہا تھا۔ میں نے بسنت کور کو اس کی طرف متوجہ کیا۔پچھیر سنگھ کو دیکھ کر اس کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ وہ بھی میری طرح آڑ میں ہو گئی۔

پچھیر سنگھ جس آدمی سے باتیں کر رہا تھا وہ ہاتھ کے اشاروں سے اسے کچھ سمجھا رہا تھا اور پھر وہ آدمی تو وہیں کھڑا رہا اور پچھیر سنگھ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا مخالف سمت میں چلا گیا۔

میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتا تھا۔ میں نے بسنت کور کو اشارہ کیا اور ہم گلیوں میں ہوتے ہوئے واپس چل پڑے۔ کلدیپ کو ہمارے اس طرح بازار سے واپس چلے آنے پر حیرانی تھی لیکن میں نے اچانک طبیعت خراب ہو جانے کا بہانہ کر دیا۔

میں اور بسنت کور دیر تک ایک کمرے میں بیٹھے سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے۔ پچھیر سنگھ کو معلوم تھا کہ بسنت کور امرتسر کی رہنے والی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ پہلے امرتسر ہی گیا ہو اور وہاں سے مایوس ہو کر ترن تارن میں تلاش کرتا پھر رہا ہو۔

بہرحال ہمیں دو دن اور یہاں رکنا پڑا اور بالآخر اگلے روز صبح سات بجے ہم کلدیپ کور سے رخصت ہو کر صبح سات بجے ریلوے سٹیشن پہنچ گئے۔ یہاں سے صبح آٹھ بجے کھیم کرن کے لئے ایک پسنجر ٹرین چلتی تھی اور یہی ٹرین شام کو واپس آ جاتی تھی۔

ترن تارن سے چوبالہ تک تقریباً اڑھائی گھنٹے کا راستہ تھا۔ میں نے محسوس کر لیا تھا کہ اس ٹرین میں بھی کچھ سادہ پوش موجود تھے جو بوگیوں میں گھومتے ہوئے مسافروں کو گھور رہے تھے۔

چوبالہ سٹیشن پر بھی دو ایسے آدمی ٹہلتے ہوئے نظر آئے جنہیں مشتبہ کہا جا سکتا تھا۔ان کا تعلق نہ تو

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

ریلوے سٹیشن سے تھا اور نہ ہی وہ اپنے کسی عزیز کو لینے کیلئے سٹیشن پر آئے ہوئے تھے۔ ان میں ایک تو دیہاتی لباس میں تھا اور دوسرے نے پینٹ شرٹ پہن رکھی تھی۔

اس سٹیشن پر دس بارہ مسافر اترے تھے۔ ان میں سے مرد بھی تھے' عورتیں بھی اور بچے بھی۔ سٹیشن پر کھڑے ہوئے وہ دونوں آدمی مسافروں کو گھور رہے تھے۔ دھوتی اور کرتے والا مشتبہ آدمی کن آنکھوں سے ہماری طرف بھی دیکھ رہا تھا۔ گیٹ سے گزرتے ہوئے میں نے بھی کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

سٹیشن کے سامنے چھوٹی سی آبادی تھی۔ زیادہ تعداد دکانوں کی تھی جبکہ اصل گاؤں سٹیشن سے تقریباً نصف میل کے فاصلے پر تھا۔

ان دکانوں کی وجہ سے ایک مختصر سا بازار بن گیا تھا جہاں خاصی رونق تھی۔ سٹیشن کے سامنے ہی تانگے اور ریڑھے وغیرہ بھی کھڑے تھے۔ گاؤں کا فاصلہ اگرچہ زیادہ نہیں تھا لیکن دھوپ تیز ہو رہی تھی۔ گاؤں کی طرف جانے والے لوگ تانگوں اور ریڑھوں پر بیٹھ رہے تھے۔ ہم بھی ایک تانگے میں بیٹھ گئے۔

سکھوں کی آبادی پر مشتمل وہ گاؤں خاصا بڑا تھا۔ یہاں چند گھر مسلمانوں کے بھی تھے اور ہندوؤں کے بھی۔ گاؤں میں داخل ہوتے ہی ایک بڑا گردوارہ تھا اور دائیں طرف گاؤں کے باہر کافی دور ایک چھوٹی سی مسجد بھی نظر آ رہی تھی۔ گاؤں کی ایک گلی سے گزرتے ہوئے ایک چھوٹا مندر بھی دکھائی دیا تھا۔

تانگہ گاؤں کے چوک پر ٹاہلی کے درختوں کے نیچے رک گیا اور ہم تانگے سے اتر کر ایک گلی میں داخل ہو گئے۔ گلی کافی کشادہ تھی لیکن کیچڑ پھیلا ہوا تھا۔ بیل گاڑیاں گزرنے کی وجہ سے گڑھے سے بن گئے تھے۔

وہ چوتھا مکان تھا۔ مکان کیا تھا بہت بڑی حویلی تھی۔ بہت لمبا چوڑا صحن تھا۔ ایک طرف چار پانچ بھینسیں بندھی ہوئی تھیں اور لاتعداد مرغیاں ادھر ادھر پھر رہی تھیں۔ ایک عورت بھینسوں کیلئے گتاوہ (چارہ) بنا رہی تھی۔ یہ سب کچھ دیکھ کر مجھے عجیب سا احساس ہوا۔ یہ پنجاب کا زمیندار گھرانہ تھا۔ سب کچھ ویسا ہی تھا جو میں بچپن میں قصور میں اپنے گاؤں میں دیکھا کرتا تھا اور میرا گاؤں بھی یہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ چند ہی میل کا فاصلہ تھا۔ بیچ میں سرحد کی لکیر تھی اس کے دوسری طرف بھی سب کچھ ایسا ہی تھا۔

بھینسوں کیلئے چارہ بنانے والی ادھیڑ عمر صحت مند قسم کی وہ عورت بسنت کور کی پھوپی تھی۔ وہ چند لمحے الجھی ہوئی نظروں سے ہماری طرف دیکھتی رہی پھر بالٹی میں ہاتھ دھوئے اور قریب آ کر بسنت کور سے لپٹ گئی۔

ایک اور ادھیڑ عمر عورت اور دو جوان لڑکیاں بھی برآمدے سے نکل کر سامنے آ گئیں۔ وہ دونوں لڑکیاں بسنت کور ہی کی طرح گوری چٹی' حسین اور اونچی لمبی تھیں۔ یہ پنجاب کی جٹیاں تھیں۔ مکھن ملائی کی پلی ہوئیں۔

پھوپو نے میرے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور پھر وہ لوگ ہمیں اندر لے گئے۔ شاندار حویلی' لویرا (مویشی) اور گھر کا ساز و سامان اس گھر کی خوشحالی کی عکاسی کر رہا تھا۔

بسنت کور نے مجھے راستے ہی میں اپنی پھوپی اور پھوپا کے بارے میں بہت کچھ بتا دیا تھا۔

دراصل بسنت کور کا باپ کئی سال پہلے اپنے بہنوئی سے لڑ کر امرتسر چلا گیا تھا۔ وہاں وہ محنت مزدوری کرتا رہا۔ وہ بہت ہی بدمزاج آدمی تھا۔ وہاں بھی ان کے بہت سے رشتہ دار تھے اور خوشحال تھے مگر بسنت کور کے باپ کی کسی سے نہیں بنی۔ وہ ہر ایک سے الگ تھلگ رہا۔

ایک موقع پر منڈی میں کچھ لوگوں سے جھگڑا ہو گیا۔ ایک آدمی اس کے ہاتھوں زخمی ہو گیا تھا۔ رتن سنگھ کو پولیس نے گرفتار کر لیا اور تھانے میں اس پر اتنا تشدد کیا گیا کہ وہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ پولیس نے اس کی لاش سڑک پر پھینک دی اور یہ ظاہر کیا کہ اس نے پولیس کی حراست سے فرار ہونے کی کوشش کی تھی مقابلے میں مارا گیا۔

کسی رشتہ دار نے اس کے کیے کو نہیں اٹھایا بلکہ بہت سوں کو تو پتہ بھی نہیں چلا کہ کیا ہو چکا ہے اور جنہیں پتہ چل گیا تھا وہ خاموش رہے۔ پولیس سے پنگا لینے کو تو کوئی بھی تیار نہیں تھا۔

بسنت کور کی ماں نے بھی کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ کسی کو مدد کیلئے نہیں پکارا۔ وہ بھی ایک ضدی عورت تھی۔ کسی نے شوہر کو اس کی زندگی میں قریب نہیں پھٹکنے دیا تھا وہ اس کے مرنے کے بعد ان کے سامنے ہاتھ کیوں پھیلاتی۔

گھر میں تنگی تو پہلے ہی تھی رتن سنگھ کے مرنے کے بعد حالات کچھ اور ابتر ہو گئے۔ دونوں ماں بیٹیاں لوگوں کے گھروں میں کام کر کے گزارہ کرنے لگیں اور پھر ایک روز بسنت کور کی ماں بھی ایک تیز رفتار ویگن کے نیچے آ کر مر گئی اور بسنت کور اکیلی رہ گئی۔

بسنت کور حسین تھی' جوانی پھٹی پڑ رہی تھی۔ محلے کے اوباش لڑکے اس کے اردگرد منڈلانے لگے۔ محلے کی سماج بندھک کمیٹی نے اس صورت حال کو محسوس کر لیا اور اسے کھولی سے اٹھا کر آشرم میں پہنچا دیا گیا جہاں کچھ ہی مہینوں بعد اس کی شادی کر دی گئی اور وہ اپنے پتی کے ساتھ فیروز پور چلی گئی۔

بسنت کور کی شادی میں اس کے رشتہ داروں میں سے کوئی بھی شریک نہیں ہوا تھا۔ پھوپو کو معلوم تو تھا کہ بسنت کور کی شادی ہو گئی ہے لیکن اس نے بسنت کور کے پتی کے بارے میں کچھ نہیں سنا تھا اور نہ ہی کبھی اسے دیکھا تھا۔ اس لئے اب بسنت کور نے مجھے اپنے پتی کی حیثیت سے پیش کیا تو سب نے بلا چوں و چرا تسلیم کر لیا۔ بسنت کور نے انہیں میرا نام من موہن سنگھ ہی بتایا تھا۔

بسنت کور کا پھوپا پریم سنگھ بھی گھر آ گیا تھا۔ ان لوگوں میں دیر تک شکوے گلے ہوتے رہے۔ سب کو گلہ تو بسنت کور کے باپ رتن سنگھ سے تھا جس نے خاندان کے ہر فرد سے ملنا چھوڑ دیا تھا۔

ہم دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد گپ شپ کر رہے تھے کہ ایک آدمی پریم سنگھ کو بلا کر لے گیا۔ اس کی واپسی تقریباً دو گھنٹوں کے بعد ہوئی تھی۔ وہ عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا اور پھر یہ سنسنی خیز انکشاف ہوا کہ ایک آدمی گاؤں والوں سے ہمارے بارے میں پوچھ تاچھ کرتا پھر رہا تھا اور پریم سنگھ کو بھی اسی سلسلے میں بلایا گیا تھا۔

مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ یہ ان دونوں میں سے کوئی ایک ہو گا جنہیں میں نے ریلوے سٹیشن پر دیکھا تھا۔ اس دوران گاؤں کے اکثر گھروں میں پتہ چل گیا تھا کہ پریم سنگھ کی بھتیجی امرتسر سے اپنے پتی کے ساتھ آئی ہے۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

''کیا بات ہے' تم پریشان کیوں ہو گئے؟'' پھوپھی نے شوہر سے پوچھا۔

''ایک آدمی من موہن سنگھ کے بارے میں پوچھتا پھر رہا تھا۔'' پریم سنگھ نے جواب دیا۔ ''سرکار کو کسی مشتبہ شخص کی تلاش ہے۔ سرحد کی طرف جانے والے تمام راستوں کی نگرانی ہو رہی ہے۔ وہ شخص سٹیشن سے ان کے پیچھے لگا تھا۔

''ہمارا من موہن چور ڈاکو ہے کیا جو.....''

''یہ بات نہیں ہے۔'' پریم سنگھ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''اس شخص نے بتایا تھا کہ وہ شخص پاکستانی ایجنٹ اور بہت بڑا دہشت گرد ہے۔ راجستھان میں کئی مہینے تباہی پھیلانے کے بعد سرحد پار کرنے کیلئے چند روز پہلے فیروز پور پہنچا تھا جہاں اسے پکڑ لیا تھا مگر وہ بھاگ نکلا۔ سکیورٹی والوں کو شبہ ہے کہ وہ کسی اور طرف سے سرحد پار کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس لئے اس طرف آنے والے لوگوں کو چیک کیا جا رہا ہے۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''میں نے اس کی تسلی کر دی ہے کہ ہماری بسنت کور کی شادی من موہن سے ایک سال پہلے امرتسر میں ہوئی تھی اور وہ لوگ امرتسر سے ہی آئے ہیں۔ وہ مطمئن ہو کر چلا گیا ہے اور گاؤں والوں سے کہہ گیا ہے کہ کوئی مشتبہ شخص نظر آئے تو اس کے بارے میں ریلوے سٹیشن پر اطلاع دے دی جائے۔''

میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ ایک بلا ٹل گئی تھی لیکن میں جانتا تھا کہ چند میل کے اس راستے میں ابھی اور بھی بہت سی رکاوٹیں پیش آئیں گی۔

ایک ہفتہ گزر گیا۔ میں آزادی سے گاؤں میں گھوم پھر رہا تھا۔ کبھی کھیتوں کی طرف چلا جاتا۔ مجھے بسنت کور ہی نے بتایا تھا کہ عرصہ پہلے جب وہ لوگ خود بھی یہاں رہتے تھے اس کا پھوپا سمگلروں سے ملا ہوا تھا۔ وہ سرحد پار سے آنے والے سمگلروں کو پناہ دیا کرتا تھا اور اب اس سے میرے بارے میں جو بھی بات کرنی تھی بسنت کور ہی نے کرنی تھی لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا میری بے چینی بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ میں اب جلد سے جلد سرحد پار کر کے اپنی سرزمین پر پہنچ جانا چاہتا تھا۔

اور پھر ایک روز جب میں کھیتوں میں تھا تو پریم سنگھ مجھے لے کر ایک ٹاہلی کے نیچے بیٹھ گیا۔

''میں نے دوسروں کی تو تسلی کر دی تھی مگر اس روز مجھے تم پر شبہ ہو گیا تھا۔'' وہ میرے چہرے پر نظریں جمائے کہہ رہا تھا۔ بہرحال میں تفصیل میں نہیں جاؤں گا میں سرحد پار کرنے میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں لیکن خرچ بہت آئے گا۔''

''کتنا؟'' میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''ایک لاکھ روپے ایک لاکھ۔'' پریم سنگھ نے جواب دیا۔

''میں تو اکیلا ہی جانا چاہتا ہوں۔ ایک لاکھ دے دوں گا۔'' میں نے کہا۔

''بسنت کور بھی تمہارے ساتھ سرحد پار جانا چاہتی ہے۔'' پریم سنگھ نے کہا۔ ''ویسے بہتر ہے کہ تم اسے ساتھ لے جاؤ۔ اگر وہ یہاں رہی تو نہ صرف خود مشکلات میں پھنس جائے گی بلکہ ہمارے لئے بھی مشکلات پیدا کرے گی۔''

میں اس انکشاف پر چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا کہ بسنت کور میرے ساتھ جانے کو تیار تھی۔

''ٹھیک ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ میں انکار کر کے کوئی نیا مسئلہ پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے فوراً ہی طے کر لیا تھا کہ راستے ہی میں اس کا کوئی بندوبست کر لوں گا۔ ''ٹھیک ہے میں اسے ساتھ لینے کو تیار ہوں اور رقم بھی ادا کر دوں گا۔ ہمیں کب جانا ہوگا۔''

''یہ میں تمہیں کل بتاؤں گا لیکن آدھی رقم ایڈوانس دینی ہوگی۔ آج ہی تاکہ اس شخص کو ادا کر دی جائے۔'' پریم سنگھ نے کہا۔

''ٹھیک ہے' رقم تمہیں آج مل جائے گی لیکن اس بات کا خیال رکھنا کہ ہمارے ساتھ کوئی دھوکا نہ ہو۔' میں نے کہا۔ ''لیکن تمہارے بارے میں تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ کب سے یہ کام کر رہے ہو؟''

''بہت عرصہ ہو گیا۔'' پریم سنگھ نے جواب دیا۔ ''زمینداری میں اب کچھ نہیں رکھا۔ شب و روز کی محنت کے بعد جو کچھ ملتا ہے اس سے تو اخراجات ہی پورے نہیں ہوتے۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''یہ پنڈ سرحد سے اگرچہ کئی میل دور ہے مگر سمگلروں کیلئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ کئی سال پہلے پاکستان سے سمگلروں کی ایک پارٹی اس طرف آئی تھی۔ ان سے ملاقات کے بعد ہی میں نے بھی یہ دھندہ شروع کیا تھا۔''

''مجھے سمگلنگ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن پریم سنگھ سے باتوں کا سلسلہ چلتا رہا۔

''شجاع کو جانتے ہو کئی سال پہلے وہ بھی اس طرف آیا کرتا تھا۔'' میں نے کہا۔

''بہت اچھی طرح جانتا ہوں بلکہ جانتا تھا۔'' پریم سنگھ نے جواب دیا۔ ''لیکن پھر اس کا آنا جانا بند ہو گیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ قصور میں اپنے ہی کسی بندے کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ شاید کوئی حصے کا معاملہ تھا۔''

''حصے کا نہیں' عورت کا معاملہ تھا۔'' میں نے کہا۔

''ہاں بیچ میں کسی عورت کا نام بھی سننے میں آیا تھا مگر تمہیں کیسے پتہ؟'' اس نے گھور کر میری طرف دیکھا۔

''میں قصور کا رہنے والا ہوں اور ان دنوں وہیں تھا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''شجاع نے اپنے گھر میں کسی جوان لڑکے کو رکھا ہوا تھا۔ اس کی بیوی نے لڑکے کو قابو کر لیا اور اس کے ساتھ رنگ رلیاں منانی رہی۔ ایسی باتیں چھپی نہیں رہتیں۔ شجاع کو پتہ چل گیا۔ وہ اس لڑکے کو سزا دینا چاہتا تھا لیکن خود ہی اس کے ہاتھوں مارا گیا۔ وہ لڑکا بھاگ گیا اور پولیس آج تک اس کا سراغ نہیں لگا سکی۔'' میں نے اسے یہ نہیں بتایا کہ شجاع کی بیوی جس لڑکے کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہی تھی وہ میں تھا۔

''لگتا ہے تم اس سلسلے میں بہت کچھ جانتے ہو۔'' پریم سنگھ بولا۔

''میں ہی کیا قصور کا رہنے والا ہر شخص جانتا ہے۔'' میں نے جواب دیا اور پھر پریم سنگھ کے ایک مزارع کو اس طرف آتے دیکھ کر ہماری گفتگو کا موضوع بدل گیا۔

میں کافی دیر کھیتوں میں پریم سنگھ کے ڈیرے پر رہا اور پھر واپس آ گیا۔ بسنت کور کو بھی میں نے صورت حال سے آگاہ کر دیا تھا اور اس سے اپنا تھیلا لے کر اس میں سے ایک لاکھ روپے بھی نکال لئے۔ میں نے بسنت کور کو اس تھیلے میں نقد رقم اور زیورات کے بارے میں بتا دیا تھا اور اس نے وہ تھیلا بڑی

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

حفاظت سے رکھا ہوا تھا۔

''تم میرے ساتھ کیوں جانا چاہتی ہو؟'' میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ ''یہ تمہارا دیش ہے یہاں تمہارے اپنے لوگ ہیں اپنوں سے دور رہنے کا بڑا دکھ ہوتا ہے۔''

''اپنوں کے بارے میں تمہیں بتا چکی ہوں۔'' بسنت کور نے کہا۔ ''پھوپوں یہ محبت صرف چند روزہ ہے تمہارے چلے جانے کے بعد جب گھر والوں پر حقیقت کھلے گی تو یہ لوگ میری زندگی اجیرن کر دیں گے۔ ہوسکتا ہے مجھے یہاں سے دھکے دے کر نکال دیا جائے اور میں ایک بار پھر پھیر سنگھ جیسے کسی شخص کے ہتھے چڑھ جاؤں۔ میں طوائف بن کر زندگی نہیں گزارنا چاہتی۔ تم مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ کم از کم ایک کھونٹے سے تو بندھی رہوں گی اور تم مجھے رائے کی ٹیکسی تو نہیں بناؤ گے۔''

''پاکستان میں بھی میرا کوئی مستقبل نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اپنے ملک میں تو میں ہندوستان سے بھی زیادہ مطلوب ہوں۔ عین ممکن ہے کہ سرحد پار کرتے ہی دھر لیا جاؤں۔ میرے ساتھ تم بھی پھنسو گی۔ جیل کے سوا ہمارا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا۔''

''کوئی بات نہیں۔'' بسنت کور مسکرائی۔ ''میں تمہارے ساتھ جیل میں رہ لوں گی لیکن یہاں طوائف بن کر نہیں رہوں گی۔''

''تم طوائف نہیں بنو گی۔'' میں نے کہا۔ ''میرے پاس اس تھیلے میں لاکھوں روپے نقد اور لاکھوں روپے کے زیورات رکھے ہوئے ہیں۔ میں سرحد پار کر جاؤں گا تو وہ کرنسی میرے کسی کام کی نہیں رہے گی۔ یہ ہوسکتا ہے کہ وہ سب کچھ تم اپنے پاس رکھ لو اور یہاں سے کہیں دور چلی جاؤ۔ کسی اجنبی شہر میں اس رقم سے تم ایک نئی اور باعزت زندگی شروع کر سکتی ہو۔''

''نہیں، میں صرف تمہارے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔ جیسی بھی ہو۔'' بسنت کور نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

عجیب صورتحال تھی۔ لگتا تھا بسنت کور کو مجھ سے عشق ہو گیا تھا اور وہ مجھے چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ یاممکن ہے اس کے ذہن میں یہ خیال ہو کہ میرے چلے جانے کے بعد یہاں اسے بدترین حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لئے وہ بھی یہاں سے فرار چاہتی تھی۔ میں نے اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ میرے ساتھ جانے کی ضد پر قائم رہی۔

''ٹھیک ہے۔'' میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''لیکن وہاں جو بھی حالات پیش آئے ان کا کوئی گلہ نہ کرنا۔''

''بالکل نہیں کروں گی۔'' بسنت کور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اس رات میں نے پریم سنگھ کو ایک لاکھ روپے دے دیئے۔ اس سے اگلے روز صبح سویرے ہی وہ موٹر سائیکل پر کہیں چلا گیا اور اس کی واپسی سہ پہر کے قریب ہوئی تھی اور اسی شام اس نے مجھے بتا دیا کہ ہم پرسوں صبح یہاں سے روانہ ہوں گے۔

''یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ پرسوں رات ایک پارٹی کچھ مال لے کر سرحد پار جانے والی ہے۔'' اس نے کہا۔ ''میں نے بات پکی کر لی ہے۔ ایک لاکھ روپے پیشگی بھی دے دیا ہے۔ تم دونوں ان لوگوں کے

ساتھ جاؤ گے لیکن باقی رقم وہاں روانگی سے پہلے دینی ہوگی۔''

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

میرے لئے اگلا دن گزارنا مشکل ہو گیا۔ میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ اڑ کر سرحد کے دوسری طرف پہنچ جاؤں۔ میں اس خوفناک حقیقت سے بھی پوری طرح واقف تھا کہ سرحد کے دوسری طرف بھی میرے لئے یہی سب کچھ تھا۔ ہوسکتا ہے سرحد پار کرتے ہی گولیوں کا نشانہ بن جاؤں یا پکڑا جاؤں۔ پکڑے جانے کی صورت میں مجھے یقین تھا کہ میری باقی زندگی جیل ہی میں گزرے گی۔

اس سے اگلے روز صبح سویرے ہم ٹریکٹر ٹرالی پر گاؤں سے روانہ ہو گئے۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ پریم سنگھ کی بیوی اور ایک بیٹی بھی ہمارے ساتھ تھی۔ ایک بوڑھے آدمی کو بھی سوار کرا لیا گیا۔

''تمہیں حفاظت سے سرحد پار کرانی ہے۔'' میرے پوچھنے پر پریم سنگھ نے بتایا۔ ''کل میں اس طرف گیا تھا تو راستے میں ایک دو مشتبہ قسم کے آدمی دکھائی دیئے تھے۔ میرا خیال ہے وہ سرحد کی طرف جانے والے راستوں پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ ''اکیلا آدمی ہو تو کسی قسم کا شبہ ہو سکتا ہے میرے ساتھ تو سارا پریوار ہے اس لئے کسی کو شبہ نہیں ہوگا۔''

بات میری سمجھ میں آ گئی تھی۔

''لیکن کیا ایسی صورت میں سرحد پار کی جا سکتی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ جو سمگلر ہوتے ہیں نا ان کے ہاتھ بڑے لمبے ہوتے ہیں۔'' پریم سنگھ نے جواب دیا۔ ''ان کی پہنچ بہت اوپر تک ہوتی ہے۔ یہ اپنا بندوبست کر کے ہی چلتے ہیں۔''

یہ سب کچھ میں بھی جانتا تھا لیکن ان دنوں یہاں حالات کچھ مختلف تھے۔ مجھے روکنے کیلئے را اپنے تمام تر وسائل بروئے کار لا رہی تھی۔ بیلا بری طرح جھنجھلائی ہوئی تھی اس لئے مختلف ایجنسیوں کی ساری قوتیں صرف کر دی تھیں۔ اس کے باوجود وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔ چھوٹے چھوٹے گاؤں دیہاتوں میں اس کے ایجنٹ پھیلے ہوئے تھے اور میں جانتا تھا کہ سرحد پار کرنا آسان نہیں ہوگا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد ہم بیس بائیس میل کا فاصلہ طے کر کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں پہنچ گئے۔ یہاں سے سرحد صرف پانچ سو گز کے فاصلے پر تھی۔ سرحد تک لہلہاتے کھیتوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ گیہوں کی فصل پکنے والی تھی۔ پودے اتنے اونچے تھے کہ ان میں آسانی سے چھپا جا سکتا تھا۔

ہم اس گاؤں کے جس گھر میں ٹھہرے ہوئے تھے وہ بھی پریم سنگھ کا ایک رشتے دار ہی تھا۔ جہاں ہماری خوب آؤ بھگت ہوئی تھی۔ مجھے پریم سنگھ نے گھر سے نکلنے سے منع کر دیا تھا۔

آدھی رات کے قریب ایک آدمی ہمیں بلانے کیلئے آ گیا۔ میں نے یہاں آتے ہی پریم سنگھ کو باقی ایک لاکھ روپے کی رقم بھی دے دی تھی اور بسنت کور کو ایک بار پھر سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ رقم اور زیورات سے بھرا ہوا تھیلا رکھ لے اور یہاں رہ جائے لیکن وہ نہیں مانی۔

ہم دونوں اس آدمی کے ساتھ چل پڑے۔ گاؤں سے تقریباً دو سو گز دور پیپل کے درختوں کے ایک جھنڈ میں دو ٹرک کھڑے تھے۔ ان کے ساتھ پانچ چھ آدمی تھے جو سب کے سب مسلح تھے۔ ہمیں ایک اور آدمی کے ساتھ وہاں سے دوسری طرف روانہ کر دیا گیا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

گہری تاریکی تھی ہم تینوں کھیتوں میں پگڈنڈی پر آ گئے۔ ہم پیچھے چلتے رہے وہ آدمی آگے تھا۔ میں اس کے پیچھے اور سب سے آخر میں بسنت کور تھی۔

ایک جگہ ہم رک گئے۔ یہ اس کھیت کا آخری کنارہ تھا۔ اس سے آگے تقریباً پچاس گز تک کی جگہ چٹیل میدان کی طرح خالی تھی۔ یہ ایک پوری پٹی تھی جو کھیتوں سے بائیں چلی گئی تھی۔

ہم گیہوں کے پودوں میں دبکے بیٹھے رہے پھر دائیں طرف سے کہیں بہت دور سے فائرنگ کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اس شخص نے اشارہ کیا اور ہم کھیتوں سے نکل کر سامنے کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ میں نے بسنت کور کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ ہم اس خالی جگہ پر ابھی آدھے راستے میں تھے کہ بائیں طرف سے ایک دھاڑتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"رک جاؤ کون ہے؟"

ہم دوڑتے رہے۔ بسنت کور ٹھوکر کھا کر لڑکھڑائی اور اس کا ہاتھ چھوٹ گیا۔ میں دو تین گز آگے نکل چکا تھا اور پھر ٹھیک اس وقت فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونج اٹھی۔ اس کے ساتھ ہی بسنت کور کی چیخ بھی سنائی دی۔

میں زمین پر گر گیا۔ مڑ کر دیکھا بسنت کور کو غالباً کئی گولیاں لگی تھیں۔ وہ بری طرح تڑپ رہی تھی۔ میں نے لپک کر اس کے ہاتھ سے تھیلا پکڑ لیا۔

گولیاں میرے اوپر سے گزر رہی تھیں۔ میں اس شخص سے پیچھے زمین پر سینے کے بل رینگتا رہا اور پھر اٹھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ گولیاں میرے چاروں طرف برس رہی تھیں اور پھر یوں لگا جیسے میری دائیں پنڈلی میں انگارے سے بھر گئے ہوں۔ میں لڑکھڑا کر گرا اور پھر اٹھ کر بھاگنے لگا۔

گولیاں اب بھی میرے چاروں طرف برس رہی تھیں لیکن اس مرتبہ میں دوسری طرف کھیتوں میں پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ کھیتوں میں پہنچ کر بھی میں نہیں رکا اور دوڑتا چلا گیا۔

فائرنگ تسلسل سے ہو رہی تھی۔ گولیاں میرے اوپر اور دائیں بائیں سے گزر رہی تھیں۔ دفعتاً مجھے یوں لگا جیسے میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی ہو۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کی مگر دھڑاپ سے پانی میں گرا۔

وہ تقریباً چھ سات فٹ لمبا چوڑا اور تین فٹ گہرا گڑھا تھا جس میں پانی بھرا ہوا تھا۔ میں نے باہر نکلنے کی کوشش کی مگر پھر گڑھے کے کنارے کے ساتھ دبک کر بیٹھ گیا اور کنارے پر اگے کی جھاڑیاں پکڑ کر اپنے اوپر کھینچ لیں۔ یہ گڑھا کچھ دیر کیلئے میرے لئے ایک اچھی پناہ گاہ ثابت ہو سکتا تھا۔

فائرنگ کے ساتھ اب ایسی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں جیسے دو تین آدمی کھیت میں دوڑے آ رہے ہوں اور پھر ایک اور چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

"زیادہ آگے مت جاؤ نریش۔" کوئی چیختی ہوئی بھاری آواز میں کہہ رہا تھا۔ "وہ لڑکی زندہ ہے تم لوگ واپس آ جاؤ پاکستانی بارڈر سکیورٹی والے آ گئے تو گڑبڑ ہو جائے گی۔"

میرا قتل کرنے والے مجھ سے آگے نکل چکے تھے۔ ان کی تعداد دو یا تین تھی۔ انہوں نے کھیتوں میں ایک اور برسٹ مارا اور دوڑتے ہوئے واپس آنے لگے۔ وہ اس کھڈ کے کنارے پر سے

گزرے تھے جہاں میں کنارے پر دبکا ہوا تھا۔ اگر ہلکی سی روشنی بھی ہوتی تو میں دیکھ لیا جاتا لیکن میں نے گہرے نیلے رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے اور یہ کپڑے بھی تاریکی کا حصہ ہی بن گئے تھے۔ میں سانس روکے دبکا رہا اور وہ لوگ دوڑتے ہوئے میرے قریب سے گزر گئے۔

میں تقریباً پانچ منٹ تک اس گڑھے میں دبکا رہا اور پھر آہستگی سے باہر نکل آیا۔ میں سر سے پیر تک پانی میں تر ہو رہا تھا۔ پانی کپڑوں سے نچڑ رہا تھا۔ میرے ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھیلے میں سے بھی پانی نچڑ رہا تھا۔

میں نے بہت محتاط انداز میں کھڑے ہو کر پیچھے کی طرف دیکھا۔ تقریباً سو گز دور خالی پٹی پر پانچ چھ ہیولے دوڑتے ہوئے نظر آئے اور پھر دوسری طرف کھیتوں میں غائب ہو گئے۔

میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ میں سرحد پار کر کے اپنے ملک کی زمین میں آ گیا تھا۔ بسنت کور گولیاں کھا کر گری تھی۔ میں تو یہی سمجھا تھا کہ وہ ختم ہو چکی ہے لیکن بعد میں اس چیختی ہوئی بھاری آواز سے انکشاف ہوا تھا کہ وہ زندہ تھی اور وہ لوگ اسے اٹھا کر لے گئے تھے۔ مجھے اس کا بے حد افسوس تھا اس کے خلوص نے مجھے متاثر کیا تھا۔ بغیر کسی لالچ کے اس نے میری مدد کی تھی اگر وہ میری مدد نہ کرتی تو بھارت کی سرحد پار کرنے میں مجھے مزید دشواریاں پیش آ سکتی تھیں۔

بسنت کور کسی وجہ سے میرے ساتھ آنے پر رضامند تھی اگر وہ میری بات مان کر لاکھوں روپے کی یہ رقم لے کر کہیں دوسرے شہر میں چلی جاتی تو آرام سے زندگی گزار سکتی تھی لیکن اس کا مقدر ہی اسے میرے ساتھ یہاں تک کھینچ لایا تھا اور اب میں اس کی موت کی دعائیں مانگ رہا تھا۔ بیلا اور اس کے آدمیوں کو میں اچھی طرح جانتا تھا۔ را اسرائیلی انٹیلی جنس ایجنسی کے بعد دنیا کی سب سے بڑی دہشت گرد تنظیم تھی۔ اس کے ممبر انسان نہیں درندے تھے۔ ان کی بربریت کا مظاہرہ تو میں خود کئی بار دیکھ چکا تھا۔ وہ بسنت کور کا جو حشر کریں گے اس سے میں اچھی طرح واقف تھا اور اس لئے میں اس کی موت کی دعائیں مانگ رہا تھا تاکہ وہ اس عذاب سے بچ جائے۔

جگت سنگھ نامی جو شخص ہمارے ساتھ آیا تھا اس کے بارے میں فی الحال کوئی پتہ نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے۔ وہ ہم سے آگے تھا۔ بھارتی سکیورٹی والوں نے کھیتوں میں اندھا دھند فائرنگ کی تھی ہو سکتا ہے کسی گولی نے جگت سنگھ کا بھی خاتمہ کر دیا ہو اور اس کی لاش کھیتوں میں کہیں پڑی ہو یا ممکن ہے وہ بچ کر بہت دور نکل گیا ہو۔

میں چند منٹ وہاں کھڑا رہا اور پھر تیزی سے ایک طرف چلنے لگا۔ میرے چلنے سے پودوں کی سرسراہٹ کی آواز دور تک پھیل رہی تھی۔

تقریباً دو گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد میں رک گیا۔ یہاں ٹاہلی کے چند درخت تھے۔ یونہی بلا سوچے سمجھے کھیتوں میں چلتے رہنا خطرناک ہو سکتا تھا۔ میں درختوں کے نیچے رک کر کسی راستے کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھنے لگا اور پھر نیچے جھک کر زخمی پنڈلی سہلانے لگا۔

گولی پنڈلی کی کھال چھیلتی ہوئی نکل گئی تھی۔

میں وہاں کھڑا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ دائیں طرف کچھ فاصلے پر پودوں کی سرسراہٹ کی آواز سن

www.pdfbooksfree.pk

کر چونک گیا۔ میں تیزی سے ایک درخت کی آڑ میں ہو گیا اور گہری نظروں سے اس طرف دیکھنے لگا۔ مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ایک آدمی کھیتوں سے نکل کر کھلی جگہ پر آ گیا اور پھر ادھر ادھر دیکھتا ہوا اس طرف آنے لگا۔

میں ٹاہلی کے ایک درخت کے پیچھے سانس روکے کھڑا تھا۔ میں گہری نظروں سے اس شخص کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ مجھ سے چند گز کے فاصلے پر رک گیا۔ میں نے اس کے ہیولے سے اسے پہچان لیا۔ وہ جگت سنگھ تھا۔

''جگت سنگھ۔'' میں نے سرگوشی کی۔

وہ اچھل پڑا۔ ''کک..... کون ہے؟'' وہ ہکلا گیا۔

''میں ہوں۔'' میں نے جواب دیا اور درخت کی آڑ سے نکل آیا۔

''اوہ تم۔'' وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا میرے قریب آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ ''میں نے تمہاری ساتھی کی چیخ سنی تھی۔ میں تو سمجھا تھا کہ تم بھی۔''

''میں بھی بال بال بچا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''وہ مری۔۔۔ں زخمی ہوئی تھی اور وہ لوگ اسے اٹھا کر لے گئے ہیں۔''

''یہ بہت برا ہوا۔'' جگت سنگھ بولا۔ وہ موتا سکھ تھا۔ یہ سکھوں کا وہ طبقہ تھا جو اپنی مذہبی اقدار سے باغی نظر آتا ہے۔ یہ لوگ داڑھی یا سر کے بال نہیں بڑھاتے اور دوسری روایات کی پابندی بھی نہیں کرتے۔ جگت سنگھ بھی کلین شیو تھا اور سر کے بال بھی ایک انچ سے زیادہ بڑے نہیں تھے۔

''تم اپنے دیش میں پہنچ چکے ہو۔'' اس نے کہا۔ ''اب کہاں جاؤ گے تم؟''

''جانا تو مجھے قصور کی طرف ہے لیکن یہ جگہ میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔'' میں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

''قصور تو یہاں سے بہت دور ہے تم اس حالت میں وہاں تک نہیں پہنچ سکو گے۔'' جگت سنگھ نے کہا۔ ''یہاں سے کچھ ہی دور ایک چھوٹا سا گاؤں ہے کھیاں۔ میں اس طرف جا رہا ہوں تم بھی چلو۔ رات گزار کر جہاں دل چاہے چلے جانا۔''

''وہاں کون ہے؟ کوئی جاننے والا؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں ایک ٹھکانہ بنا رکھا ہے۔ آؤ میرے ساتھ۔'' اس نے کہا۔

ہم دونوں کھیتوں میں پگڈنڈی پر چل پڑے۔ کھیاں گاؤں کا نام میں نے بھی بچپن میں سن رکھا تھا لیکن کبھی اس طرف جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔

''کھیاں سے چند میل آگے ایک اور بہت بڑا گاؤں للیانی ہے۔'' جگت سنگھ کہہ رہا تھا۔ ''اپنا حلیہ درست کر کے کل دن میں کسی وقت اس طرف چلے جانا۔ وہاں سے تمہیں قصور یا لاہور کیلئے بس مل جائے گی مگر تم لنگڑا کر کیوں چل رہے ہو۔ کوئی چوٹ لگی ہے کیا؟''

''گولی پنڈلی کی کھال چھیلتی ہوئی نکل گئی تھی۔'' میں نے کہا۔ ''زیادہ تشویش کی بات نہیں ہے۔ معمولی سا زخم ہے خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔''

aazzamm@yahoo.com

''بے پروائی مت کرنا اور اپنا علاج کروا لینا۔ بعض اوقات معمولی سا زخم بھی بڑھ جاتا ہے۔'' جگت سنگھ نے کہا۔

میں جواب دینے کے بجائے خاموشی سے اس کے ساتھ چلتا رہا۔ تقریباً آدھ گھنٹے کے بعد بائیں طرف کسی بستی کے مکانوں کے ہیولے سے دکھائی دینے لگے لیکن جگت سنگھ نے راستہ بدل دیا اور بستی کی طرف جانے کے بجائے دوسری طرف چلنے لگا۔ اس طرف درختوں کا ایک جھنڈ نظر آ رہا تھا۔

وہ ایک ٹیلا تھا جس پر ٹاہلی اور پیپل کے درختوں کی بہتات تھی۔ ہم کھیتوں سے نکل کر ذرا سا ایک طرف مڑے تو درختوں کے نیچے ایک جگہ لالٹین کی روشنی دکھائی دینے لگی۔

لکڑی کا ایک بہت بڑا تخت درختوں کے نیچے پڑا ہوا تھا۔ اس کے بائیں طرف دس گز کے فاصلے پر دو کمروں پر مشتمل ایک چھوٹی سی عمارت تھی۔ گوبر کی بو ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ ایک طرف پانی کا ایک ہینڈ پمپ بھی لگا ہوا تھا اور وہ لالٹین ایک درخت کی ٹھنگی (ٹوٹی ہوئی شاخ کا بچا ہوا حصہ) پر ٹنگی ہوئی تھی۔

مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ کسی زمیندار کا ڈیرہ ہے۔ لیکن اس وقت کسی ذی روح کا نام و نشان تک نظر نہیں آ رہا تھا۔ مگر جلتی ہوئی لالٹین کسی کی موجودگی کی شہادت دے رہی تھی۔

ہم دونوں تخت کے قریب رک گئے۔ جگت سنگھ نے چند لمحے ادھر ادھر دیکھا پھر سرگوشی میں کسی کو پکارنے لگا۔

''بوٹے بوٹے..... کہاں ہو تم..... میں ہوں جگت۔''

دوسرے ہی لمحے ایک آدمی درختوں کی آڑ سے نکل کر سامنے آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں بھی پستول تھا۔ وہ لالٹین کی روشنی میں پہنچا تو میں گہری نظروں سے اس کا جائزہ لینے لگا۔ اس کی عمر چالیس اور پینتالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ لمبا قد، بھاری بھرکم جسم، گنجا سر۔ اس نے دھوتی اور کرتا پہن رکھا تھا۔ کرتے کے بٹن کھلے ہوئے تھے اور گلے میں پڑا ہوا تعویذ صاف نظر آ رہا تھا۔

''یہ کون ہے؟'' بوٹے نے گھورتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

''اپنا ہی بندہ ہے۔ دوسری طرف سے آیا ہے۔ صبح چلا جائے گا۔'' جگت سنگھ نے جواب دیا۔ ''اگر ہو سکے تو اپنے کپڑوں کا ایک جوڑا اسے دے دو تاکہ یہ نہا کر اپنا حلیہ درست کر لے۔ ویسے تم اس کی فکر مت کرو پریشانی کی کوئی بات نہیں۔''

''تم اسے ساتھ لے کر آئے ہو تو میں کیوں پریشان ہونے لگا۔'' بوٹا کندھے اچکاتا ہوا دو کمروں پر مشتمل اس عمارت کی طرف چلا گیا۔

''چلو۔ کپڑے اتار کر پمپ کے نیچے بیٹھ جاؤ۔ میں ہینڈل چلاتا ہوں۔'' جگت سنگھ نے کہا۔

میں کچھ جھجکا، مگر میں نے اندھیرے سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا اور بیگ تخت پر رکھ کر کپڑے اتار دیئے اور ہینڈ پمپ کے نیچے بیٹھ گیا۔ جگت سنگھ پمپ کا ہینڈل چلاتا رہا اور میں اپنے بدن پر لتھڑا ہوا کیچڑ دھوتا رہا۔

بوٹا کمرے سے ایک دھوتی اور کرتا بھی لے آیا۔ اس نے پہلے دھوتی میری طرف اچھال دی۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

میں نے دھوتی لپیٹ کر اس کے ہاتھ سے کرتا بھی لے کر پہن لیا اور اپنا بیگ اٹھا کر اسے بھی پمپ کے نیچے رکھ کر ہینڈل چلانے لگا تا کہ اس پر لگا ہوا کیچڑ صاف ہو جائے۔

ہم لوگ ایک کمرے میں آ گئے۔ بوٹا باہر درخت پر ٹنگی ہوئی لالٹین بھی اتار لایا تھا۔ اس نے لالٹین کمرے کے ایک کونے میں رکھ دی۔

اس کمرے میں ایک جھلنگا سی چارپائی کے علاوہ دو سالخوردہ سی کرسیاں بھی تھیں۔ دوسرے کمرے کا ایک دروازہ اندر سے بھی تھا جو کھلا ہوا تھا۔ اس کمرے میں بھی کچھ ایسی ہی صورتحال نظر آ رہی تھی۔ تاہم سامنے والی دیوار کے ساتھ لکڑی کی ایک الماری بھی دکھائی دے رہی تھی۔

بوٹا دوسرے کمرے سے ایک تھرماس اور تین پیالیاں اٹھا لایا اور تھرماس کھول کر پیالیوں میں چائے انڈیلنے لگا۔

''وہ لوگ ابھی تک نہیں آئے۔ پروگرام کیا ہے؟'' بوٹے نے ایک ایک پیالی ہماری طرف بڑھاتے ہوئے جگت سنگھ سے پوچھا۔

''گڑبڑ ہوگئی ہے۔ وہ لوگ آج نہیں آ سکیں گے۔'' جگت سنگھ نے جواب دیا۔ ''بیداں والی کی طرف کسی جگہ فائرنگ شروع ہوگئی تھی۔ میرا خیال ہے ٹرک واپس چلے گئے ہوں گے۔ میں تو موقع پا کر نکل آیا۔ اس بندے کو اس طرف پہنچانا تھا۔ اس کی ساتھی بارڈر پر زخمی ہو کر پکڑی گئی۔ پتہ نہیں اس کا کیا حشر ہو گا۔''

ہم چائے پیتے اور باتیں کرتے رہے۔ اس دوران جگت سنگھ نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ دو تین دن بعد سرحد پار واپس چلا جائے گا۔

''ارے ہاں یار جگت سنگھ۔'' میں نے بے تکلفی سے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''میرے پاس کچھ بھارتی کرنسی ہے جو اب پاکستان میں تو میرے کام نہیں آئے گی وہ رقم میں تمہیں دے دیتا ہوں۔ انڈیا جا کر عیش کرنا۔''

میں تھیلا کھول کر بھارتی کرنسی نوٹوں کے بنڈل نکال نکال کر اس کے سامنے رکھنے لگا۔ اتنے بنڈل دیکھ کر ان دونوں کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ ایک بنڈل کے ساتھ سونے کا ایک بھاری لاکٹ بھی تھیلے سے نکل کر چارپائی پر گر گیا۔ جسے میں نے جلدی سے اٹھا کر دوبارہ تھیلے میں ڈال لیا۔ ان دونوں نے ایک بار پھر معنی خیز نظر نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔

مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ میں نے جو رقم تھیلے سے نکال کر ان کے سامنے رکھی تھی وہ پانچ لاکھ روپے سے کم کسی طرح بھی نہیں تھی۔ مجھے تو ان کے سامنے زبان ہی نہیں کھولنی چاہئے تھی۔ نوٹوں کے یہ بنڈل کھیتوں میں کہیں پھینک دیتا تو اس سے نجات مل جاتی لیکن مجھ سے ایک سنگین غلطی ہو چکی تھی۔ ان دونوں کی نظریں اب میرے تھیلے پر لگی ہوئی تھیں۔

''اس تھیلے میں کیا مال بھرا ہوا ہے باؤ۔'' بوٹے نے معنی خیز انداز میں کہتے ہوئے تھیلے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ''لگتا ہے انڈیا میں کوئی لمبا ہاتھ مار کر آئے ہو۔''

''ایسی بات نہیں ہے بوٹا صاحب۔'' میں نے تھیلا پیچھے ہٹا لیا۔ ''یہ انڈیا میں میری حلال کی کمائی

ہے۔ کئی سال میں جمع کی ہے۔ امرتسر میں ایک چھوٹا سا جرم سرزد ہو گیا پولیس میرے پیچھے لگ گئی۔ میں یہ کرنسی تبدیل کرانا چاہتا تھا لیکن موقع نہیں ملا۔ اب یہ میرے لیے بیکار ہے۔''

''اور اس تھیلے میں کیا ہے؟'' بوٹا نے پھر کہا۔ ''لگتا ہے تم نے انڈیا میں زیور بھی بہت سارے جمع کر لئے تھے۔''

''کچھ زیور خریدنے کا موقع مل گیا تھا۔'' میں نے جواب دیا اور تھیلا اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا۔ ان دونوں کی نظروں کو دیکھ کر اب میں اپنے لئے خطرہ محسوس کرنے لگا۔

''اچھا بھئی۔ خوش رہو۔'' بوٹا نے کہا۔ ''تم نے یہ رقم ہمیں دے دی ہے بڑی مہربانی ہے تمہاری' یاد کریں گے تمہیں۔ اچھا بھئی اب رات کافی ہو چکی ہے۔ میں تو سونے جا رہا ہوں اور میرا مشورہ ہے کہ تم لوگ بھی سو جاؤ۔'' وہ اس چارپائی پہ لمبا ہو گیا۔

''تم اس کمرے میں سو جاؤ۔ میں یہیں بوٹے کے ساتھ ٹک جاتا ہوں۔'' جگت سنگھ نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں اٹھ کر اندر والے کمرے میں آ گیا۔ جھلنگا سی چارپائی پر کھیس بچھا ہوا تھا۔ میں نے بیگ کو سرہانے کے نیچے رکھ لیا اور لیٹ گیا۔ اس کمرے میں لالٹین نہیں تھی۔ دوسرے کمرے سے مدہم سی روشنی یہاں تک پہنچ رہی تھی۔

ان دونوں کی باتوں اور نظروں کے تبادلے سے میں ان کی طرف سے کچھ مشکوک ہو گیا تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ وہ کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس لئے میں سونا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن بستر پر لیٹتے ہی میرے دماغ پر غنودگی سی طاری ہونے لگی اور میں کوشش کے باوجود اپنی آنکھیں کھلی نہ رکھ سکا۔

مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں کتنی دیر سویا ہوں گا کہ آہٹ سن کر میری آنکھ کھل گئی اور پھر مجھے سینے میں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ بوٹا بیچ والے دروازے میں کھڑا تھا اور جگت سنگھ میری چارپائی کے قریب جھکا سرہانے کی طرف ہاتھ بڑھا رہا تھا۔

میں نے سانس روک لیا اور پھر بڑی تیزی سے دونوں ٹانگیں سمیٹ کر پوری قوت سے جگت سنگھ کے سینے پر رسید کر دیں۔ وہ چیختا ہوا پیچھے الٹ گیا اور لڑکھڑاتا ہوا بیچ والے دروازے میں کھڑے ہوئے بوٹے سے ٹکرا گیا۔

میری یہ حرکت ان دونوں کیلئے قطعی غیر متوقع تھی۔ وہ تو یہ سمجھ رہے تھے کہ میں گہری نیند میں ہوں گا اور وہ میرے سرہانے کے نیچے سے تھیلا نکال لیں گے۔ ان میں شبہ نہیں کہ میں سو گیا تھا لیکن قسمت اچھی تھی کہ معمولی سی آہٹ سے بھی آنکھ کھل گئی تھی۔ دراصل پچھلے چند مہینوں کے دوران میں جس قسم کے حالات سے دوچار رہا تھا اس سے میں بہت محتاط ہو گیا تھا اور یہ میری چھٹی حس ہی تھی جس نے مجھے نیند میں بھی خطرے سے آگاہ کر دیا تھا۔

میں اچھل کر چارپائی سے اتر گیا۔ تکئے کے نیچے سے تھیلا نکال کر اس کا سٹریپ ہاتھ میں لپیٹا اور ان دونوں کی طرف چھلانگ لگا دی۔

وہ دونوں ابھی سنبھل نہیں پائے تھے۔ میں نے جگت سنگھ کو ایک زوردار لات رسید کر دی۔ وہ

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

بوٹے کو ساتھ لیتا ہوا دوسرے کمرے کے فرش پر گرا۔ گرتے ہوئے بوٹے کا سر ایک کرسی سے ٹکرا گیا تھا۔ اس کے منہ سے پہلے ہلکی سی چیخ اور پھر ایک موٹی سی گالی نکل گئی۔

جگت سنگھ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا میں نے اسے ایک اور لات رسید کر دی۔ اس مرتبہ اس کا سر بوٹے کے سر سے ٹکرایا اور اس وقت دونوں کے منہ سے بیک وقت کراہیں خارج ہوئیں۔

باہر والا دروازہ بند تھا۔ میں نے زنجیر گرانے کیلئے ہاتھ بڑھایا تو بوٹے نے میری ٹانگ کھینچنے کی کوشش کی۔ میں نے گھوم کر دوسرے پیر کی ٹھوکر اس کے تھوبڑے پر رسید کر دی۔

میں یہاں اس مختصر سے کمرے میں ان سے محاذ آرائی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بہادری دکھانے کا موقع نہیں تھا۔ ایسی کوئی کوشش کرنا خودکشی کے مترادف تھا۔ بھارت میں تو میں مار دھاڑ کرتا ہوا بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنے ملک میں آتے ہی اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھوں۔

میں نے پہلے ان دونوں کے پاس پستول دیکھے تھے اور مجھے حیرت تھی کہ اس وقت کسی نے پستول کیوں نہیں نکالا تھا۔ شاید یہ سوچا ہوگا کہ وہ دو تھے اور مجھ پر قابو پا لیں گے۔

اس مرتبہ جگت سنگھ نے مجھے روکنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے سیدھے ہاتھ میں لپٹا ہوا تھیلا رکھ دیا۔ چھن کی آواز ابھری۔ تھیلا اس کے منہ پر لگا اور وہ چیختا ہوا پیچھے الٹ گیا۔

میں نے زنجیر گرا کر دروازہ کھولا اور باہر چھلانگ لگا دی۔ کمرے سے نکلتے ہی میں نے ادھر ادھر دیکھا اور ایک طرف دوڑ لگا دی۔ درختوں سے نکل کر میں کھلی جگہ پر پہنچ گیا۔ آگے ٹبے کی ڈھلان تھی۔ میں اس طرف دوڑتا چلا گیا۔

دفعتاً فضا فائروں کی آواز سے گونج اٹھی۔ بیک وقت تین چار گولیاں چلائی گئی تھیں لیکن میں رکے بغیر ڈھلان پر دوڑتا چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

نظیر محمد ناجی کی ایڈونچرس سے بھرپور یہ آپ بیتی ابھی جاری ہے بقیہ واقعات کیلئے حصہ پنجم ملاحظہ فرمائیں

Scanned By:
Azam & Ali
aazzamm@yahoo.com

ایک پراسرار ہستی کی حیرت انگیز خودنوشت

فرہادی

Azam & Ali
aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com
www.pdfbooksfree.pk